
ماہنامہ
سچی کہانی
لاہور
جون 2014ء
WWW.PAKSOCIETY.COM
قیمت 60 روپے

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 6

ماہنامہ سچی کہانی لاہور جون 2014 قیمت=60 روپے



فوجی جرنیلوں کا دورِ حکومت جمہوری حکومتوں سے بہتر تھا

نام نہاد جمہوری حکومتوں سے بہتر فوجی جرنیلوں کا دورِ حکومت تھا۔ ہماری فوج نے ملک وقوم کے لیے جو قربانیاں دیں......ان کی مثال کسی جمہوری حکومت کے دور میں نہیں ملتی۔ نام نہاد عوامی نمائندوں نے جمہوری دور میں جی بھر کے قومی دولت کو لوٹا اور بیرون ممالک لے گئے۔ اگر آج یہ قومی دولت اپنے ملک میں واپس لے آئیں تو ملک خوشحال ہو جائے گا۔ مہنگائی بے روزگاری اور دہشت گردی ختم ہو جائے گی۔ دہشت گردوں کی اکثریت ان نوجوانوں کی ہے جو تعلیم یافتہ ہیں جن کو سرکاری اداروں میں ملازمت نہیں ملی تھی کیونکہ غریب نوجوانوں کے لیے سرکاری اداروں میں ملازمت کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے ان نوجوانوں کے دلوں میں ملک وقوم کے لیے نفرت کا بیج بویا گیا اور یہ بچے مجبوری دہشت گرد بننے کے لیے مجبور ہو گئے۔ اس وقت ہر دہشت گرد کو کم از کم 25000 روپے ماہانہ ملتے ہیں اور ان کی بیک پر ملک دشمن طاقتوں کا ہاتھ ہے۔ یہ سب کچھ بے روزگاری کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر نوجوانوں کو روزگار ملتا تو کبھی دہشت گرد نہ بنتے......اور ملک میں امن وامان کا دور دورہ ہوتا۔

تحریر: ایم اے زاہد

دنیا کی بہترین خوفناک، پراسرار، دہشت ناک، حیرت ناک، وحشت ناک دل کو ہلا کر رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانیوں کا مجموعہ

"ماہنامہ سچی کہانی لاہور"

ماہنامہ سچی کہانی لاہور نے بہت جلد قارئین میں بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی ہے۔ اب ملک بھر میں "سچی کہانی" قارئین کا پسندیدہ میگزین بن چکا ہے۔

سچی کہانی کا ہر شمارہ بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی پروڈکٹس عوام میں مقبولیت حاصل کرے تو اپنی مصنوعات کو شہرت کی بلندیوں پر لانے کے لیے آپ "سچی کہانی" میں اشتہار دیجئے۔

نرخ اشتہارات

بیک صفحہ کلر اشتہار فل صفحہ	15000 روپے
ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	12000 روپے
بیک ان سائیڈ کلر اشتہار فل صفحہ	10000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ فل صفحہ	4000 روپے
بلیک اینڈ وائٹ آدھا صفحہ	2000 روپے

اگر آپ "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" میں اپنے اشتہارات شائع کروانا چاہتے ہیں تو "ماہنامہ سچی کہانی لاہور" کے نام ڈرافٹ بنا کر ہمراہ اپنا اشتہار ہمیں ارسال کریں۔ اپنے اشتہارات ہر ماہ کی یکم تاریخ تک ارسال کریں۔

ایک سال کے لیے اشتہارات پر 20% فی صد رعایت دی جائے گی۔

رابطہ۔ ماہنامہ "سچی کہانی" 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

رابطہ نمبر 0314-4008530

قسط نمبر 4

خوفناک سائے

تحریر...... مظہر الحق علوی

اس کے بعد یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ میں نے میرینا جیسی دولت مند اور حسین عورت سے شادی کیوں کی؟ ایسی عورت سے جس کے دو شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے تھے اور جو بدقسمتی سے تیرنا نہیں جانتے تھے؟ یہ صحیح ہے کہ جب میں نے میرینا سے شادی کی تو مجھے قطعی علم نہ تھا کہ یہ عورت اپنے دو شوہروں کی بھیانک موت کی ذمے دار ہے۔ یہ باتیں تو مجھے بعد میں معلوم ہوئیں اور وہ بھی اس وقت جب میرینا نے خود مزے لے لے کر مجھ سے ان کا ذکر کیا۔ غالباً اس لیے کہ میں اس عورت کا تیسرا شوہر تھا اور وہ تیسرا آدمی بھی تھا۔ جسے میرینا موت کے منہ میں بھیجنے کا منصوبہ بنا چکی تھی۔ بات بہرحال وہیں آتی ہے کہ میں اس کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہو چکا تھا۔ کوئی بھی مرد میرینا کی پر اثر اور طاقتور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا؟ لہٰذا جب اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میں نے بے سوچے سمجھے یہ درخواست قبول کر لی۔ اس نے انہی دنوں مجھ سے کہا تھا:

”دیکھو! میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہیں اقرار کرنا ہی ہو گا۔ بولو کیا تم تیار ہو؟“

اور میں نے ایک کٹھ پتلی کی طرح اقرار میں گردن ہلا دی تھی۔

ہماری شادی ہوئے کئی مہینے بیت گئے۔ ابتدائی زمانے کی گرم جوشی اور چاہت دیکھتے دیکھتے ہوا ہو گئی۔ کئی کئی دن گزر جاتے ہمارے مابین بات چیت تک نہ ہوتی۔ رفتہ رفتہ مجھے میرینا کی موجودگی سے خوف آنے لگا۔ ایک نامعلوم خوف اسے



دیکھتے ہی میرے بدن کے روئیں روئیں میں سما جاتا۔ میری زبان کچھ کہنے سے قاصر ہوتی اور جسم کے اعضا اس کی موجودگی میں حرکت نہ کرسکتے حتیٰ کہ دماغ بھی اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا۔ میرا خیال ہے وہ مجھ پر ہپناٹزم کر رہی تھی جس سے میری قوت ارادی اس کی موجودگی میں بالکل سلیب ہو کر رہ جاتی۔

آپ میرے کرب اور اذیت کا اندازہ شاید نہ کرپائیں جو ان دنوں میری روح میں جاری و ساری تھا۔ پھر تو یہ حالت ہونے لگی کہ میریٹا کی غیر موجودگی میں بھی یوں ہی محسوس ہوتا جیسے وہ موجود ہے اور مجھے شعلہ بار آنکھوں سے گھور رہی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ وہ میرے سامنے آن کر کھڑی ہو جاتی اور ہلکے ہلکے مسکراتی۔ ویسے ہی جیسے وکٹر کی لاش دیکھ کر مسکرائی تھی اور میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی اور یوں لگتا جیسے اس کی نظریں نہیں ہیں' سوئیاں ہیں جو میری آنکھوں کے راستے دل میں چبھی جا رہی ہیں۔

ایک روز دوپہر کو اس نے مجھے سمندر کے کنارے چلنے اور تفریح کرنے کی دعوت دی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی کہ ہمیں سمندر پر تفریح کے لیے گئے ہوئے کئی مہینے گزر گئے تھے۔ میں ایک سحرزدہ کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں نہانے اور تفریح کرنے والے مردوزن کی آمد و رفت زیادہ نہ تھی' ہم دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔ میریٹا نے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں اور میں ان کا مناسب جواب دیتا رہا۔ یک لخت اس نے اپنی نظریں میری آنکھوں پر جما دیں۔ اس وقت میریٹا کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا جس کا پھل دو انچ کا ہو گا' لیکن حد سے زیادہ تیز دھار والا۔ وہ ہر وقت یہ چاقو اپنے پاس رکھتی اور اس سے سیب کاٹ کاٹ کر کھایا کرتی تھی۔ کئی مرتبہ میں نے کہا کہ یہ چاقو ہر وقت ہاتھ میں رکھنا بے وقوفی ہے' لیکن اس نے ہمیشہ سنی ان سنی کر دی اور چاقو ہاتھ سے نہ رکھا۔ تنگ آکر میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب اس وقت بھی وہ چاقو کھلا ہوا اس

کے ہاتھ میں تھا جس سے تھوڑی دیر پہلے وہ سیب کاٹ کر کھا رہی تھی۔

جونہی اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں' میں نے خود کو سکتے کے عالم میں گھرا ہوا پایا۔ کوشش کے باوجود میں پلک جھپکا سکا نہ گردن موڑ سکا اور پھر میرے دل میں ہزاروں اندیشوں اور وسوسوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرینا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ چھوٹا سا چاقو ایک بڑے خنجر کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور خنجر کی نوک آہستہ آہستہ میری آنکھوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خنجر کا پھل سورج کی تیز دھوپ میں آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ میرے منہ سے دفعتہ ہلکی سی چیخ نکلی اور میں نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ چند ثانیے بعد میرینا کے مترنم قہقہے کی آواز میرے کان میں آئی۔ وہ کہہ رہی تھی:

"تم اتنا سا چاقو دیکھ کر ہی ڈر گئے؟ کیا تمہارا خیال ہے میں تم پر حملہ کرنے والی تھی؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے۔ اس وقت میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور میں واقعی میرینا کو کوئی جواب دینے کے لائق نہ تھا۔ وہ اطمینان سے اسی چاقو کے ساتھ سیب چھیل رہی تھی اور اس کا چہرہ کسی اندرونی مسرت کے باعث بے پناہ دمک رہا تھا' میں جانتا تھا کہ وہ اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ جس مقصد کے لیے مجھے سمندر کے کنارے لائی تھی' وہ مقصد پورا ہو رہا تھا' یعنی وہ مجھے جتانا چاہتی تھی کہ اسے میری آنکھیں پسند نہیں ہیں۔ اس نے دانستہ طور پر چاقو کی تیز نوک میری آنکھوں کی طرف بڑھائی تھی اور سورج کا عکس اس کے ذریعے میری آنکھوں پر چکاچوند پیدا کرنے کے لیے ڈالا تھا۔ اس کے بعد میں نے اس کے لبوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ پھیلتے دیکھی جو وکٹر کی بے آنکھ صورت کو دیکھتے ہوئے میرینا کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ یہ مسکراہٹ اتنی خفیف تھی کہ اسے

صرف وہی دیکھ سکتا تھا جو اس کا منتظر رہا ہو۔

اس رات میں ایک لمحے کے لیے بھی سو نہ سکا۔ بار بار وہی منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دوسرے بستر پر لیٹی ہوئی میریٹا کو دیکھا۔ کمرے میں اگرچہ تاریکی تھی' لیکن اتنی نہیں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ پاتا۔ ایک ثانیے کے ہزارویں حصے میں مجھے احساس ہو گیا کہ وہ پلک جھپکائے بغیر میری جانب دیکھ رہی ہے۔ پھر میں نے اس چھوٹے سے چاقو کے پھل کی چمک بھی دیکھی جو اس وقت بھی اس کے تکیے کے پاس دھرا تھا۔

دیر تک کروٹیں بدلنے اور خاموش پڑا رہنے کے بعد مجھے بالآخر صبح کے وقت جھپکی سی آ گئی۔ ابھی میں غنودگی کی کیفیت سے دوچار تھا کہ میں نے اپنے بدن میں سردی کی ایک یخ بستہ لہر دوڑتے ہوئے محسوس کی۔ ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے انتہائی دہشت سے دیکھا کہ میریٹا اپنی لمبی لمبی نازک انگلیاں بار بار میری آنکھوں کے بند پپوٹوں پر پھیر رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔" میریٹا نے ایک انداز خاص سے مسکرا کر کہا۔ "دیکھ رہی تھی کہ تم سو رہے ہو یا جاگتے ہو۔"

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں' وہ اپنا چھوٹا سا چاقو ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی' ایک لمحے کے لیے بھی اسے اپنے سے جدا نہ کرتی۔ ہمارے وسیع مکان کے پچھواڑے ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں وہ نہایا اور تیرا کرتی تھی' ایسے موقعوں پر بھی چاقو اس کے پاس ہوتا۔ وہیں تالاب کے پاس بیٹھ کر وہ چاقو سے سیب کاٹ کاٹ کر کھاتی۔ باورچی خانے میں اسی چاقو سے مختلف سبزیاں اور ترکاریاں کاٹتی۔ رات کو جب بستر پر سونے کے لیے لیٹتی' تو چاقو اس کے تکیے کے پاس رکھا رہتا۔ کبھی کبھی وہ اسے اٹھا کر اچھالنے اور گیند کی طرح کیچ کرنے لگتی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ چاقو کا پھل ہر وقت کھلا رہتا اور مجھے ہمیشہ اس حادثے کا انتظار رہتا کہ اسی

شکل میں ایک دن وہ خود زخمی ہو جائے گی' لیکن خدا جانتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بھی زخمی نہ ہوئی اور ہلکی سی خراش بھی اسے کبھی نہ آئی۔ دن کے وقت وہ عین اس موقع پر جب کہ میں اپنے کسی کام میں مصروف ہوتا' پتھر پر رگڑ رگڑ کر چاقو کی دھار تیز کرتی اور آپ ہی آپ مسکراتی۔ اسے روز بروز چاقو سے عشق ہوتا جا رہا تھا اور وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ ایک دو بار میں نے چاقو اٹھایا' تو اس نے جھپٹ کر میرے ہاتھ سے چھین لیا۔ ایک مرتبہ وہ یہ چاقو اپنے سرہانے ہی بھول کر باتھ روم میں گئی تو میں نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ اس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا تھا اور اس کا پھل ریزر بلیڈ کی طرح تیز تھا' میں نے اس میں غیر معمولی بات یہ دیکھی کہ دستے کے دونوں طرف دو دو انسانی آنکھیں بنی ہوئی تھیں۔

ایک دن میں نے میرینا سے پوچھا: "تم یہ چاقو ہر وقت اپنے پاس کیوں رکھتی ہو؟"

اس نے گردن اٹھا کر ایک دو سیکنڈ تک بغور میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بولی: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں اس چاقو سے سیب اور سبزیاں ترکاریاں وغیرہ کاٹا کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ یہ مجھے روحانی طور پر بھی تقویت دیتا ہے۔"

یہ الفاظ کہتے ہوئے میرینا کے لبوں پر وہی لرزہ خیز' سفاک مسکراہٹ نمودار ہوئی جو وکٹر کی بے آنکھ لاش دیکھتے ہوئے نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ بولی: "یہ چاقو میرے پہلے شوہر نے مجھے دیا تھا' اس وجہ سے بھی میں اسے عزیز رکھتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے چاقو کے پھل پر پیار سے انگلی پھیری اور میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

انہی دنوں میرینا نے "مرکری" نام کی ایک خوبصورت چھوٹی سی موٹر بوٹ خریدی۔ اس موٹر بوٹ میں سوار ہو کر ہم سمندر کی سیر کیا کرتے۔ ایک روز میں نے سمندر میں نہانے کی خواہش ظاہر کی۔ میرینا کا چہرہ یک لخت روشن ہو گیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ ہم مغربی ساحل پہ نہائیں تو بہتر رہے گا کہ ادھر کبھی کبھار

شارک مچھلی آ نکلتی ہے۔ شارک کا نام سن کر ہی میرا دم نکل گیا اور میں مغربی ساحل پر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر میں کنارے کے قریب نہانے میں مصروف ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد میریٹا بھی ادھر آ گئی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر سمندر میں نہانے اور غوطے لگانے لگی۔

تھوڑی دیر بعد میں پانی سے نکل آیا اور ریت پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ فاصلے پر میں نہاتی ہوئی میریٹا کو کبھی کبھار دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیتا۔ ہمارے اردگرد دور دور تک کوئی ذی روح نہ تھی۔ موٹر بوٹ ہم نے ریت پر چڑھا دی تھی۔ نہ جانے کب مجھ پر غنودگی سی چھا گئی اور اسی غنودگی کے عالم میں میں نے محسوس کیا کہ کوئی نرم و نازک چیز میرے چہرے پر رینگ رہی ہے۔ میں نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میریٹا مجھ پر جھکی ہوئی ہے اور میری آنکھوں کے گرد انگلی سے دائرہ سا بنا رہی ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا۔ جونہی میں نے آنکھیں کھولیں' اس نے جھٹ چاقو اپنی کمر کے پیچھے چھپا لیا۔ اس وقت دہشت سے میرا دل سینے میں اچھل رہا تھا' لیکن میریٹا کے ہونٹوں پر وہی سفاکانہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

اس کے بعد میں نے میریٹا کے ساتھ سمندر کی طرف جانا چھوڑ دیا اور کوشش کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اس کی قاتل نظروں سے دور رہوں' چنانچہ میں صبح کا گھر سے نکلا رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں میں نے دیکھا کہ میریٹا نے الکوحل کا بے تحاشا استعمال شروع کر دیا ہے۔ جب بھی میں واپس آتا' دیکھتا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں تقریباً مدہوش پڑی ہے۔ اس نے کھانا پکانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ نہ میں اس سے کچھ کہتا نہ وہ مجھ سے بولتی۔ پھر یوں ہوا کہ جب میں آتا' اس کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مقفل ہوتا اور رات بھر ایک لمحے کے لیے بھی نہ کھلتا۔ صبح جب وہ باہر نکلتی تو اس کا چہرہ سن ہوا ہوتا۔ اس کی نظریں میری آنکھوں پر جم جاتیں۔ ہاتھ میں وہی کھلا ہوا چاقو ہوتا اور لبوں پر وہی مسکراہٹ۔ کئی بار میں

نے اس سے اس رویے کا سبب معلوم کرنا چاہا' لیکن جواب میں سوائے مسکراہٹ کے اور کچھ نہ ملتا۔

ایک شب جب میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف معمول اندر سے مقفل نہیں ہے۔ میں نے دبے پاؤں جاکر اندر جھانکا تو میریٹا کا بستر خالی پایا۔ خیال ہوا شاید وہ ملحقہ باتھ روم میں ہوگی' لیکن جب میں نے باتھ روم کے دروازے پر دستک دی اور کوئی جواب نہ ملا تو دروازہ کھول کر دیکھا۔ باتھ روم اندر سے خالی تھا۔ مجھے ازحد تعجب ہوا کہ وہ کہاں چلی گئی؟ گھر کا کونا کونا چھان مارا' میریٹا کہیں نہ تھی۔ گیراج میں دیکھا' اس کی کار وہیں کھڑی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کار کے بغیر ہی کہیں گئی ہے۔ یکایک خیال آیا ممکن ہے وہ سمندر کے کنارے گئی ہو۔ میں فوراً وہاں گیا اور ایک ایک کرکے ایسے سارے مقامات دیکھ ڈالے جہاں وہ جایا کرتی تھی' مگر ایک جگہ بھی اس کا پتہ نشان نہ ملا۔ آپ میری حیرت اور سراسیمگی کا اندازہ کرسکتے ہیں جب میں اس کی تلاش میں تھک ہار کر واپس گھر آیا تو وہ باورچی خانے میں بیٹھی نہایت اطمینان سے ڈنر تیار کر رہی تھی۔ چاقو اس وقت بھی اس کے قریب دھرا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ نشے میں دھت ہے۔

"کہاں تھیں تم؟" میں نے پوچھا۔ "کم از کم بتاکر تو جاتیں۔ تمہیں میری پریشانی کا بھی کوئی احساس نہیں؟"

جواب میں وہ صرف مسکرادی۔ وہی مسکراہٹ جس سے مجھ پر لرزہ طاری ہوتا تھا۔

اور یہ روزمرہ کا معمول بن گیا۔ جب بھی میں اپنے کام کاج سے فارغ ہو کر گھر واپس آتا' میریٹا کو غائب پاتا۔ گھر کا گوشہ گوشہ دیکھتا' مگر اس کا سراغ نہ ملتا' لیکن تھوڑی دیر بعد وہ اوپر کی منزل سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی' تو میں ششدر رہ جاتا' حالانکہ اوپر کی منزل کا چپہ چپہ میں پہلے ہی دیکھ چکا ہوتا تھا۔ بارہا میں نے منت

خوشامد کرکے اس سے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کہاں چھپ جاتی ہے؟ مگر اس نے تو جیسے نہ بولنے کی قسم کھائی تھی۔ وہی منحوس مسکراہٹ کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ بہرحال تنگ آکر میں نے اس سے کچھ پوچھنا ہی ترک کر دیا۔ واپس آکر میں چپ چاپ اپنی خواب گاہ میں جاکر دروازہ مقفل کرتا اور اطمینان سے سو جاتا۔ میں نے اسے مکان کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں ڈھونڈنے کا مشغلہ ہی چھوڑ دیا تھا۔ میں ان تمام بیہودہ اور لایعنی باتوں سے دراصل اکتا گیا اور اکتاہٹ کے پیچھے وہ بے کراں خوف بھی کام کر رہا تھا جو میریٹا کی ان پراسرار حرکتوں کے باعث ہر وقت میرے ذہن پر مسلط رہنے لگا تھا۔

ایک روز میں ذرا سویرے ہی گھر واپس آگیا۔ اور یہ چند دن پہلے ہی کی بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ حسب عادت اوپر سے نیچے نہیں آئی۔ میں اپنے ساتھ کھانا بھی لایا تھا۔ میں نے کھانا گرم کیا اور کھانے کے بعد اخبار پڑھنے لگا۔ اخبار پڑھنے کے دوران میں بھی وہ نہیں آئی۔ پھر میں نے اخبار ایک طرف پھینکا اور ٹیلی ویژن کھول دیا۔ ٹی وی پر کوئی اچھی فلم آرہی تھی۔ میں اسے دیکھنے میں محو ہو گیا۔ دفعتہ میں نے اپنی گردن پر میریٹا کا نرم و نازک ہاتھ رکھا۔ وہ دبے پاؤں نہ جانے کب آئی اور کتنی دیر سے میری پشت پر کھڑی تھی۔ میں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہی مکروہ اور پراسرار مسکراہٹ اس کے ہونٹ پر ابھر رہی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر ٹیلی ویژن بند کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ چلتے ہوئے وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ ٹی وی بند کرکے وہ مڑی اور وحشیانہ بلکہ حریص نگاہوں سے مجھے تکنے لگی۔ چاقو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ میں نے گھبرا کر کہا: "میریٹا! کیا بات ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" اس نے مسکرا کر اثبات میں کئی بار گردن ہلائی اور بولی:

"ہاں..... میں بالکل ٹھیک ہوں..... آؤ تالاب میں نہائیں۔"

"کیا یہ نہانے کا وقت ہے؟" میں نے ناراض ہو کر کہا۔ "میں اب سونا

چاہتا ہوں۔"

"نہیں..... تم میرے ساتھ تالاب پر نہانے چلو گے۔" اس نے پرعزم لہجے میں کہا اور چاقو ذرا اوپر اٹھایا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ گویا یہ عورت اس ننھے سے چاقو کے ذریعے مجھے مرعوب کرنا چاہتی ہے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سخت لہجے میں بولا: "دیکھو میرینا! تم اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہو۔ جاؤ، اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے جانے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ وہ آگے لپکی اور اس نے مجھے زور سے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا: "نہیں..... تم اس وقت نہانے کے لیے میرے ساتھ تالاب پر چلو گے۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کی خونخوار مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ میں اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور میں نے پوری قوت سے طمانچہ اس کے منہ پر مارا۔ وہ اس کے لیے غالباً تیار نہ تھی تیورا کر پیچھے گری اور میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

مجھے خبر نہیں اس کے بعد میرینا نے کیا کیا۔ اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں تھوڑی دیر گم سم اپنے بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ مجھے اس عورت سے چھٹکارا پانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے دماغی توازن سے محروم ہو چکی ہے اور اس کے قریب رہنا کسی بھی لمحے جان لیوا خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ بستر پر لیٹنے کے باوجود انہی پریشان کن خیالات میں مجھے نیند نہ آئی۔ خیال آیا ذرا دیکھوں میرینا کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ چپکے سے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر میں اوپر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں میرینا اپنے کمرے میں کھڑکی کے سامنے بیٹھی ہے اور اندھیرے میں نہ جانے کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہے۔ خدا رحم کرے، وہ خون آشام مسکراہٹ اس وقت بھی اس کے لبوں پر طاری تھی۔

دفعتہ میری نگاہ میرینا کی خواب گاہ میں لٹکی ہوئی ایک بڑی سی تصویر پر پڑی۔ یہ تصویر اپنی جگہ سے کچھ ہٹی ہوئی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو انکشاف

ہوا کہ اس تصویر کے عقب میں ایک خفیہ دروازہ ہے۔ میں نے اس دروازے کا نشان بھی دیکھ لیا۔ آہ...... تو یہ ہے وہ جگہ جہاں میرینا چھپا کرتی ہے اور ڈھونڈنے کے باوجود اس کا سراغ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اشتعال یا شراب کے نشے میں وہ خفیہ دروازہ بند کرنا اور تصویر اپنی جگہ جمانا بھول گئی.....

پھر یکایک اسے احساس ہو گیا کہ میں وہاں موجود ہوں اور اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے گردن گھمائی' مسکراہٹ برابر اس کے ہونٹوں پر رہتی ہوئی تھی۔ اس نے یقیناً دیکھ لیا تھا کہ میں اس کے کمرے کا خفیہ ٹھکانہ دیکھ چکا ہوں' مگر اس نے اس راز کے کھل جانے کی مطلق پروا نہ کی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے اٹھی اور نپے تلے قدم بڑھاتی میری جانب آئی۔ بالکل میرے قریب آن کر وہ رکی اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی:

"سنو' میں نے وکٹر کو موت کے منہ میں دھکیلا تھا۔"

مجھے اپنے قلب کی حرکت بند ہوتی ہوئی لگی۔ میں نے کچھ نہ کہا اور سکتے کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بعد میرینا نے مجھے مزے لے لے کر' ٹھہر ٹھہر کر' قہقہے لگاتے ہوئے وکٹر کو ہلاک کرنے کی تمام کہانی سنا ڈالی۔

"اور یہ بھی سنو' احمق کی اولاد!" اس نے آخر میں ہنستے ہوئے کہا: "میں نے اپنے پہلے شوہر کو بھی اسی طرح سمندر میں غرق کرکے مارا تھا۔ ہاہاہا...... میرے دونوں شوہر سمندر میں ڈوب کر مرے...... وہ بے وقوف تیرنا نہیں جانتے تھے...... جاؤ...... آئینے میں جاکر ذرا اپنی آنکھوں کو غور سے دیکھو...... تمہاری آنکھیں اس بھیانک ارادے کی صاف چغلی کھا رہی ہیں...... میرے پہلے دونوں شوہروں کی آنکھوں میں بھی ویسے ہی ارادے پنہاں تھے' لیکن وہ مجھے مار ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے اور...... تم...... میرے تیسرے شوہر...... تم بھی اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے...... جاؤ دفعان ہو جاؤ یہاں سے......"

اور میں ڈگمگاتے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرے میں

داخل ہو کر میں نے اندر سے دروازہ مقفل کر لیا اور میں نے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی' مگر نیند نہیں آئی۔ بھلا اس بدنصیب کو نیند کیسے آسکتی ہے جس کی بیوی اپنے پہلے دو شوہروں کو دلیرانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار چکی ہو اور تیسرے شوہر کی تاک میں ہو؟

جب کسی طرح نیند نہ آئی تو میں مضطرب ہو کر اٹھا' میں نے بتی جلائی اور آئینے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ آئینے میں میں نے اپنی آنکھیں دیکھیں..... خوف اور دہشت کی نئی لہر میرے تن بدن میں دوڑ گئی۔ میں نے میرینا کے پہلے شوہر کی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں لیکن دوسرے شوہر---وکٹر---کی آنکھیں اچھی طرح دیکھی تھیں..... ان آنکھوں میں خوف تھا' اضطراب تھا' بے چینی تھی' ویرانی تھی' اداسی تھی اور زندگی کھو جانے کا صدمہ تھا..... بعینہٖ یہی کچھ میری آنکھوں میں تھا۔ ان میں اور وکٹر کی آنکھوں میں ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ میں نے بدحواس ہو کر بتی بجھائی اور اپنے بستر پر گر کر ہانپنے لگا۔

اگلے روز صبح ہوتے ہی میں گھر سے نکل کر اس طرح بھاگا' جیسے جیل خانے سے قیدی رہا ہوتا ہے' سیدھا اپنے ایک وکیل دوست کے پاس پہنچا اور اس سے مشورہ کیا کہ "میں کس طرح اپنی بیوی سے نجات پاسکتا ہوں؟" وکیل نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس معاملے میں غور کر کے ہی صحیح مشورہ دے گا۔" چنانچہ میں واپس گھر چلا آیا۔ جونہی میں نے شام کے وقت گھر میں قدم رکھا' میرینا اپنے لبوں پر وہی مسکراہٹ لیے اوپر کی منزل سے نیچے آئی۔ چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور گھر سے باہر نکل گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھر کے پچھلے حصے میں واقع لان سے گزرتی ہوئی سڑک پر چلی گئی۔ اس کا رخ سمندر کو جانے والی سڑک پر تھا' پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنی خواب گاہ میں جانے کے لیے قدم

اٹھایا' مگر ایک فوری خیال کے زیر اثر میں اوپر کی منزل میں گیا اور میریٹا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ میریٹا اس وقت جان بوجھ کر گھر سے باہر گئی ہے محض یہ موقع مجھے دینے کے لیے کہ میں اس کی خواب گاہ میں جاؤں اور خفیہ کمین گاہ کا معائنہ کروں۔ اور اسے یقین کامل تھا کہ میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔

لیکن میں ازلی احمق ہوں۔ میں نے اس کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے اس امکان کو قطعی نظرانداز کر دیا کہ وہ مجھے دھوکا دینے کے لیے سمندر کی طرف گئی ہے...... بالکل ممکن تھا کہ وہ مکان کے نزدیک ہی کہیں رک جائے اور یوں کسی بھی لمحے اس کا واپس آنا طے تھا...... مگر میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔

اس کی خواب گاہ میں داخل ہونے کے بعد بھی میں نے اس طرف توجہ نہ دی کہ میریٹا اچانک واپس آ سکتی ہے...... میں نے دیکھا کہ دیوار پر سے وہ تصویر کھسکی ہوئی ہے اور خفیہ دروازے کی درز صاف نظر آ رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اسے کھولنے اور بند کرنے کے لیے اس میں قفل بھی لگا تھا اور میریٹا یہاں سے جاتے ہوئے خفیہ دروازے کی کنجی بھی اس میں لگی چھوڑ گئی تھی۔

یہ دراصل ایک چھوٹی سی الماری تھی اور اس الماری کے اندر میں نے دو بوتلیں رکھی ہوئی پائیں۔ ان بوتلوں میں پہلے زیتون کا تیل بھرا ہوا ہو گا' لیکن اب ان میں زیتون کے بجائے اوپر تک سپرٹ بھری ہوئی تھی۔ یہ بوتلیں سربمہر تھیں اور الماری کی ایک شیلف میں پاس پاس دھری تھیں۔ ان بوتلوں کے بالمقابل ایک چھوٹا سا سٹول تھا۔ اس سٹول پر میریٹا گھنٹوں بیٹھی ان بوتلوں کو تکتی ہوگی۔

اور وہ تصویریں بھی ان بوتلوں کے عین پیچھے رکھی تھیں۔ تین تصویریں۔ ان میں ایک تصویر میری تھی۔ دوسری وکٹر کی اور تیسری یقیناً اس بدنصیب کی تھی جو میریٹا کا پہلا شوہر رہا ہو گا اور ہر شوہر کی تصویر کی آنکھ میں ایک تیز دھار کا

چاقو پیوست تھا۔

تصویروں سے ہٹ کر میری نگاہ دوبارہ بوتلوں پر پڑی اور پھر.....
میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔ سانس رکا اور کلیجہ حلق میں آتا ہوا محسوس ہوا..... میری ٹانگیں وحشت سے لرزنے لگیں اور آنکھوں کی پتلیوں کی گردش جیسے تھم گئی۔ مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آتا تھا اور یہی تصور بندھتا تھا کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ میں بے ہوش و حواس عالم بیداری میں تھا۔

ابھی میں ان بوتلوں کو گھور رہا تھا کہ میریٹا دبے پاؤں وہاں آ گئی۔ مجھے قطعی خبر نہ ہوئی کہ وہ کس لمحے آئی اور کب میرے عقب میں آ کر کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کے آنے کی آہٹ بالکل نہ سنی اور احساس اس وقت ہوا جب وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح جست لگا کر مجھ پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ میں ہوش میں آ کر پلٹا اور میریٹا کے ہاتھ میں رہا ہوا چاقو اپنی چیلت سے مجھے خبردار کر گیا۔ اگر ایک ثانیے کی بھی تاخیر ہوتی' تو میریٹا کا وہ ریزر بلیڈ کی طرح تیز دھار چاقو میری آنکھوں میں پیوست ہو چکا ہوتا۔ پھر بھی میرے رخسار پر گہرا گھاؤ آیا۔ میریٹا نے دوسرا وار کیا اور اس مرتبہ میری آنکھوں میں جیسے گہری تاریکی امڈ آئی۔ میں لڑکھڑایا اور جان بچانے کی آخری کوشش میں میریٹا سے گتھم گتھا ہو گیا۔ وہ دیوانہ وار مجھ پر چاقو کے وار کر رہی تھی اور میں اندھا دھند اس سے چاقو چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر میں نے اس سے چاقو چھین لیا۔ اس کے بعد مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے اسے فرش پر گرا لیا اور چاقو مار مار کر اس کا قیمہ بنا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

پولیس والے اس وقت جائے حادثہ پر پہنچے جب میریٹا مر چکی تھی اور میں خون میں نہایا ہوا ایک طرف پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے جھٹ پٹ ہسپتال پہنچایا۔
گزشتہ روز انہوں نے میریٹا کو قبر میں دفن کیا ہے۔ قبر میں دفن کیے جانے کے وقت میں وہاں موجود نہیں تھا۔ میں تو ہسپتال کے بستر پر پڑا تھا اور وہیں میں اب

بھی پڑا ہوں۔ مجھے بے پناہ خوشی ہے کہ میریٹا مرچکی ہے اور میں اس پر بھی بہت خوش ہوں کہ میں اسے قتل کرنے میں کامیاب ہوا۔ میری خواہش ہے کہ کاش! کوئی اسے برسوں پہلے ہی مار ڈالتا، اس سے پہلے کہ وہ قتل کی کوئی واردات کرتی۔

میریٹا نے مجھ پر چاقو کے وار کرکے ہمیشہ کے لیے اندھا کردیا ہے۔ میری دونوں آنکھیں ہمیشہ کے لیے ضائع ہوگئی ہیں اور اب میں ان دو بوتلوں اور تین تصویروں کو زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ بوتلیں جن میں سپرٹ بھری ہوئی ہے، جو سربمہر ہیں اور جن میں دو دو انسانی آنکھیں بند ہیں۔ دو آنکھیں وکٹر کی اور دو آنکھیں میریٹا کے پہلے شوہر کی۔

وکٹر کی آنکھیں کسی مچھلی یا سمندری حیوان نے نہیں نکالی تھیں۔ وہ آنکھیں میریٹا نے سمندر کے اندر جاکر گہرے پانی میں اپنے تیز چاقو کے ذریعے کاٹی تھیں تاکہ پہلے شوہر کی آنکھوں کی طرح وہ انہیں بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کرسکے۔

(ختم شد)

اس نے اپنے سامنے ہڈی پر اپنا تھوڑا سا تھوک لگایا اور اپنی جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس کا شعلہ جب ہڈی کے کونے میں لگایا تو اس لمحے ایک نقطہ سا پہلے بنا پھر وہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا اور پھر اس شعلے میں ایک بہت ہی خوفناک' ہیبت ناک' حیرت انگیز' تحیر انگیز اور مہیب بھیانک وجود نظر آنے لگا اس کی شباہت سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ وجود نر ہے یا مادہ

طویل عمر

تحریر..... محمد رضوان قیوم

یہ واقعہ مجھے ایک ایسے شخص نے سنایا ہے جو اتفاق سے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں اب بھی بحیثیت سویپر کا کام کرتا ہے اور اس وقت میرے خیال میں اس کی عمر 80'85 سال کے لگ بھگ شروع ہو گی۔ لیکن آج بھی تندہی سے کام کر رہا ہے۔ اپنے وقت اور اپنی ذمہ داری کا بہت خیال رکھتا ہے۔ جب اسے پتہ چلا کہ میں نادیدہ اور مافوق الفطرت قوتوں کی کہانیاں لکھ کر کسی رسالے کو ارسال کرتا ہوں۔ تو اس نے مجھ سے رابطہ کر کے اپنی کہانی یوں سنائی۔

میں پاکستان بننے سے پہلے موجودہ بھارت کے شہر میسور میں پیدا ہوا۔ میں نے جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو میرے باپ نے مجھے شہر کے ہندو راجہ لال کی حویلی میں بحیثیت سویپر بھرتی کروا دیا۔ گیانی لال کا باپ بہت ہی رحمدل اور انسان دوست تھا۔ بے شمار جائیداد کا مالک تھا' اس کی زمین پر اچھے قسم کے آموں کے پیڑ تھے۔

گیانی لال کے باپ راجہ چندر لال کے مرنے کے بعد ساری جائیداد کے مالک دونوں بھائی ٹھہرے یعنی گیانی لال اور راجہ قدرت لال۔ قدرت لال سوتیلا تھا۔ اب دونوں بھائیوں کے نام ساری جائیداد تھی۔ بڑا راجہ گیانی لال تھا۔ حساب کتاب کے مطابق راجواڑے کی پوری آمدنی دونوں بھائیوں کے درمیان برابر تقسیم ہوتی تھی جو کہ اس زمانے کے لحاظ سے لاکھوں میں تھی۔

بہر حال جس حویلی میں میں بحیثیت سویپر کام کرتا تھا وہاں راجہ گیانی لال' اس کی پتنی اور اس کا بیٹا رہا کرتے تھے۔ خدمت گاروں میں حکم بجا لانے والا رنجیش اور عمر رسیدہ [illegible] شیوا رام تھا۔ یہ دونوں افراد گیانی لال کے خاص آدمی اور بڑے اچھے برے کاموں کے راز دار بھی تھے۔ ان کے رہنے کا انتظام حویلی کے پچھواڑے سرونٹ کوارٹروں میں تھا۔ یہ دونوں فارغ وقت گزاری کے لیے ایک دوسرے کے کمروں میں بیٹھ کر گھنٹوں گپ شپ کیا کرتے تھے۔ ان کمروں میں ایک بستر فالتو بھی تھا اس لئے اگر کوئی مہمان آ جاتا تو وہ اس بستر پر سوتا تھا۔ کام سے فراغت کے بعد میں



بھی شیوارام اور رمیش کے پاس بیٹھ کر گپ شپ میں شامل ہو جاتا تھا۔

حویلی کا رقبہ بہت وسیع تھا اور یہ دو منزلہ تھی اوپر کے حصے میں رتیو لال کی فیملی رہتی تھی اور نچلے حصے میں اس کا چھوٹا بھائی تورت لال رہتا تھا جو کہ کنوارہ تھا۔ ان دنوں اس کی منگنی ایک مالدار ہندو فیملی کی خوبصورت لڑکی جس کا نام "شعلہ" تھا اس سے ہوئی تھی۔ تورت لال اس زمانہ میں ایل ایل بی کا اسٹوڈنٹ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ۔

"میں وکیل بننے کے بعد شادی کروں گا۔"

کیونکہ لال اپنے چاچی کی وفات کے بعد ساری جائیداد کا کرتا دھرتا تھا۔ وہ شرابی عیش پرست غیر عورتوں کا رسیا دھوکے باز اور بے رحم قسم کا انسان تھا۔ وہ ہر وقت نشہ میں دھت رہتا تھا لیکن ان خرافات کے ساتھ اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے ملازمین کا بہت خیال رکھتا تھا۔ یعنی ہر ہندو یا مسلمان ملازمین کو ان کے

تہوار کے دنوں پر مالی مدد ضرور کرتا تھا اور کبھی کبھار آ کر سرونٹ کوارٹر میں موجود شیوا رام اور رمیش کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ حال احوال پوچھتا...... پھر ان کے پاس بیٹھ کر شراب نوشی بھی کرتا تھا اور جاتے جاتے نشہ کی حالت میں نقدی بھی انعام میں دے جاتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رمیش اس کے لئے کبھی کبھار بازار حسن سے یا اردگرد کے علاقوں سے عورتیں لا کر اس کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا جس کا علم گیانی لال کی بیوی کو نہیں تھا۔ گیانی لال اکثر اپنی عیاشی میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے لئے سرونٹ کوارٹروں میں ایک کمرہ تھا۔ جسے وہ اپنے لئے استعمال کرتا تھا اور یہ کمرہ اس کے چاچا کے وقت بھی کبھی کبھار کسی اجنبی کے لئے استعمال میں آتا تھا۔

رمیش درحقیقت بڑا چالاک اور چھٹا ہوا تھا۔ وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے راجہ لال کی جیب سے کوئی نہ کوئی نقد انعام یا ولایتی شراب کی بوتل کے لئے ہم تینوں یعنی میں شیوا رام اور اپنے لئے اینٹھ لیتا تھا۔ ایک تو وہ اس حویلی میں اس کے چاچا کے دور کا ملازم تھا اس لئے کچھ بے باک سا تھا۔ میں اتنا پرانا نہ تھا البتہ شیوا رام پرانا ضرور تھا لیکن وہ رمیش کے بعد کا تھا۔ راجہ صاحب جب بھی ہمارے کوارٹر میں آتا تو ہر قسم کا مذاق کرتا یعنی زبان کے معاملے میں بے لگام ہو جاتا تھا۔ اس کی بات اور بے تکلفی دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ہمارا مالک ہے اور ہم اس کے ادنیٰ ملازم۔

نورت لال عادات واطوار میں بالکل ان کے برعکس تھا یعنی وہ بہت شریف، سنجیدہ اور چھوٹے موٹے نشوں سے بھی اجتناب کرنے والا تھا۔ اس کا سارا دھیان صرف اور صرف پڑھائی کی جانب تھا۔ وہ بظاہر ہم لوگوں کے ساتھ راجہ گیانی لال کا ملنا جلنا پسند نہیں کرتا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہمارے ناموں سے نہیں بلکہ عہدوں سے پکارا کرتا تھا۔ یعنی اوئے چپراسی اوئے سویپر اور بزرگ شیوا رام کو بھی حقارت سے بلاتا تھا۔ دوسری جانب ہم بھی اسے دل سے ناپسند کرتے تھے وہ نک چڑھا کچھ زیادہ ہی تھا۔

راجہ گیانی لال کی سنگت بڑی وسعت کی حامل تھی اس کے سارے دوست اس کی طرح شراب اور شباب کے شیدائی تھے۔

رمیش ایک دن ہمارے کوارٹر میں ایک ایسے بوڑھے کو لے کر آیا جس کی عمر تقریباً 70 سے 75 برس تھی لیکن وہ چالاک و چوبند اور جسمانی طور پر بہت تندرست تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ایک پرانا سا میلے رنگ کے کپڑے کا تھیلا پکڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور چیز نہ تھی۔ اس بوڑھے اجنبی کی آمد کو میں نے اور شیوا رام نے بڑے اچنبھے سے دیکھا۔

"یہ کون صاحب ہیں......؟" شیوا رام نے رمیش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میرے دوست جوشن داس ہیں۔ یہ بہت دور سرحدی علاقے سے آئے ہیں۔" یہ سن کر شیوا رام نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"یار یہ بوڑھا لگ بھگ 70 سے 75 سال کے لپیٹے میں ہے اور رمیش اس وقت 30 سے 35 سال کا ہے تو ان دونوں کی عمروں میں اتنا فرق اور پھر یہ کیسے اس کا دوست بن گیا۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے یا

اس کی آؤ میں کوئی پوشیدہ غرض ہوگی جو یہ بے جوڑ یاری پال رہے ہیں۔"

"یہ کرتے کیا ہیں؟" میں نے رمیش سے پوچھا۔

"یہ جوتشی ہیں اور عامل ہیں۔"

وہ بوڑھا بڑی بے باکی اور اعتماد کے ساتھ رمیش سے بولا۔

"بھئی! تم انہیں میرے بارے میں آرام سے بتلا دینا۔ میں کون سا یہاں سے دو دن میں جانے والا ہوں۔ میں ابھی ایک ہفتہ یہاں ہوں۔"

"ایک ہفتہ......" میرے منہ سے نکلا۔

"ارے تم پریشان نہ ہو۔ یہ نہ تو تمہارے ساتھ سوئے گا اور نہ ہی تمہارے حصے کا کھائے پیئے گا۔ میں سب کچھ اپنے کوٹے میں سے دوں گا۔" رمیش نے کہا۔

وہ بوڑھا پہلی نظر میں ہی مجھے کوئی نوسرباز اور اس کی سرخ نشئی آنکھیں اس کے پکے شرابی ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی تھیں۔

وہ ہاتھ منہ دھونے سے فراغت کے بعد آیا تو رمیش نے اس کے آگے چائے اور بسکٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یار! ان دونوں کا بھی تعارف کروا دو کہ یہ کون ہیں......؟" اور اس نے ہمارا تعارف بڑی تفصیل سے کروا دیا۔

"ارے صرف چائے ہی پیتے ہو یا کچھ اور بھی......" اس بوڑھے نے شراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں......ہاں...... بڑے راجہ صاحب کبھی کبھار سوغات دے دیتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بڑے راجہ صاحب کون ہیں؟" بوڑھے نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہمارے مالک راجہ گیانی لال ہیں۔"

"ویسے اس دور میں یہ حاتم طائی جیسے بڑے راجہ تم جیسے چھوٹے موٹے ملازمین کا بڑا خیال رکھتے ہیں تو اس دور کے لحاظ سے بڑی بات ہے۔" اس نے کہا۔

رمیش نے جواباً کہا۔

"ارے وہ ایسے ہی ہمارے کوارٹر میں نہیں آتے، میں انہیں ان کی چاہت و پسند کے سامان کا بندوبست جو کرتا ہوں۔"

"ذرا کھل کر بتا......" بھوشن داس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ انہیں شراب اور شباب کا چسکا کچھ زیادہ ہے اور میں ادھر اُدھر سے عورتوں کو لا کر ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ بس یہ سمجھو کہ وہ لڈو کھاتے ہیں اور جو چورا جھڑتا ہے تو ہم بھی اس جھڑے ہوئے چورے سے ذائقہ اٹھا لیتے ہیں۔"

"اچھا یہ بات ہے تو میں تمہیں اور راجہ کو اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی ولایتی سے اچھی شراب پلاؤں گا۔ اگر اسے پسند نہ آئے تو بتانا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اگر اس شراب کا مستقل رسیا نہ بن جائے تو میرا نام بدل کر رکھ دینا اور میرے منہ پر تھوک دینا۔ تو ذرا ایک دفعہ مجھے اس سے ملا تو سہی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے میں آج ہی اس کے لئے کوئی نازک پری لا کر دیتا ہوں۔" رمیش بولا۔

"لیکن تو اس سے خود کھلنا ملنا نہیں جو بھی کچھ ہے وہ ہے ہمارا بڑا مالک۔"

"تو اس بات کو چھوڑ۔ بس اسے مجھے ملا دے۔" بھوشن داس نے کہا۔

رات کو رمیش نے گیانی کے لئے ایک لڑکی کا بندوبست کیا۔ گیانی لال اپنے کمرے میں عیاشی کرنے کے بعد ہمارے کوارٹر میں آگیا اور جب بھوشن داس کو دیکھا تو رمیش سے پوچھا۔

"یہ کون ہے......؟"

"یہ میرا دوست ہے۔ سرحدی علاقہ سے آیا ہے۔" رمیش بولا۔

اچھا یہ کرتا کیا ہے۔" راجہ نے پوچھا۔

"یہ عامل جوتشی ہے۔" رمیش نے بتایا۔

"پھر تو بے کار آدمی ہے۔" راجہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"راجہ صاحب! یہ بڑے کام کا آدمی ہے میں نے اس کے کچھ کام دیکھے ہیں اور اس کی ایک خوبی تو میں نے آپ کو بتلائی نہیں۔"

"وہ کیا ہے......؟" راجہ نے پوچھا۔

"یہ اپنے ہاتھ کی دیسی شراب بہت اچھی بناتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی شراب کوئی پی لے تو وہ ولایتی شراب چھوڑ دے گا۔" رمیش بولا۔

"چل باقی باتیں بعد میں کریں گے تو کب اس کے ہاتھ کی شراب کا ذائقہ چکھائے گا......؟" راجہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی پرسوں آپ آجائیں آپ کو ضرور پلاؤں گا کہ آپ ولایتی کو بھول جائیں گے۔" بھوشن داس بولا۔

"چل پہلے تیرا دعویٰ دیکھتے ہیں۔" گیانی لال طنزیہ بولا۔

"اور ہاں اس کے بعد یہ بھی پرکھیں گے کہ تو کس پائے کا جوتشی اور عامل ہے۔" یہ بول کر راجہ چلا گیا۔

"ارے تو راجہ کے سامنے کچھ زیادہ نہیں بول گیا۔ ایسا نہ ہو کہ تیری بنائی ہوئی شراب اسے نشہ نہ چڑھائے اور ہم نوکری سے فارغ کر دیئے جائیں۔" رمیش تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

"ارے دیکھتے جاؤ تم لوگ چنتا نہ کرو۔" بھوشن داس رمیش سے بولا۔

اس کے بعد بھوشن داس نے رمیش سے نہ جانے کیا کیا چیزیں منگوائیں۔ جب چیزیں آگئیں تو اس نے بڑی محنت سے شراب تیار کی اور پھر حسب وعدہ راجہ صاحب آئے تو انہوں نے کہا۔

"بھوشن اگر میں مر گیا تو میری ساری جائیداد میرا چھوٹا سوتیلا بھائی فوراً ہڑپ کر جائے گا۔"

"راجہ صاحب! اسے چکھیں یہ شراب نہیں امرت ہے۔ مریں آپ کے دشمن۔" بھوشن بولا۔

بھوشن کی باتیں سن کر راجہ نے ہونٹ سکیڑے اور عجیب سا منہ بنایا اور ڈرتے ڈرتے شراب کو چکھا' اس کے بعد اس نے غٹاغٹ کئی پیگ چڑھا لئے پھر بولا۔

"واہ مزہ آگیا یہ تو واقعی کام کا آدمی ہے۔"

"راجہ صاحب! واقعی اس شراب کا جواب نہیں اور دل کرتا ہے کہ یہ روز ملے اور خوب ملے۔" میں

نے کہا۔ بھوشن واقعی اپنے دعویٰ میں کھرا اترا۔

ادھر راجہ گیانی لال کے لبوں کو اس شراب کا ایسا چسکا لگا کہ وہ اس کا دیوانہ ہوگیا اور اس کی تعریف میں زمین آسمان ملا دیئے...... بھوشن وا سے بولا۔

"بھوشن! تو اور کہیں نہیں جائے گا اس جگہ میری سرپرستی میں اپنا ڈیرہ جمالے میں تیرا ہر طرح کا خیال رکھوں گا۔"

ایک دن راجہ گیانی اور ان کے چھوٹے بھائی نورت لال کے درمیان جائیداد کے تنازعہ پر کچھ لڑائی ہوگئی۔ بات آپس میں دست و گریبان تک جا پہنچی۔ نورت لال نے گیانی لال کو دھمکی دی کہ۔

"تم نے میرے حصے کی جائیداد کو دبا رکھا ہے اور مجھے حصہ بھی بہت کم ملتا ہے۔ میں جب وکیل بنوں گا تو تم پر دعویٰ کروں گا۔"

"چل...... چل جو کرنا ہے کرلے۔" گیانی لال نے کہا۔

ادھر سے گیانی لال کی پتنی اور ان کا بچہ بھی آ گیا۔

"دیکھو بھابھی! یہ تمہارا شوہر ان چوڑھے چمار تھرڈ کلاس لوگوں سے ملتا ہے اور یہ اوچھا رمیش ان کے لئے فاحشہ عورتیں لاتا ہے۔ انہیں اپنے پرکھوں کی شان و شوکت اور اپنے بچے تک کا خیال نہیں ہے۔"

گیانی لال کی پتنی نے بیچ میں پڑ کر دونوں بھائیوں کو خاموش کرالیا۔ پھر گیانی لال بولا۔

"میری مرضی میں جس سے ملوں...... تو کون ہوتا ہے میری ذاتی زندگی میں دخل دینے والا۔ یہ چوڑھے چمار نہیں میرے مخلص دوست ہیں۔" شیوا رام نے غصے سے کہا۔

"راجہ صاحب! اس نے آپ کی کیا ہم سب کی بھی تذلیل کردی ہے اگر یہ آپ کا بھائی نہ ہوتا تو میں اس کا منہ توڑ جواب دیتا۔"

میں نے بھی اپنے غصے کا اظہار کیا۔ رمیش نے مجھے بتلایا کہ۔

"شیوا رام اور راجہ صاحب آپس میں واقعی ملے ہوئے ہیں۔ یہ جائیداد اور باغات کے حصہ میں نورت کے حصے میں ڈنڈی مارتے ہیں لیکن ہمیں کیا۔"

ایک رات راجہ گیانی کو بھوشن نے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی شراب کافی مقدار میں پلادی تو اس نے وحشت نشہ کے عالم میں بھوشن سے کہا۔

"یہ تو پتہ چل گیا کہ تو واقعی بہت اچھی شراب بنانے والا ہے اب ذرا مجھے کوئی ثبوت دے کہ تو کتنا بڑا عامل اور جوتشی ہے۔ میں نے تجھ سے ایک بہت اہم کام لینا ہے لیکن تو مجھے اس کا ثبوت فراہم کر۔"

"یہ بکواس کرتا ہے اگر یہ بھوشن اتنا بڑا عامل جوتشی ہوتا تو اس کی یہ فقیری حالت نہ ہوتی۔" شیوا رام نشہ کی حالت میں انگلی نچاتے ہوئے بولا۔

یہ سن کر بھوشن کی تیوری پر بل پڑ گئے اور وہ اپنی آنکھیں سرخ کرتے ہوئے بولا۔

"میں کوئی معمولی انسان نہیں ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی شکتی ہے جس کی مدد سے میں کسی کو مکمل طور پر تباہ کرسکتا ہوں اور کسی دل پسند چیز کو اپنی جانب متوجہ کرسکتا ہوں۔"

"ارے یہ کیسا بھاشن مار رہا ہے۔" میں نے بھی شیوا رام کی طرف منہ کرکے کہا۔

"تو چپ کر پٹیر! تو کیا جانے میری شکتی کے

بارے میں اور کسی کو کیا پتہ کہ میرے اس میلے کچیلے کپڑے کے تھیلے میں کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔" بھوشن نے کہا۔

جسے سن کر راجہ گیانی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آج میں بھی دیکھوں گا کہ تیرے اس تھیلے میں کیا موجود ہے۔"

یہ تمام باتیں سن کر بھوشن کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ اپنے تھیلے میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ چند منٹ کے بعد تھیلے میں سے بوسیدہ سی انسانی بازو کی ایک ہڈی نکال لی اور راجہ لال کو دکھاتے ہوئے بولا۔

"یہ ہے وہ شکتی جس کے ذریعے میں وہ کر سکتا ہوں جس کے متعلق عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا اور دیکھتے ہی دیکھتے کسی کی زندگی کو تہہ و بالا بھی کر سکتا ہوں۔" راجہ نے کہا۔

"بھوشن یہ گیدڑ بھبکی بند کر نہ جانے کس قبرستان سے یہ اٹھا کر لایا ہے اور ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں پاگل سمجھ رہا ہے' بس اتنا ہی کافی ہے کہ مجھے تیری بنائی ہوئی شراب پسند آ گئی ہے' اس سے آگے تو کچھ نہ بول کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاملے میں تیری زبان تجھے ہلکا کرا دے۔"

راجہ گیانی کی باتیں سن کر بھوشن کا چہرہ یک لخت سرخ ہو گیا اور وہ بولا۔

"راجہ صاحب! مجھے مجبور نہ کریں کہ میں اپنے غصہ پر قابو نہ رکھ سکوں اور آپ لوگوں کے سامنے کچھ کر بیٹھوں...... کیونکہ جب تیر کمان سے اور گولی بندوق سے نکل جاتی ہے تو یقیناً نقصان پہنچاتی ہے۔ میں گیدڑ بھبکی نہیں دے رہا بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔

مجھے پتہ ہے کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو آپ کی نظر میں ذلیل ہو جاؤں گا۔"

راجہ گیانی لال سوچنے لگا اور بولا۔

"میں تو صرف ثبوت دیکھنا چاہتا ہوں اور بغیر ثبوت کے ایسی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا اور اگر تجھ میں یا تیری اس ہڈی میں کوئی شکتی ہے تو اس کا ثبوت ہمارے سامنے پیش کر کیونکہ ہاتھ کے ہاتھ تیری شکتی کا بھانڈا پھوٹ جائے اور اگر تو اپنی باتوں کو سچ ثابت نہیں کر سکا تو یاد رکھ تیرا وہ حشر نشر کر دوں گا...... چل جلدی کر۔" یہ سن کر بھوشن واس تلملا گیا اور بولا۔

"ٹھیک ہے آپ کی بات میری سر آنکھوں پر' آپ لوگ دل تھام کر بیٹھ جائیں۔ اگر کوئی انہونی چیز نظر آئے تو بالکل ساکت بیٹھے رہنا' شور شرابہ یا چیخ و پکار سے باز رہنا' ورنہ کسی کا کوئی بھی نقصان ہو سکتا ہے اور اگر کسی کا دل کام کرنا چھوڑ دے تو مجھے الزام نہ دینا اور ان خرافاتی باتوں کے ذمہ دار راجہ صاحب آپ ہوں گے...... لیجئے میں اپنا کام شروع کرنے جا رہا ہوں۔"

میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ یہ بوڑھا بھوشن داس واقعی کچھ کر دکھائے گا کیونکہ وہ بڑے وثوق سے کہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے ہڈی پر اپنا تھوڑا سا تھوک لگایا اور اپنی جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس کا شعلہ جب ہڈی کے کونے میں لگایا تو اس لمحے ایک نقطہ سا پیدا ہوا پھر وہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا اور پھر اس شعلے میں ایک بہت ہی خوفناک' ہیبت ناک' حیرت انگیز' تحیر انگیز اور مہیب بھیانک وجود نظر آنے لگا اس کی شباہت سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ وجود نر

ہے یا مادہ...... بڑی بڑی انگارہ برساتی آنکھیں' سر پر
بالوں کی جگہ گنجان تعداد میں منہ کھولے لہراتے ہوئے
سپولئے' کھلے ہوئے جبڑے جس میں دونوں نوکیلے
دانت نظر آرہے تھے اور اسی کے ساتھ دو شاخہ لمبی
لپلپاتی ہوئی زبان جس پر واضح تازہ خون نظر آرہا تھا۔
پھر اس مخلوق نے اپنی بھاری بھرکم خوفناک آواز نکالی تو
میری دھوتی گیلی ہوگئی۔ ہم اپنی جگہ بالکل ساکت وجامد
ہوگئے تھے کہ جیسے پتھر کا بت اپنی جگہ بے حس وحرکت
رہتا ہے۔ راجہ گیانی تشنہ میں ہونے کے باوجود اوندھے
منہ پڑ گئے تھے۔ شیوا رام بے ہوش ہوگیا تھا۔ رمیش
نے اپنا منہ چھپالیا تھا اور میری زبان پر یسوع مسیح کا نام
جاری تھا۔

رات کا اندھیرا کمرے میں مسلط تھا۔ ہم چاروں
کو ہوش نہ تھا۔ جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے دیکھا کہ
بھوشن داس ہمارے چہروں پر پانی چھڑک رہا تھا۔ پندرہ
بیس منٹ بعد ہمارے حواس بحال ہوئے۔ یہ سن کر
کہ۔

"اب وہ بلا چلی گئی ہے۔" بھوشن داس بولا۔

"ہاں میرے متر دا دیکھ لی اس معمولی ہڈی کی
شکتی یا اور دکھاؤں اس کی شکتی......؟"

گیانی لال تو ابھی تک سکتے کے عالم میں تھا۔
بھوشن کی آواز سن کر بولا۔

"بھوشن! بس کر میں نے تیری اور اس ہڈی کی
شکتی دیکھ لی اگر تو نے اور کچھ دکھایا تو میری آتما میرا
شریر چھوڑ کر چلی جائے گی۔ تو واقعی بلوان شکتی کا مالک
ہے۔ تیرا رہنا سہنا کھانا پینا' دوا دارو بلکہ تمام اخراجات
میرے ذمے ہیں۔ میرے کچھ کام ہیں جسے تو نے کرنا
ہے اور اگر یہ کام تو نے کردیئے تو میں جب تک جیوں
گا تیرا احسان مانتا رہوں گا اور تیری خدمت کرتا رہوں
گا۔" راجہ گیانی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"لیکن یہ بات یاد رہے کہ میرے کام کے
متعلق کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور کان میں تجھ سے
علیحدگی میں بات کروں گا۔"

اگلے دن رمیش مجھ سے کہنے لگا۔

"تو میرا دوست ہے۔ میں تجھے ایک ضروری
بات بتلانا چاہتا ہوں اور یہ بات تو نے بھول کر بھی
کسی کو نہیں بتلانی ہے۔ بات یہ ہے کہ راجہ صاحب
نے بھوشن کو کہا کہ میرے بھائی نورت لال کو برباد کر
دے اور اس کے بدلے میں تجھے تیرے تصور سے
بڑھ کر منہ مانگی رقم دوں گا۔ نورت تباہ و برباد ہوجائے
گا بلکہ پاگل ہوکر مرجائے گا اور یہ کام کرنے کے لئے
بھوشن نے حامی بھرلی ہے۔"

اسی دوران نورت لال وکیل بن گیا اور وکیل
بنتے ہی اس نے بڑے بھائی پر مقدمہ دائر کردیا۔ تھوڑے
عرصہ بعد اس کی شادی شعلہ نامی لڑکی سے ہوگئی۔
شعلہ پیکر حسن تھی اس کے جسمانی خدوخال بڑے
جاذب نظر اور بھڑکیلے تھے۔ اس پر راجہ گیانی لال کی
شیطانی نظریں پڑیں تو اس نے بھوشن سے کہا۔

"اب وقت آگیا ہے کہ تو ہڈی کا کمال دکھلا کر
اس شعلہ کو میرے لئے دیوانہ کردے۔" بھوشن نے
دیوانے راجہ سے کہا۔

"پیٹر کو میرے ساتھ رکھو کیونکہ تم سب میں یہ
سب سے زیادہ جگرے والا آدمی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ میرا حوصلہ بلند تھا کچھ مجھے

نوٹوں کا لالچ تھا کیونکہ مجھے رمیش نے کہا تھا کہ۔

"تو اپنی زبان بند رکھنا راجہ صاحب تجھے اچھی خاصی رقم دیں گے۔" اب بھوشن مجھے روزانہ اپنے کمرے میں لے جاتا تھا اور کہتا تھا کہ۔

"تجھ میں اگر ہمت ہے تو اس شکتی کو بے شک دیکھ لے ورنہ اپنی آنکھیں بند رکھنا۔"

میرا کام یہ تھا کہ جب بھوشن کچھ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس ہڈی کو ہلاتا تھا تو اس کے اور میرے سامنے ناقابل بیان بڑی خوفناک مخلوق ہیولہ کی صورت میں نمودار ہوتی جسے دیکھ کر وہ خود بھی نڈھال ہو جاتا تھا۔ پھر میں جب ہڈی گھماتا تو وہ چونک پڑتا اور اس کی غنودگی ختم ہو جاتی۔ سچی بات ہے کہ میں نے اس مخلوق کو کبھی بغور نہیں دیکھا تھا نہ ہی مجھ میں ہمت تھی۔ جب وہ اپنا عمل پڑھتا تھا تو سارا کمرہ گرمی سے تپنے لگتا تھا۔

اس نے ہڈی کے ذریعہ نہ جانے کیا جادو کیا کہ نورت لال کے حق میں ہوتا ہوا عدالتی فیصلہ بدل گیا اور ایسے واقعات ہوئے کہ راجہ نورت لال نہ صرف مقدمہ ہار گیا بلکہ شعلہ جو اس کی بیوی تھی وہ راجہ گیانی لال کی طرف مائل ہو گئی۔ بعد میں راجہ نورت لال کو بھوشن نے جادو کے ذریعے اس کی ایسی حالت کر دی تھی کہ اس نے شعلہ پر بدچلنی کا الزام لگا کر اسے چھوڑ دیا۔ تو کچھ عرصہ بعد گیانی لال نے اس سے شادی کر لی جبکہ اس کی اپنی پہلی بیوی نے خود بھی اور اپنے بچے کو زہر دے کر زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔ راجہ نورت لال کو اس کے ایک کلائنٹ نے غصہ میں آ کر گولی مار دی۔ اس کی وجہ مجھے معلوم نہ ہو سکی۔

بہت بعد میں رمیش نے مجھے بتلایا کہ۔

"اس میں بھی بھوشن داس کا کمال تھا۔"

اب گیانی لال کو کوئی بھی روکنے اور ٹوکنے والا نہیں تھا۔ گیانی لال نے اپنی مرضی کے مطابق سب کچھ حاصل کر لیا تھا۔ گیانی لال کو اپنے بھائی کے حصے کی ساری جائیداد ہتھیانے کا موقع مل گیا تو گیانی لال نے مجھے اور رمیش کو اس زمانہ میں جب سونا 40 سے 50 روپے تولہ تھا۔ ہم دونوں کو پندرہ پندرہ ہزار روپے دیئے۔ بعد میں شیو ارام جو اس کا خاص آدمی تھا اسے تیس ہزار روپے زبان بندی اور اس بھیانک منصوبہ میں شمولیت کے لئے بطور انعام دیئے۔ آخر میں راجہ نے بھوشن داس سے کہا۔

"میرا آخری کام یہ ہے کہ تو میری لمبی عمر کے لئے اپنے قابو میں شکتی سے کہہ۔" یہ سن کر بھوشن نے کہا۔

"میں آپ کا یہ کام کر تو دوں لیکن اس میں آپ کی بھلائی نہیں ہے کیونکہ لمبی عمر کے لئے ضروری ہے کہ اس شکتی کو اپنے قابو میں رکھا جائے اور وہ آپ کے لئے ممکن نہیں ہے۔"

لیکن راجہ گیانی لال نہیں مانا وہ بھوشن کے پیچھے پڑ گیا اور بولا۔

"تو میری لمبی عمر کے لئے کچھ کر...... یا پھر اپنے قابو میں شکتی سے میری عمر طویل کرا دے۔"

بالآخر اس بوڑھے بھوشن نے اس کی طویل عمر کرنے کا کوئی نہ کوئی اوپائے کیا......

اب راجہ کلی طور پر جائیداد باغات کا مالک تھا اس کے ساتھ ساتھ بھائی کی جوان خوبصورت بیوی

شعلہ کا دل بھی اس کے قابو میں تھا۔

رمیش اپنے آبائی شہر پٹنہ چلا گیا جبکہ میں اپنے گھر آ گیا۔

1947ء میں جب پاکستان بنا تو میں پاکستان آ گیا۔ یہاں مجھے میونسپل کمیٹی میں سوپر کی جاب ملی۔ یہاں میری شادی ہوئی اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام میں نے نسرین رکھا۔ میری بیٹی کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر مری۔ جو روپیہ مجھے گیانی لال نے دیا تھا وہ سب اکارت گیا۔ مجھے میرے گناہوں کی سزا مل گئی۔

1960ء میں جب میں اپنے آبائی شہر میسور گیا اور جب پرانے بیتے دنوں کی یاد آئی تو میں نے سوچا کہ میں ذرا راجہ گیانی سے ملوں۔ میں جب اس کی حویلی میں پہنچا تو میں نے ہو کا عالم پایا۔ حویلی ویران ہو چکی تھی۔ گیٹ کے باہر موٹا تالا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میں نے حیرانی کے عالم میں یہ عجیب منظر دیکھا۔

کافی دیر تک میں نے حویلی کا جائزہ لیا' اندر سے مجھے خوفناک پراسرار انداز میں سائیں سائیں کی آوازیں محسوس ہو رہی تھیں۔ میرا دل ہولنے لگا۔ میرے نگاہوں کے سامنے وہ کوٹھڑی بھی تھی جہاں میں نے رمیش' شیوا رام اور اس بوڑھے عامل کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے ماضی گھومنے لگا... ابھی میں ماضی کے دریچوں میں جھانک ہی رہا تھا کہ اچانک میرے کندھے پر کسی نے لرزتا ہوا ہاتھ رکھا۔ میں نے اچانک چونک کر دیکھا۔ تو میرے سامنے بھوشن داس کھڑا تھا۔ اس نے میری جانب حیرت سے دیکھا اور میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ میں نے پوچھا۔

''راجہ گیانی لال کہاں ہیں....؟'' اس پر اس نے کہا۔

''کب کا مر کھپ گیا سالا۔ لالچی شرابی طویل عمر کا رسیا' خود غرض انسان... اسے میں نے منع کیا تھا کہ تو نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے لیکن طویل عمر کی تمنا نہ کر لیکن وہ نہ مانا' وہ جتنا عرصہ بھی جیا' یوں پریشان ہی رہا۔ وہ آخر میں اتنا پاگل ہو گیا تھا کہ ہر لمحے اپنے گناہوں کی نہ صرف معافی مانگتا تھا بلکہ موت کا دلی طلب گار تھا۔ شعلہ اس سے تنگ آ کر اسے چھوڑ گئی۔ اس نے جانا ہی تھا۔ میں نے اس کے دل میں جتنا راجہ کی چاہت کا پٹرول ڈالا تھا وہ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی چاہت' نفرت میں بدل گئی تھی اور راجہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''اور یہ حویلی کس کے پاس ہے....؟'' میں نے پوچھا۔

''اس نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے گیٹ کے کونے میں لگی تختی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اسے بغور دیکھو اب یہ حویلی میری ہے۔'' میں نے ریدے پھاڑ کر دیکھا... جہاں جلی حروف میں لکھا تھا۔

''بھوشن داس۔''

بھوشن نے مجھے بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اس نے مجھے بیٹھنے تک کا نہ پوچھا۔ میں اپنا دل مسوس کر واپس لوٹا... لیکن مجھے ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔ وہ یہ کہ۔

''بھوشن داس کی طویل عمر کا راز کیا تھا....؟''

قسط نمبر 6

حویلی کا آسیب

تحریر ..... نور ھادی

شام کو ٹی وی سے یہ خبر نشر بھی ہوئی کہ الطاف رشید کی پوسٹ مارٹم رپورٹ سے پتا چلا تھا کہ موت سے قبل الطاف رشید کے جسم نے بے پناہ الیکٹرک شاک برداشت کیے تھے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ ہی کی روشنی میں پولیس کے ترجمان نے بھی کہا تھا کہ اگر اتنے زیادہ الیکٹرک شاک کسی انسان کو دیے جائیں تو وہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لیے موت کو بھی آسان سمجھ لیتا ہے لہٰذا تشدد کرنے والے اس سے وہ پرچے لکھوانے میں کامیاب ہوگئے ہوں گے۔

شام کو چائے پر ارباب فارانی' فارحہ اور خسرو اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ انھیں بڑی شدت سے زماں آفندی کا انتظار بھی تھا۔

زماں اس وقت آیا جب وہ تینوں کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ خود زماں بھی کھانا کھا کر آیا تھا اس لیے اس نے ان تینوں کے ساتھ چائے پی۔

فارحہ نے اس سے شکایت شروع کی کہ بھائی ایسے تو نہیں ہوتے جو صبحوں تک بہن کی خبر تک نہ لیں۔

زماں ہنس کر اسے کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ ارباب فارانی بول پڑے۔

تم ان فضول باتوں میں نہ پڑو بیٹے تم تو یہ بتاؤ کہ آج تم نے کیا تحقیقات کیں۔ خسرو نے بتایا تھا کہ تم آج ارجن پور گئے تھے۔

جی ہاں۔ زماں نے کہا۔

آج وہاں جانے کے میرے دو ہی مقصد تھے۔ ایک تو میں اس آسیبی عمارت کو دیکھنا چاہتا تھا اور دوسرے وہاں کے دیہاتیوں سے مل کر قطب شاہ کے بارے میں ان کی رائے جاننا چاہتا تھا۔

پھر.....؟ فارحہ نے بے چینی سے پوچھا۔

وہاں چالیس دیہات ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ میں ایک ہی دن میں ایک ایک گاؤں میں جا کر وہاں سبھی سے گفتگو کر لیتا لیکن مجھے جتنے لوگوں سے بات کرنے کا موقع ملا اس سے یہی اندازہ ہوا ہے کہ قطب شاہ ان لوگوں کے لیے واقعی ناپسندیدہ شخصیت ہے۔

گویا اشرف نے مجھے غلط نہیں بتایا تھا۔ فارحہ پھر بول پڑی۔

آپ اس سے تو ملے ہی ہوں گے؟

ملنا تو چاہتا تھا لیکن وہ اپنے گھر پر نہیں تھا۔ اس کے باپ نے بتایا کہ وہ کسی کام سے شہر گیا ہے۔

خسرو بولا۔

وہ تو یہی کہہ کر گیا تھا کہ اپنے گھر جائے گا۔

گھر تو وہ گیا ہوگا۔ فارحہ بولی۔



لیکن جب وہ اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہا ہو تو گھر پہ رکنا اس کی حماقت ہی ہوتی۔ وہ اپنے گھر والوں سے شہر کے کسی کام کا بہانہ کر کے گھر سے غائب ہوا ہوگا۔

مجھے آپ سے ایک اجازت لینا ہے۔ زمان نے اچانک ارباب فارانی سے کہا۔

کیسی اجازت؟

میں فارد کو اپنے ساتھ اس بیگی عمارت میں لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے خصوصاً وہ کمرہ دیکھنا ہے جہاں سے فارد نے کسی کے رونے کی آواز سنی تھی۔

ہاں ہاں ضرور لے جاؤ تمہاری وجہ سے مجھے اطمینان ہو گیا کہ فارد کسی خطرے میں نہیں پڑ سکتی۔ کب جاؤ گے تم؟

ابھی۔

فارحہ بے ہوش ہو گئی لیکن ارباب فارانی نے کہا۔

بیٹے تم آج دن بھر کے تھکے ہوئے ہو۔

اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ زماں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ہم لوگوں کی زندگی ایسے ہی گزرتی ہے کہ سونے کی تو کیا کھانے پینے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ ایک بار تو میں تین دن اور دو راتیں مسلسل جاگ چکا ہوں۔

اسی محنت نے تمہیں اتنی جلدی اتنی ترقی بھی دی ہے۔ خسرو بولا۔

فارحہ تم تو تیار ہو نا؟ زماں نے پوچھا۔

میں کیوں تیار نہیں ہوں گی زماں بھائی میرا تجسس تو مسلسل بڑھتا جا رہا ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو نا خسرو۔

نہیں بھائی۔ خسرو نے کہا۔

صبح یونیورسٹی کی چھٹی نہیں ہے کہ میں رات کو جاگوں۔ تم اپنی بہنا ہی کو لے جاؤ۔

ٹھیک ہے ہم اکیلے ہی چلے جائیں گے۔

یہاں سے تو تم میرے ساتھ اکیلی ہی چلو گی۔ زماں نے کہا۔

لیکن وہاں پولیس بھی ہوگی۔

تو کیا فائدہ رہے گا؟

ہاں۔ زماں نے کہا۔

میں چاہتا تو یہی تھا کہ آج چھپ کر اس عمارت میں داخل ہوا جائے لیکن عمارت کے گرد قطب شاہ نے اپنے آدمیوں کا پہرا لگوا دیا تھا۔

ہاں۔ فارحہ نے کہا۔

قطب شاہ صاحب نے مجھ سے بھی کہا تھا کہ وہ ایسا کریں گے تا کہ کوئی اس عمارت میں جا کر کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے۔

زماں نے ارباب فارانی سے پوچھا۔

قطب شاہ کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟

بھئی مجھے تو وہ ایک عام سا آدمی لگا۔ اب تم ہی بتا سکو گے کہ وہ اچھا آدمی ہے یا نہیں۔

ان کی ایک عادت تو ایسی ہے جسے برا کہا جا سکتا ہے۔ فارحہ بولی۔

وہ تشدد کر کے خوشی حاصل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ میں نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس میں میرا یہ مشاہدہ نہیں ہے۔

وہ کیا ہے؟ زماں اس کی طرف ہمہ تن گوش ہو گیا۔

خسرو سے تو میں اس موضوع پر بات بھی کر چکی ہوں۔

فارحہ نے کہا اور پھر اس نے زماں کو بھی قطب شاہ اور خرگوشوں کے شکار کی کہانی سنا دی۔ زماں بڑبڑایا۔

ہو سکتا ہے یہ فطرت انہیں اپنے باپ سے ورثے میں ملی ہو۔

کیا اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا؟ ارباب فارانی نے چونک کر پوچھا۔

جی ہاں کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہوئی ہیں۔ زماں نے کہا۔ لیکن وہ بوڑھے کے بیان کو ایک پیشہ ورانہ راز سمجھتا تھا اس لیے بات اڑا گیا اور

گھڑی دیکھ کر فارحہ سے بولا۔
ہمیں اب چلنا چاہیے بارہ ساڑھے بارہ بجے تک ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔
چلئے۔ فارحہ نے کہا۔
مجھے کوئی تیاری نہیں کرنا۔
دو منٹ بعد ہی ارباب قازانی اور خسرو نے ان دونوں کو رخصت کیا۔
زماں کی کار جب کوٹھی کے احاطے سے نکل رہی تھی تو فارحہ ہنس کر بولی۔
یہاں میری تاک میں لگے ہوئے لوگ فائر نہ کھول دیں۔
میں اس بات کی طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔ زماں نے مسکرا کر کہا۔
یہاں میرے محکمے کے آدمی چھپے ہوئے ہیں۔
نظر تو کوئی نہیں آ رہا۔
اگر وہ نظر آ جائیں تو انہیں میرے محکمے کے بجائے کسی چانڈو خانے سے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ زماں نے ہنس کر کہا۔
فارحہ بھی ہنس دی۔
اس عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ زماں نے پوچھا۔
میں اشرف کے اس خیال سے متفق ہوں کہ بعض جرائم پیشہ افراد کسی ویران عمارت کو اپنی شعبدہ بازیوں سے آسیبی بنا کر لوگوں کو اس سے دور رہنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور اسے اپنا ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔
اور اشرف کے خیال کے مطابق یہ کام قطب شاہ کا ہے۔

اسے یہی شبہ ہے کہ اس کی منگیتر حسینہ اور اس کے باپ کو اسی عمارت میں قید کیا گیا ہوگا۔ فارحہ نے کہا۔
اگر ہم اشرف کی اس بات پر یقین کر لیں تو میرا خیال ہے کہ قطب شاہ اس قسم کے کاموں کے لیے اپنے ملازمین کو خود ہدایات نہیں دیتا ہوگا۔
تو پھر اور کون دے گا؟
قطب شاہ کا ایک پرانا ملازم ہے بھانو ہے اس کا نام۔ فارحہ نے کہا۔
میں نے پولیس کو جو بیان دیا تھا اس میں بھانو کا ذکر بھی تھا۔
بھانو۔ زماں بڑبڑایا۔
اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟
فارحہ نے وہی کچھ دہرا دیا جو قطب شاہ نے بتایا تھا۔
بھانو۔ زماں پھر بڑبڑایا۔
اس نام سے کسی عجیب الخلقت شے کا تاثر ابھرتا ہے۔
یہ کہیے نا کہ بھانو کا تصور ابھرتا ہے۔ فارحہ ہنسی۔
لیکن ایسا ہے نہیں وہ تیس بتیس سال کا ایک صحت مند آدمی ہے۔ اس کا حلیہ ضرور ایسا تھا جو مجھے اچھا نہیں لگا۔ اس کے چہرے کے نقش و نگار بھی عام آدمیوں جیسے نہیں لیکن اس کی آنکھیں میں اب تک نہیں بھولی۔
کیوں ــــ؟
بڑی موٹی موٹی آنکھیں ہیں اور ایسی جیسے خون میں ڈوبی ہوئی ہوں۔ میں نے ایسی آنکھیں

تصویروں میں ان قاتلوں اور ڈاکوؤں کی دیکھی ہیں جن کو عدالتوں سے عمر قید یا پھانسی کی سزائیں سنائی گئی ہیں۔

اسے بھی چیک کرنا پڑے گا۔ زماں نے سر ہلایا اور پھر اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ فارحہ بولی۔

پولیس کی گاڑیاں تو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

اس کا بندوبست کرنے کے بعد ہی میں تمہارے گھر آیا تھا۔ زماں نے جواب دیا۔

گیارہ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے کے درمیان پولیس کی گاڑیاں اس عمارت سے ایک میل کے فاصلے پر رکی ہوئی ہوں گی۔ میرے محکمے کے دو دو آدمی اس عمارت کے قریب موجود ہوں گے لیکن اس طرح کے قطب شاہ کے پہرے داروں کی نظر میں نہ آ سکیں۔ ان کے پاس وائرلیس بھی ہے۔ اس کے ذریعے وہ پولیس کو عمارت سے آنے والی آوازوں اور روشنیوں کے جھماکوں کے بارے میں رپورٹ دیتے رہیں گے۔

فارحہ سر ہلا کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی پھر اس نے کہا۔

میں نے جس کمرے سے رونے کی آوازیں سنی تھیں اس بارے میں آپ کو کسی قسم کا شبہ ہے؟

اگر کوئی اس عمارت کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہا ہے تو اس کمرے میں شاید کوئی قیدی ہو جو تمہاری آواز سن کر سہم گیا ہو۔

تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اسی بات کو چھپانے کے لیے مجھے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

اس کا امکان تو ہے۔

لیکن وہ لوگ یہ بھی جان چکے ہیں کہ میں بچ گئی ہوں لہٰذا ممکن ہے انہوں نے اس قیدی کو وہاں سے ہٹا دیا ہو۔

اس صورت میں بھی وہاں سے کوئی ایسا سراغ مل سکتا ہے جس سے اندازہ ہو جائے کہ وہاں کوئی قید تھا۔

اسی نوعیت کی باتیں کرتے ہوئے سفر کٹ گیا اور زماں کی کار پولیس کاروں کے پاس جا رکی۔

ٹھیک ہے۔ زماں نے پولیس افسر سے کہا۔

ایکشن بہت تیزی سے لینا ہے۔ اگر اس عمارت میں یہ شعبدے کرنے والے موجود ہوں تو ان میں سے کسی کو بھی بچ کر نہیں نکلنا چاہیے۔ عمارت کو چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی ضرورت نہیں۔

میں سب ہدایت دے چکا ہوں جناب۔ پولیس افسر نے کہا۔

بس تو پھر روانگی۔

زماں نے کہا اور اپنی کار کا انجن پھر اسٹارٹ کر دیا۔ اس وقت فارحہ خاصے ہیجان میں مبتلا ہو چکی تھی۔

ایکشن بہت تیزی سے لیا گیا۔ پولیس کی وردیاں دیکھ کر قطب شاہ کے ملازم پہرے دار انہیں روکنے کی ہمت نہیں کر سکے۔ سرعت کے ساتھ عمارت کے گرد محاصرہ قائم ہوا اور سامنے کے دروازے سے پولیس عمارت میں داخل بھی ہو گئی۔ آگے آگے زماں اور ایک پولیس افسر کے ساتھ فارحہ بھی تھی۔

روشنی کے جھماکے کیونکہ اوپری منزل کے کمروں میں ہو رہے تھے جنہیں ان کی کھڑکیوں سے دیکھا جا سکتا تھا اس لیے زماں فارحہ کے ساتھ کچھ پولیس والوں کو لے کر تیزی سے زینے طے کرنے لگا۔

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق عمارت میں داخل ہونے والی پولیس کی تین چوتھائی نفری عمارت کے نچلے حصے ہی میں پھیل گئی تھی۔ ان سب کے پاس رائفلوں کے ساتھ تیز روشنی کی بڑی ٹارچیں بھی تھیں جن کی روشنی میں فارحہ کو پولیس والوں کے چہروں پر خوف زدگی کے تاثرات دکھائی دیئے تھے کیونکہ عمارت کے مختلف حصوں سے مختلف نوعیت کی آوازیں اس وقت بھی سنائی دے رہی تھیں۔ رونے کی آوازیں' سسکیوں کی آوازیں' چیخوں کی آوازیں' گھنگھروؤں کی آوازیں۔

فارحہ اس وقت ہیجان میں تو تھی لیکن اسے خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ اس وقت اکیلی نہیں تھی۔

پولیس اوپری منزل کے چاروں کمروں میں پھیل گئی۔ زماں اور فارحہ کے ساتھ چار مسلح کانسٹیبل ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ زماں کے ہاتھ میں اس وقت واکی ٹاکی بھی تھا جس پر وہ دوسرے پولیس افسروں سے رابطے میں تھا۔

کمرہ چار ٹارچوں کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔

یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ زماں بڑبڑایا۔

فارحہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور چاروں کانسٹیبلوں کی سوالیہ نظریں زماں کے چہرے پر تھیں۔

زماں واکی ٹاکی پر دوسرے پولیس افسران سے رپورٹ لینے لگا۔ اوپری منزل پر آنے والی پارٹی کے ان لوگوں کو بھی کوئی دکھائی نہیں دیا تھا جو باقی کمروں میں گئے تھے اور نچلی منزل سے اطلاع ملی تھی کہ اب آوازیں سنائی دینا بھی بند ہو گئی تھیں۔

عمارت میں بالکل سناٹا چھا چکا ہے۔

زماں فارحہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بہت بڑبڑایا لیکن اس کا انداز ایسا نہیں تھا جیسے اس نے یہ بات فارحہ سے کہی ہو۔

روشنی کے جھماکے بھی بند ہو گئے ہیں۔ فارحہ نے دھیرے سے کہا۔

زماں کے چہرے سے غور و فکر کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کی نگاہیں چاروں طرف چکرا رہی تھیں۔ وہ یہ فیصلہ کرنے سے قاصر نظر آ رہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

اچانک کانسٹیبلوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ فارحہ بھی اچھل پڑی کیونکہ اس وقت اچانک کمرے میں روشنی کا بہت تیز جھماکا پھر ہوا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں خیرگی کی بجلی سی کوند گئی تھی۔

اس وقت فارحہ کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس نے زماں کا ایک بازو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔

زماں واکی ٹاکی پر دوسرے پولیس افسران سے پھر باتیں کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ دوسرے کمروں میں بھی روشنی کے جھماکے ہوئے تھے اور

نچلی منزل پر آوازیں پھر سنائی دینے لگی تھیں مگر اب ان میں پہلے جیسا تسلسل نہیں رہا تھا وقفے آ گئے تھے۔

گھبراؤ نہیں فارحہ۔

زماں نے اپنے بازو پر جما ہوا فارحہ کا ہاتھ تھپکا۔

تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔

میں گھبرا نہیں رہی ہوں زماں بھیا لیکن۔

فارحہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ روشنی کا جھماکا پھر ہوا۔

آئندہ پندرہ منٹ میں یہ بات واضح ہو گئی۔

اس عمارت کے واقعاتی پراسرار معمولات میں بس اتنا فرق آیا تھا کہ روشنی کے جھماکے پہلے جیسے تسلسل سے نہیں ہو رہے تھے اور آوازیں بھی مستقل سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ کبھی کسی طرف سے سسکیاں سنائی دیتیں' کبھی کسی طرف سے رونے یا چیخنے کی آواز آتی اور کبھی کسی طرف سے گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دیتی۔

سوا کانسٹیبلوں اور دو سب انسپکٹروں کو اوپری منزل کے کمروں میں چھوڑ کر زماں' فارحہ کے ساتھ نیچے آ گیا۔

اب تک ان لوگوں میں سے کسی کو نہ تو کوئی خوف ناک چیز دکھائی دی تھی اور نہ انہیں کسی قسم کا نقصان پہنچا تھا۔

یہاں کا آسیب یا روحیں خاصی پرامن معلوم ہوتی ہیں۔

زماں دھیرے سے ہنسا۔ شاید وہ اس طرح ماحول کا تناؤ کم کرنا چاہتا تھا لیکن اسے فوری طور پر اپنا یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔ سبھی کے چہروں پر متفکرانہ سنجیدگی قائم رہی۔

زماں نے تین مختلف جگہوں پر چاک سے نشانات لگائے۔ یہ وہ مقامات تھے جہاں سے کسی نہ کسی قسم کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

گاڑیوں سے کدالیں منگوائیں۔ زماں نے ایک پولیس افسر سے کہا۔

پولیس آفیسر اپنی واکی ٹاکی پر کسی کو کدالوں کے لیے ہدایت دینے لگا۔ فارحہ بولی۔

کیا آپ ان دیواروں کو کھدوانا چاہتے ہیں زماں بھیا۔

ہاں۔ زماں نے کہا۔

اگر ان دیواروں میں اسپیکر چھپے ہوئے ہیں تو ان کا پتا اسی طرح لگایا جا سکتا ہے۔

آوازیں تو اور جگہوں سے بھی سنائی دے رہی ہیں۔

اگر ان تین جگہوں سے اسپیکر برآمد ہو گئے تو میں ساری عمارت ہی کھدوا ڈالوں گا۔

اسی وقت واکی ٹاکی پر کسی نے زماں کو اطلاع دی کہ قطب شاہ آیا ہے اور دروازے کے قریب موجود ہے۔ اسے پولیس نے اندر داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

میں خود باہر آ کر اس سے بات کرتا ہوں۔ زماں نے جواب میں کہا۔

قطب شاہ کو اس کے ملازمین ہی نے پولیس ریڈ کی اطلاع دی ہوگی۔ فارحہ بولی۔

ظاہر ہے۔ زماں نے کہا۔

لیکن یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ آ گیا۔ یہ عمارت اس کی ملکیت ہے اور میں یہاں کھدائی کروانا چاہتا

ہوں۔ اب زماں اس سے اجازت بھی لے لوں
کہ تم یہیں رکو میں اس سے مل کر آتا ہوں۔
فارحہ اس کے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن اس
خیال سے چپ رہی کہ زماں نے کسی مصلحت سے
ہی اس کو اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا
ہوگا۔
وہ وہاں اکیلی بھی نہیں تھی اور پولیس والے
بھی موجود تھے۔
زماں کی واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ واپس
آکر اس نے فارحہ کو بتایا۔
اس نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ
پولیس اس کی اجازت کے بغیر اس عمارت میں
گھسی۔ وہ بس تشویش کا اظہار کر رہا تھا کہ عمارت
کو آسیب پولیس کے لیے کسی نقصان کا سبب نہ
بن جائے۔ میں نے اس سے چند جگہوں کی کھدائی
کی اجازت بھی لے لی ہے اور اس سے درخواست
کی ہے کہ جب تک پولیس آپریشن جاری ہے وہ
اس عمارت سے دور ہی رہے بلکہ اپنی حویلی واپس
چلا جائے۔
تو کیا وہ؟
ہاں وہ چلا گیا۔
زماں نے فارحہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا پھر اس
نے پولیس افسر سے پوچھا۔
کدالیں آگئیں؟
جی ہاں سر۔
جہاں میں نے نشان لگوائے ہیں وہاں کی
کھدائی شروع کرا دیں لیکن اس بات کا خیال رکھنا
ہوگا کہ کدالیں زیادہ زور سے نہ چلائی جائیں۔ اگر
ان دیواروں میں اسپیکرز لگے ہوئے ہیں تو انہیں
ٹوٹنا پھوٹنا نہیں چاہیے۔ اس طرح کھدائی میں دیر
تو لگے گی لیکن یہ ضروری ہے۔
بہتر ہے۔
فارحہ نے زماں سے کہا۔
پولیس کی گاڑیوں میں کدالیں بھی لائی گئیں
تھیں؟
ہاں۔ زماں نے کہا۔
یہ بات میرے پروگرام میں شامل تھی کہ ان
مقامات کی کھدائی کرواؤں گا جہاں سے آوازیں
سنائی دیں گی۔
اور..... روشنی کے وہ جھماکے؟
ان کا سبب بھی دیکھنا ہوگا۔ پہلے تم ذرا مجھے اس
کمرے تک لے چلو جہاں تمہیں کسی کے رونے
کی آواز سنائی دی تھی۔
چلیے۔
فارحہ زماں کو اس کمرے کی طرف لے جانے
لگی۔ زماں نے واکی ٹاکی پر اوپری منزل کے کسی
پولیس افسر سے بات کی۔ پتا چلا کہ وقفے وقفے
سے روشنی کے جھماکے جاری تھے۔ اسی طرح نچلی
منزل پر وہ آوازیں بھی وقفے وقفے سے سنائی دے
رہی تھیں۔ اس پراسرار ماحول میں فارحہ کو
پولیس کی تمام سرگرمیاں اور نقل و حرکت بڑی
عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اس نے یہ بھی
محسوس کیا تھا کہ اب پولیس والے پہلے کی طرح
زیادہ خوف زدہ نظر نہیں آ رہے تھے۔
فارحہ نے زماں کو ایک کمرے کے دروازے پر
لے جا کر کھڑا کر دیا۔

”یہ ہے وہ کمرہ۔“ وہ بولی۔

زماں نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند نہیں تھا لیکن اس کے کھلنے سے چرچراہٹ کی خاصی تیز آواز ہوئی۔ زماں نے ٹارچ روشن کرتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کے پیچھے فارحہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

کمرے میں کسی قسم کا سامان نہیں تھا۔ فرش گرد سے اٹا ہوا تھا۔ نیچی چھت اور دیواروں پر مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے۔ گرد سے اٹے ہوئے فرش پر صرف ان غیر معمولی قدموں کے نشانات دکھائی دیے جو فارحہ پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔

سنانے میں دور کسی گاؤں سے فجر کی اذان کی آواز آئی جس کے ساتھ ہی اس عمارت میں پراسرار آوازوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور جھماکے بھی رک گئے۔

جن مقامات پر زماں نے نشانات لگائے تھے وہاں کی کھدائی بھی اس حد تک ہو چکی تھی کہ آرپار بڑے بڑے سوراخ ہو گئے تھے لیکن اسپیکرز یا کسی بھی قسم کی کوئی چیز نہیں ملی تھی۔

فارحہ نے زماں کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار دیکھے تو بول پڑی۔

”اب آپ خاصے تھکے ہوئے نظر آ رہے ہیں بھیا۔“

”نہیں فارحہ۔“ زماں بولا۔

”دراصل جب میں کوئی کام کرتا ہوں اور میری توقع پوری نہیں ہوتی تو دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔“

اب تو یہی ثابت ہوا ہے بھیا کہ یہ عمارت واقعی آسیب زدہ ہے مگر یہ آسیب ہم انسانوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔

اب جبکہ ہم اکیسویں صدی میں قدم رکھنے والے ہیں ایسی باتوں پر یقین کر لینا مضحکہ خیز لگتا ہے۔

میں اس قسم کے معاملوں میں ڈھل مل یقین سی تھی لیکن اب تو ماننا پڑے گا کہ کچھ ایسی ماورائی چیزیں ہیں ضرور جن پر عقل کی گرفت نہیں ہو پاتی۔ ساری دنیا میں ہی کہیں نہ کہیں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کی خبریں بھی شائع ہوتی ہیں اور یہ اعتراف بھی کرنا ہی پڑے گا کہ سائنس کے میدان میں مغرب ہم سے کہیں زیادہ آگے ہے لیکن وہ لوگ بھی ان واقعات کی کوئی سائنسی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

زماں کچھ نہیں بولا۔

”اب کیا کرنا ہے سر؟“ ایک پولیس افسر نے پوچھا۔

”واپسی۔“

زماں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی، پھر اس نے فارحہ سے کہا۔

”تمہارے یہ سب خیالات درست لیکن قدموں کے وہ عجیب سے نشان میرے ذہن میں نقش بن کر رہ گئے ہیں۔ آسیب کہوں یا روحیں، وہ مادی تو نہیں ہوں گی تاکہ ان کے قدموں کے نشانات بن جائیں اور وہ بھی چند مقامات پر۔“

ایک نقش میرے ذہن میں بھی ہے۔
فارحہ نے اس وقت کہا جب وہ زماں کے ساتھ اس کی کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔
میرا کیمرہ ان نشانات کی تصویریں کھینچنے میں کیوں ناکام رہا۔
یہ سارا معاملہ مختلف پہلوؤں سے مختلف انداز میں اُلجھا ہوا ہے۔ تم گھر چل کر اپنا وہ کیمرہ مجھے دے دینا۔
ہاں لے لیجیے گا۔
زماں نے کیمرے کے بارے میں دو تین سوال اور بھی کیے۔ فارحہ جواب دیتے ہوئے اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گئی۔ پولیس والے بھی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ زماں اپنی کار ان سے پہلے ہی حرکت میں لے آیا۔
بارش کے کچھ آثار دکھائی دے رہے ہیں
زماں بتیا۔
ہاں۔ زماں نے کہا۔
اسی لیے میں نے کار کی رفتار اتنی زیادہ بڑھا رکھی ہے ہم بارش کے آغاز سے پہلے ہی شہر یا شہر کے قریب پہنچ جائیں تو اچھا ہے۔
جب وہ شہر پہنچے تو صبح ہو چکی تھی لیکن مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے شام کا سماں بندھا ہوا تھا۔

بارش کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ خسرو ابھی بیدار نہیں ہوا تھا لیکن ارباب فارانی گاؤن پہنے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔
تو بھائی آ گئے۔

وہ انہیں دیکھتے ہی بولے۔
میں تو اتنا پریشان رہا ہوں کہ رات بھر سے نیند نہیں آئی۔
مجھے بھی اندازہ تھا اس کا۔ زماں نے مسکرا کر کہا۔ پھر فارحہ سے بولا۔
تم مجھے اپنا کیمرہ لا دو۔ مجھے جلد از جلد اپنے دفتر پہنچنا ہے۔
ناشتہ تو کرتے جاؤ بیٹے ممکن ہے اتنی دیر میں بارش بھی رک جائے۔
بادلوں کے تیور بتا رہے ہیں کہ بارش دیر تک ہوگی۔
فارحہ کیمرہ لینے کے لیے اندر جا چکی تھی۔
ارباب فارانی نے پوچھا۔
تمہاری یہ رات پھر کارآمد بھی رہی؟
اگر اسے کارآمد کہا جا سکے تو بھی میں اسے بے کار تو بہرحال نہیں کہہ سکتا۔
کچھ پتا چلا؟
خاصی باتیں ہیں میں نے بتانا شروع کیں تو مجھے دیر ہو جائے گی۔ فارحہ سے آپ کو سب کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔ کیا خسرو ابھی نہیں جاگا۔
وہ کبھی بھی سحر خیز نہیں رہا۔
فارحہ کیمرہ لے آئی تو زماں نے وہ اس سے لے کر اپنے شانے سے لٹکایا اور رخصت ہو گیا۔

(جاری ہے)

میں نے دیکھا کہ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے گوشت غائب ہونا شروع ہو گیا ہے اور چند ہی لمحے بعد میرے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جسے دیکھ کر میری چیخ نکل گئی

ہاں تم مر چکے ہو......؟

تحریر...... مس کرن

کبھی کبھی نہ معلوم کیوں یہ جی چاہتا ہے کہ آدمی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور نکل جائے تنہا بالکل تنہا جہاں کوئی اسے پہچاننے والا بھی نہ ہو۔ آج کچھ میری کیفیت بھی ایسی ہی تھی نہ معلوم کیوں جی بوجھل بوجھل سا تھا۔ ہر چند کہ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو میری اداسی کا سبب ہو۔

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے۔ میں ادھر سے نکلا اور یوں ہی بے مقصد ایک بس میں بیٹھ گیا۔ صدر آیا تو مجھے کچھ ہوش آیا میں نے سوچا چلو یہیں اتر لیا جائے مگر یہاں تو کئی جاننے والوں کے ملنے کا امکان ہے پھر...... میں سوچتا رہا بس ریگل کے اسٹاپ تک پہنچ چکی تھی۔ میں اترنے لگا بابو جی ٹکٹ کنڈیکٹر کی آواز سنائی دی۔

ارے ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا تھا یہ کہہ کر میں نے جلدی سے ٹکٹ کے پیسے کنڈیکٹر کے ہاتھ پر رکھے اور تیزی سے اتر گیا۔ میں دانستہ کیفے ٹیریا والی فٹ پاتھ سے تیز تیز گزر رہا تھا کہ کہیں کوئی واقف کار نہ مل جائے۔ میں کیفے ٹیریا کے برابر والی گلی میں گھس



گیا۔ اور مسجد خضرا کے سامنے سے ہوتا ہوا میٹنگلی روڈ کی طرف نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت یہ علاقہ شور غل سے پاک ہوگا اور اس وقت میں کسی ایسی ہی جگہ کی تلاش میں تھا میں نے اپنی منزل متعین کر لی تھی۔ میں پولوگراؤنڈ کی طرف جانا چاہتا تھا اس وقت وہاں اکا دکا کار گزرنے کے علاوہ قطعی سکون تھا میں اب پریزیڈنٹ ہاؤس کے سامنے پہنچ چکا تھا اس وقت یہاں سناٹا تھا۔ نہ معلوم کیوں مجھے یہاں پہنچ کر کچھ خوف سا محسوس ہوا میں اس سڑک پر بالکل تنہا تھا۔ میں نہ جانے کیوں اپنے پیروں کی چاپ ہی سے بار بار چونک پڑتا تھا۔ میری کیفیت اس وقت کچھ عجیب سی تھی۔ دل چاہا کہ فوراً گھر لوٹ جاؤں۔ آخر یہ وحشت کیا میں خوامخواہ اتنی رات گئے یہاں تنہا بھٹک رہا ہوں اور وہ بھی بے مقصد میں نے سوچا اور ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ کسی نے اچانک پیچھے سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں ایک دم اچھل پڑا پیچھے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پہلی نظر میں اسے دیکھ کر مجھے یقین ہی نہ آیا کہ وہ ایلن تھا۔ میرا ایک دیسی عیسائی دوست۔ یہاں یہ کہاں سے آ گیا۔ میں نے سوچا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ بول پڑا۔

"کیوں! پہچانا نہیں؟"

اس کی آواز میں ایک عجیب سوئی سوئی سی کیفیت تھی جیسے وہ نیند میں بول رہا ہو۔ میں نے اس کی بات کا جواب دیا۔

"میں تمہیں اچھی طرح پہچان گیا ہوں ایلن مگر.... مگر میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔"

ہاں! ہاں کہو! وہ بولا تم شاید یہی کہنا چاہتے ہو کہ میں اتنے عرصے کہاں رہا.... ؟ کیوں؟ اس نے پوچھا۔

"ہاں بات تو یہی ہے تم شاید آج پورے پانچ سال بعد نظر آئے ہو آخر تھے کہاں......؟"

یہ ایک لمبی کہانی ہے اور تم تو جانتے ہو کہ میں لمبی باتیں صرف شراب کی میز پر کرتا ہوں۔ کیوں کیا خیال ہے۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

ہوں! تو ابھی تمہاری عادتیں نہیں بدلیں۔ میں نے کہا۔ مگر پیارے میں تو شراب قطعی ترک کر چکا ہوں بہرحال تم اتنے دن بعد ملے ہو تو اس خوشی میں صرف تمہارا ساتھ ضرور دے سکتا ہوں۔ وہ بھی بیٹھنے کی حد تک میں عہد کر چکا ہوں کہ اب کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

ٹھیک ہے تم نہ پینا۔ تم پہلے بھی کون سی اتنی پیتے تھے آؤ چلیں۔ شاید سرتاج اب تک کھلا ہو۔ اور تم تو وہاں کے مستقل گاہک تھے کسی زمانے میں اگر بند بھی ہوگا تو تمہارے لیے دروازہ کھل ہی جائے گا۔ اس کی ان باتوں نے مجھے میرے ماضی میں دھکیل دیا۔ اور نہ جانے ہم نے کب ٹیکسی لی اور کب ہم دونوں اس میں بیٹھ کر چل دیے۔

ایلن اور میں کسی زمانے میں ہم پیالہ ہم نوالہ تھے اب سے پانچ سال پہلے وہ اچانک غائب ہو گیا تھا کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے وہ ڈیکپ لائن میں رہتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی نے اس کے بوڑھے ماں باپ کو نڈھال کر دیا تھا۔ کچھ دنوں میں اس کی تلاش میں اس کے گھر آتا جاتا رہا مگر جب اس کی

طرف سے قطعی ناامید ہو گیا تو میں نے صبر کر لیا۔ وہ ایک اچھا اور وفادار دوست تھا۔ مجھ سے اس کا کوئی راز چھپا ہوا نہیں تھا اور وہ بھی میرے ہر راز سے آگاہ تھا۔ اس کے غائب ہونے سے پہلے میرے علم میں تھا ایک لڑکی سے اس کا معاشقہ چل رہا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ وہ خودکشی کر لیتا یا شہر ہی چھوڑ جاتا۔ مجھے اس کے غائب ہونے کے بعد پہلے پہل یہی گمان ہوا تھا مگر بعد میں خود ہی میں نے اپنے اس خیال کی تردید کر دی تھی اس لیے کہ مجھے وہ اپنے عشق میں اتنا سنجیدہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس نے جب بھی اس لڑکی کا تذکرہ کیا بس یونہی سا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ اس کے بغیر وہ زندہ [illegible]۔ آج پانچ سال بعد میرے اس خیال کی تائید ہو گئی تھی نہ معلوم مجھے کیوں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے اور وہ واقعی زندہ تھا اس کا ثبوت یہ کہ وہ اس وقت میرے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔

ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ رکی اور میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ اترو، وہ بولا۔ اور میں بے خیالی میں ٹیکسی سے اترتے اترتے بولا بہت جلدی آ گئے اس کے بعد میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا ہم دونوں جلدی جلدی سرتاج کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے میں ایک طویل عرصے کے بعد یہاں آیا تھا لیکن چند پرانے بیروں کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر سمجھ گیا کہ مجھے پہچان لیا گیا ہے۔ ہم نے ایک میز کا انتخاب کیا اور بیٹھ گئے۔ ہمارے بیٹھتے ہی بیرا آ گیا۔ جی صاحب! کیوں بھئی کیا پیو گے؟ کیرو چلے گی یا جینا۔ جیب میں ذرا پیسے کم ہیں ورنہ اسکاچ چلتی بہرحال بولو۔ اس نے میری بات سن کر کہا۔

"جو چاہے منگالو"

بیرا منتظر تھا۔ اس نے پھر مجھ سے پوچھا۔

"ہاں صاحب کیا لاؤں؟"

ایسا کرو کہ ایک بوتل کیرو وہسکی لے آؤ۔ بیرا آرڈر لے کر چلا گیا تو میں نے اطہر کو مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں بھئی اب شروع ہو جاؤ۔"

پہلے شراب تو پیئے وہ۔ اس نے جواب دیا۔ بیرا شراب کی بوتل اور ایک گلاس رکھ گیا۔ میں نے سوچا کمال ہے۔ بیرے کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں شراب پینا ترک کر چکا ہوں ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ میں اتنے عرصے شاید اسی لیے نہیں آسکا کہ شراب ترک کر چکا ہوں۔ میں نے بیرے کو پھر بلایا اور کہا۔

"ایسا کرو کہ میرے لیے ایک سیون اپ لے آؤ۔"

وہ میری بات سن کر بولا۔

"تو سوڈا واٹر لے جاؤں۔"

نہیں... نہیں سوڈا بھی رہنے دو سیون اپ لے آؤ۔ میں نے کہا۔

بہتر ہے بیرا واپس چلا گیا اور کچھ دیر بعد ہی جب سیون اپ لے آیا تو میں نے اسے گلاس اور لانے کے لیے کہا۔ جب گلاس بھی آ گیا تو میں نے اپنے آگے سیون اپ گلاس میں انڈیل لی اور خود اپنے ہاتھ سے اطہر کے لیے پیگ بنانے لگا۔ پیگ بنا کر میں نے اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ لو پیو اطہر

بھی تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ مگر میں سیون اپ پیوں گا۔ یہ پورا ایک تمہیں پینا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارے لیے زیادہ نہیں کیوں.....؟ میں نے ایلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں نے اپنا گلاس اٹھایا اور اسے سپ کر کے رکھ دیا اس نے بھی ایک ہلکی سی چسکی لے کر اپنا گلاس میز پر رکھ دیا۔ تمہاری مسلسل خاموشی اب کھلنے لگی ہے جواب بولو تو..... میں نے کہا۔

ہاں میں تمہیں یہی وعدہ کر کے ساتھ لایا ہوں کہ تمہیں اپنی پانچ سالہ خاموشی کے بارے میں بتاؤں۔ ہاں تو سنو اپنے تمہارے علم میں ہی تھا کہ اب سے پانچ سال پہلے میرا ایک لڑکی سے بے حد عشق تھا اور شاید تمہیں یہ بھی یاد ہو کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذہب پر یوں بھی اعتقاد نہیں رکھتا اس لیے مجھے اپنا مذہب تبدیل کر دینے میں بھی کوئی تامل نہیں اس لیے اگر میری محبوب کے والدین نے یہ شرط لگائی کہ مجھے مسلمان ہونا پڑے گا تو میں ہو جاؤں گا۔ اور پھر میں نے نگہت کے کہنے پر اپنا مذہب تبدیل کر لیا اور اپنی تمام عادتیں ترک کر دیں اس لیے کہ اس کی شادی مجھ جیسے آوارہ منش سے نہ کریں۔ لیکن وہ ہر قیمت پر مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی مجھے اس کے عشق کی صداقت کا اندازہ اس وقت ہوا جب اس نے یہ پیشکش کی کہ۔

"ہم دونوں کہیں کسی اور شہر میں جا کر شادی کر لیں اور وہیں رہنے لگیں۔"

مجھے اس سے اتنی امید نہیں تھی کہ وہ میرے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتی ہے کہ اپنے والدین تک کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گی میرے دل پر اس کی بات نے بہت اثر کیا۔ اور اس اثر کا نتیجہ جلد ہی ظاہر ہو گیا میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں اسے لے کر کسی اور شہر چلا جاؤں۔ لیکن میری راہ میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو میرے بوڑھے ماں باپ جن کے بڑھاپے کا واحد سہارا صرف میں تھا۔ میرے ارادے میں کچھ لغزش پیدا ہوئی مگر جب میں نے ایک لڑکی کی ہمت کا مقابلہ اپنے آپ سے کیا تو مجھے خود اپنے وجود سے شرم سی محسوس ہوئی میں نے سوچا کہ اگر وہ میرے لیے سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہے تو میں کیوں اس بزدلی کا ثبوت دوں۔

اور پھر ایک رات میں اور وہ چپکے سے اس شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ میں اسے لے کر لاہور چلا گیا وہاں جا کر سب سے پہلے میں نے ملازمت کی کوشش کی جس میں اتفاق سے بہت جلد کامیاب ہو گیا۔ پھر سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ نگہت سے شادی کر لی۔ اس کا اصل نام نگہت تھا مگر میں نے احتیاط کے طور پر اس کا نام بدل دیا اور اب میں بھی ایلن ہی کہا جانے لگا ہو چکا تھا۔

لیکن ابھی ہماری شادی کو مشکل سے تین مہینے ہی گزر رہے تھے کہ ایک حادثے نے میری زندگی تہہ بالا کر دی نگہت ہر روز دفتر جاتے وقت دروازے تک مجھے الوداع کہنے آتی تھی۔ میں اب اسے دل و جان سے چاہنے لگا ہم دونوں نے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کا عہد کیا تھا۔ میں نے جیسا کہ تمہیں ابھی بتایا کہ وہ دفتر جاتے وقت ہر روز مجھے دروازے تک چھوڑنے آتی تھی۔ تو وہ ایک ایسا ہی بدنصیب دن تھا۔ میں نے جاتے جاتے اسے آواز دی کہ نگہت میں دفتر جا رہا ہوں۔

اس وقت کچن میں تھی میری آواز سن کر وہ فوراً کچن سے نکلی۔ میں زینے تک پہنچ چکا تھا۔ وہ تیز تیز میری طرف بڑھی اس کا البیلا اعلیٰ سلام ہر روز مجھے دن بھر کام کرنے کے لیے تازہ دم رکھتا تھا۔ وہ اس وقت نیلی ساڑھی میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ وہ جلدی سے زینے کی طرف بڑھی۔ اچانک اس کا پیر ساڑھی میں اُلجھ گیا اور وہ اوندھے منہ زینے پر سے لڑھکتی ہوئی نیچے جا گری یہ سب صرف چند لمحوں میں ہو گیا میں تیزی سے زینے اُترتا ہوا اس تک پہنچا اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور گلوگیر آواز میں بولا۔

"یہ کیا ہو گیا نگہت... یہ... یہ... یہ میری آواز بھرا گئی اس کی آنکھیں بند تھیں۔"

اس نے میری آواز سن کر ایک نظر میری طرف دیکھا مسکرائی اور بہت ضعیف سی آواز میں بولی۔

"میری جان میں دوسری دنیا میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"نہیں... نہیں نگہت تم نے تو ساتھ جینے ساتھ مرنے کا عہد لیا تھا مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

"نگہت... نگہت... نگ... نگ... ن..."

اس کا سر ایک طرف ڈھلک چکا تھا۔ وہ مر چکی تھی۔ نگہت مجھے تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ میرے کانوں میں اس کے آخری الفاظ گونج رہے تھے۔

میری جان! میں دوسری دنیا میں تمہارا انتظار کروں گی۔ انتظار کروں گی۔ میں چیخا نہیں... نہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ میں آ رہا ہوں پھر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس طرح زینے کی سیڑھیوں پر ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ میں مر چکا تھا۔ اس کے پیار میں۔

"کیا...؟" میں اُچھل پڑا۔ "کیا تم مر چکے ہو...؟"

"ہاں میرے دوست میں مر چکا ہوں آج سے پانچ سال پہلے۔ یہ دیکھو میرے سر سے اب تک خون بہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کے سر سے واقعی خون بہہ رہا تھا جس سے اس کا چہرہ بڑا ہی بھیانک نظر آ رہا تھا اور پھر میں نے دیکھا کہ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے گوشت غائب ہونا شروع ہو گیا۔ اور چند لمحے ہی میں میرے سامنے ایک ایسا چہرہ تھا جس پر برائے نام بھی گوشت نہیں تھا۔ بس صرف ہڈیاں تھیں لیکن کھوپڑی سے اب بھی خون بہہ رہا تھا۔ میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو مجھ سے چاروں طرف بار کے بیرے کھڑے تھے۔ انہوں نے غالباً مجھے ہوش میں لانے کے لیے میرے منہ پر پانی کے چھینٹے بھی مارے تھے اس لیے کہ مجھے اپنا چہرہ بھیگا ہوا محسوس ہو رہا تھا میں بڑی حیرت سے ان سب کو دیکھتا رہا اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا ان میں سے ایک بیرا بولا۔

"کیا ہوا صاحب! آپ تقریباً ایک گھنٹے سے یہاں اکیلے بیٹھے تھے۔ آپ نے شراب بھی نہیں پی پھر بھی ایک دم چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے آپ کو کیا ہو گیا تھا... صاحب...؟"

پُراسرار حویلی

سید...... واجد نگینوی

نصف شب سے زیادہ گزر چکی ہوگی۔ اس وقت ویسے بھی شاہراہوں کو سنسان ہونا چاہیے تھا۔ وہ بھی سردیوں کی شب جبکہ شاہراہیں سرشام ہی راہگیروں سے محروم ہو جاتی ہیں تو پھر بھلا کسی کے اہل میں اتنی ہمت کہاں کہ اس وقت شاہراہوں پر گشت روایت کر سکے۔ مافوق الفطرت کی تو خیر بات اور کیا ہے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ [illegible] تک کی ماتیاں [illegible] سے [illegible] یا کم از کم پیچھا نہیں کرتے ہیں۔

الغرض صوبہ یوپی کے ضلع بجنور کے مشہور شہر نگینہ سے باہر شمال کی سمت کو جانے والی شاہراہ [illegible] سے ایک حد تک کام کرتی تھی۔ جس کے ایک طرف آبادی تھی اور دوسری طرف کھیتوں کا پھیلا ہوا ایک لامتناہی سلسلہ [illegible] سید زاہد [illegible] کے نام سے یہ شاہراہ منسوب تھی۔ اس شاہراہ کا زیادہ تر استعمال [illegible] سے [illegible] تھے کے [illegible] تھے۔ [illegible] کے [illegible] سے [illegible] نظر آتے تھے۔ اس سے بعد [illegible] دیہاتیوں کو بھی [illegible] گاڑیوں میں [illegible] غلہ یا دیگر اشیاء [illegible] شہر آتے۔ اس کے علاوہ شہری بھی اکا دکا نظر آ جاتے تھے لیکن خاص بات یہ تھی کہ شاہراہ کا استعمال زیادہ تر دن ہی کو ہوتا تھا البتہ رات کو شغلی گیدڑ ضرور چہل قدمی کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی موڈ میں آ کر غضب کی آوازیں نکالتے کہ روتے ہوئے بچے چونک کر اپنی ماؤں کی چھاتیوں سے چمٹ جاتے اور بڑے نیند میں لاحول ولاقوۃ کہنے لگتے۔

گیدڑوں کی ان سُریلی تانوں کا اثر نہ صرف انسانوں ہی پر ہوتا بلکہ شہر کے آوارہ کتے بھی ان سُریلی تانوں کا جواب دیتے اور اس وقت ان موسیقاروں کو ایاوت فرما ہو کر ایک مارچ کھینچنے کے علاوہ اپنے بچاؤ کے لئے کوئی صورت نظر نہ آتی اور تب یہ حقیقت تان سین کے ان پرستاروں پر عیاں ہو جاتی کہ "جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے۔"

آج بھی یہ سڑک خالی تھی جس کی [illegible] میں جو کار [illegible] جو اتوار کو بند ہوتا تھا۔ میونسپل کارپوریشن نے جانے کس مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے جہاں تک آبادی تھی بجلی کے کھمبے نصب کرا دیئے تھے۔ سڑک کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے بجلی کے بلب قمقموں کا ایک ہار سا معلوم ہوتے جس کی ایک لڑی ٹوٹ گئی ہو۔

بجلی کی روشنی میں شاہراہ بڑی پراسرار نظر آ رہی تھی۔ حسب معمول آج بھی شاہراہ پر آمد و رفت ہونے کی [illegible] ایک کار تیز ہیڈ لائٹس سڑک پر



بیٹھنے سے ٹانگوں میں اکڑاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ شاید یہ
اس کے لیے پہلا اتفاق تھا کہ اتنی رات بیٹھنے کے بعد
بھی اس کو اس گھر سب سے دور لگ رہا تھا۔
کار کی آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی سڑک
سے ہٹی اور بائیں کی جانب فاصلے تک کھیتوں میں
اتر گئی۔ اندھیرے کے ہاتھوں نے قریب ہی
جھاڑیوں سے ایک جھونپڑی میں پناہ لینے میں عافیت

بھجتی اور چند ہی لمحوں میں کار فراٹے بھرتی ہوئی نکل گئی۔ اب شاید بیچارے کیڑے جھاڑیوں سے باہر آنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے۔

کار ڈرائیور ایک دوسری کار کی ہیڈ لائٹس کو دیکھ کر ان کو چار و ناچار بریک کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ پھر ایک شدید بلند تین گاڑیوں کے گزرنے تک انتظار سے کام لینا پڑا۔ تیسری گاڑی کے گزرنے پر جھاڑیوں میں ایک عجیب سراسیمگی کی حالت پیدا ہو گئی اور جھاڑیوں سے گزرنے کے بعد بھاگتے ہوئے ... کیوں شاہراہ کے جانب ... کی طرف ہو گیا تھا کیونکہ شہری آبادی سے گزر جانے کے بعد اچانک اگلی کار کا تعاقب کرنے والی دوسری کار کی دائیں جانب کی کھڑکی سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور لگاتار دو تین فائر اگلی کار پر ہو گئے۔

باغات میں سے پھڑ پھڑا کر بیٹھے پرندے شور مچا کر اپنی جگہ سے اڑ گئے۔ ممکن ہے کہ فائر کرنے والے کا ارادہ اگلی کار کے پہیوں کو بے کار کرنا رہا ہو لیکن کاروں کی اس برق رفتاری کی وجہ سے فائر کرنے والے کو بڑی مایوسی رہی اور اس کی اس ناکامیابی کا منہ چڑانے کے لئے اگلی کار میں سے جوابی فائر ہونے لگے اور ایک بار تو بڑی حیرت ہوئی کہ ایک گولی دوسری کار کے بائیں طرف کا دروازہ ... کر گزرتی ہوئی کار کے ٹیلے میں جا داخل ہوئی۔

اگر تعاقب کرنے والی کار کے ڈرائیور نے اپنی ... فوراً پیچھے کی طرف نہ جھکائی ہوتی تو گولی سے حصے کو اس کی آنکھوں کو نشانہ بنا لیتی۔

ان لگاتار فائروں کی وجہ سے جنگل کے درندوں اور پرندوں نے اپنے شور سے ماحول کو بڑا خطرناک اور ہیبت ناک بنا دیا اور اس شور و غل میں کاروں کے چلنے کی گڑگڑاہٹ دب کر رہ گئی۔ اب تک کے رویئے سے صاف ظاہر تھا کہ کار والوں کو اپنے پیچھے آنے والی تیسری کار سے کوئی خدشہ نہ تھا۔ جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ان کی اپنی ہی کار رہی ہو گی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان کا بس چلتا تو وہ کاروں کو پہیوں اور تیز چلاتے۔ کاروں کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا کہ اچانک تعاقب کرنے والوں کے منہ سے ایک بھیانک خوفناک چیخ نکل گئی۔

اگلی کار الٹ گئی تھی۔ کار کے انجن کے زیادہ گرم ہو جانے کی وجہ سے کار میں آگ لگ گئی اور ذرا ہی دیر میں شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اگر تعاقب کرنے والی کار نے ذرا بھی کوتاہی سے کام لیا ہوتا تو ان کا بھی یہی حشر ہوتا۔

تیسری کار تو کچھ فاصلے پر تھی۔ فٹ بریک لگانے میں اچانک ... موقع ملا۔ دوسری کار والوں نے تھکے ہوئے کھلاڑیوں کی طرح کار کا گیٹ کھولا اور جلتی ہوئی کار کو عجیب انداز سے دیکھتے ہوئے پاس کے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں تیسری کار میں بیٹھے ہوئے افراد بھی ان میں شامل ہو گئے۔

اس غیر متوقع حادثے نے ان سب کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا۔ ان پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ ان میں سے کچھ بجھے بجھے دل اور نڈھال جسموں سے ٹیلے پر چیل کی طرح اگی ہوئی گھاس پر لیٹ گئے اور کچھ بیٹھ کر شعلہ زار کا تماشا دیکھنے لگے۔ لیکن اداسی سب کے چہروں سے عیاں تھی۔ البتہ ٹیلے پر صرف

ایک صندوق نما کا ایک نوجوان ضرور ایسا کھڑا تھا۔ جس کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

انسپکٹر واجد تبدیل ہو کر جب نگینہ شہر پہنچا تو اجنبی شہر میں سب سے زیادہ پریشانی کا باعث اس کے لئے رہائش کا مسئلہ بن گیا جو کسی طرح دور ہونے میں نہ آتا تھا۔ حالانکہ نگینہ شہر کا شمار کسی پہلو سے بھی ملک کے صف اول کے شہروں میں نہیں کیا جا سکتا نہ صنعتی اعتبار سے اور نہ تجارتی اعتبار سے ہی۔

نگینہ شہر کی آبادی صرف پچاس ہزار نفوس ہونے پر بھی یہاں مکانوں کی انتہائی قلت تھی جس کی سب سے اہم وجہ وہ مہاجرین تھے جنہوں نے سرکار ہند سے اپنے معاوضہ کا تقدرہ پیش کرنے کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کسٹوڈین Custodiam کے تحت آئے ہوئے مکانات کو ہی اپنا قیمت سمجھا اور ادھر ادھر ویرانوں میں کچھ خستہ حالت میں مکانات رہ گئے تھے تو ان بیچارے پناہ گزینوں نے جس کے پاس کسی وجہ سے اپنی چھوڑی ہوئی جائیداد کا مکمل ثبوت Complete Proof نہیں تھا۔ خانہ بدوشی کی حالت میں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی کے مصداق اسی کو مال غنیمت جانا۔

واجد سی آئی ڈی انسپکٹر تھا اور ابھی تک کنوارا تھا۔ اس کے صرف ایک ضعیف ماں سیدہ کنیز نقوی زوجہ سید زاہد حسین نقوی تھی اور ایک بوڑھی خادمہ زلیخا گھر میں تھیں۔ بڑی ہمشیرہ سیدہ اقبال فاطمہ قصبہ منڈاور ضلع بجنور یوپی انڈیا کے نئے سوسائٹی کے ممبر وانڈ اور زمیندار سید ناظر علی ترمذی کے صاحبزادے سید قیصر علی ترمذی کے ڈی اے ملازم کے ہمراہ شلف شادہ والدت سے طیر کالونی کراچی جا چکی تھی اور بڑی

ہمشیرہ سے چھوٹے بھائی سید ساجد حسین نقوی آفیسر کراچی اسٹیل مل بھی پاکستان ہجرت کر چکے تھے۔ جہاں ان کی بیگم شہنشاہی عرف ہوا اپنے بچوں شہباز رعنا، شہواز شانی اور سبطین حسنین کے ساتھ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی لمبی چوڑی گرہستی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انسپکٹر واجد بڑا ذہین اور دلیر واقع ہوا تھا۔ خفیہ پولیس کی ملازمت کا اسے بچپن ہی سے بڑا شوق تھا۔ اس شوق میں کافی حد تک دخل ان جاسوسی کتابوں کو رہا ہے۔ جو امتحان کی راتوں میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں لیکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود بھی مقابلے کے امتحان میں کامیابی نظر نہ آئی تو صرف اپنے شوق کی تسکین کے لئے معمولی انگروٹ ہونے پر ہی اکتفا کیا لیکن جذبے کی لگن اور معاملہ فہم ہونے کے باعث چند سالوں ہی میں ترقی کر کے انسپکٹر کے عہدے تک آ پہنچا۔

والدہ سیدہ کنیز نقوی دختر اللہ بچائی کے اصرار پر علی منزل اکیسان غوث پاک روڈ کورنگی نمبر 4 کراچی کی رہائشی ناظمہ بیگم سے شادی کر لی۔

انسپکٹر واجد کی پریشانیوں سے متاثر ہو کر کوتوالی انچارج نے ایک مقامی زمیندار سید قاسم حسین زیدی سے اس کا تعارف کرایا اور زمیندار صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے مکان نئی حویلی کا بالائی حصہ جو ایک عرصے سے مقفل تھا انسپکٹر واجد کو وہاں کی سہولت کو سوچتے ہوئے دے دیں اور زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب بھی جلد ہی تیار ہو گئے اور وہ بھی بغیر کسی کرائے کے اس قدر آسانی سے رہائش کا

بند و بست ہو جانے پر انسپکٹر واجد کو تعجب بھی ہوا اور ایک طرح سے خوشی بھی کہ بغیر کرائے کے آرام دہ Comfortable مکان مل گیا۔

مکان کیا تھا اچھا خاصہ قلعہ Fort تھا جس نے کم از کم کئی فرلانگ کے قریب جگہ گھیر رکھی تھی۔ اس کی فصیلوں پر قدیم شاہی قلعوں کی طرح سنگینوں کے لئے سوراخ اور کہیں کہیں توپوں کے دہانے سے بنے ہوئے تھے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ یہ سوراخ فصیلوں میں اس خوبصورتی سے بنائے گئے تھے کہ عمارت کی بنیاد سے لے کر دور حد نگاہ تک دشمن کی فوجوں Soldiers of enemy کو گولی Bullet کا نشانہ Victom بڑی اچھی طرح بنایا جا سکتا تھا اور لطف یہ کہ دشمن اندرون قلعہ بیٹھے ہوئے انسانوں یا سنگینوں کا بال تک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

عمارت سے تاریخی روایات وابستہ کی گئی ہیں کہ 1857ء کی جنگ آزادی War of freedom سے قبل یہ ایک نواب خان کا فوجی قلعہ تھا لیکن شکست ہونے پر انگریزوں کے ہاتھ لگا اور انگریزوں نے اس کو کوٹھی اور مصرف میں دیکھ کر اس میں سرکاری شفاخانہ کھول دیا۔ جو شہر سے بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے زیادہ کامیابی سے نہ چل سکا اور مجبور ہو کر سرکار نے ایک زمیندار کے ہاتھوں کو فروخت کر دیا لیکن شفاخانہ قائم ہونے کی وجہ سے یہ عمارت پرانا اسپتال کے نام سے مشہور ہوئی پرانا اسپتال کی تاریخی روایت نے اتنی شہرت نہ پائی تھی جتنی کہ ان کے واقعات نے جو اسپتال ختم ہونے پر رونما ہوئے۔

لیکن یہ بات کہ ابتدائی جاگیردار صاحب کے ملازمین اور اس کے بعد میں متفرق حضرات جنہوں نے بھی اس عمارت کے بالائی حصے میں سکونت اختیار کی یا تو صبح کو مردہ حالت میں پائے گئے یا نیم پاگل ہو کر عمارت میں رہائش ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان حالات نے عمارت کو آسیب زدہ قرار دے دیا اور آنے جانے والے راہگیر رات تو رات دن کو بھی پاس سے گزرتے ہوئے جھجکنے لگے تھے۔

پرانا اسپتال کی عمارت کی طرح اس کے عقب میں بنا ہوا مقبرہ بھی نمایاں خصوصیات کا حامل تھا۔ جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس عمارت کے تعمیر ہونے سے پہلے یہاں کسی جلالی پیر کا مزار تھا لوگوں میں اس کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات تھے۔

پرانے اسپتال کی بالائی منزل میں ہونے والے واقعات کے متعلق روایتیں تھیں۔ کچھ آدمیوں کا خیال تھا کہ ان حادثات کی وجہ جلالی پیر جی کی بے ادبی واقع ہوتی ہے اور دوسرے خیالات اس سے متفق تھے ان کا کہنا تھا کہ پیر جی کا اس میں کوئی قصور نہیں وہ تو نیک بندے تھے بھلا کیوں کسی کو ستانے لگے۔ یہ تو مرنے والے ان غلیظ روحوں کی شرارت ہے جنہوں نے اسپتال میں زیر علاج انسانوں کی موت واقع ہو جانے کی وجہ سے اسپتال کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ کیونکہ ایک عرصے تک بالائی منزل میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے یہ غلیظ روحیں مستقل طور پر اس مقام پر رہنے لگیں۔

پرانا اسپتال کے قریب و جوار میں جو دہقانوں کے کھیت تھے وہ پیر جی کو خوش کرنے اور اپنے بیوی بچوں کو جو کہ تنگی سے منع کرنے کے باوجود کسی وقت بے وقت وہاں آ نکلتے۔ پیر جی کے عتاب

سے بچانے کے لئے ہر جمعرات کو چراغ جلاتا اور سال کے سال مزار پر چونا سفیدی کرنا نہیں بھولتے تھے۔

ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی کبھی کبھی پیر جی کا عتاب نازل ہوتا ہی رہتا تھا۔ جو اس صورت میں ہوتا کہ ہل چلاتے چلاتے اکا دکا کوئی کسان اچانک پر اسرار طور پر بے ہوش ہو جاتا اور ہوش میں آ جانے پر بہکی بہکی باتیں کرتا اور ایسا واقع ہو جانے پر پیر جی کی نیاز کرانی پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر پیر جی کا جلال حادثہ زدہ کسان پر سے کم ہوتا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو بھی پرانا اسپتال میں منتقل ہوتے وقت مختلف کہانیاں مختلف حضرات کی زبانی سننا پڑی تھیں۔

اور دبے دبے لفظوں میں اس عمارت میں رہائش نہ کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا لیکن سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کے خیال میں یہ تمام کہانیاں بے بنیاد اور من گھڑت ہونے کے علاوہ توہمات پر مبنی تھیں۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو پہلی ہی ملاقات میں اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب شخصیت اور مزاج کے لحاظ سے بے حد واقع ہوئے تھے۔ شاید ان کے اس مزاج سے پیچھے میں زمینداری کے خاتمے Abolation of Land کا دخل رہا ہو لیکن دل کے بہت صاف گو واقع ہوئے تھے اور خاص طور پر یہ کہ زمیندار سید قاسم حسین زیدی صاحب کا ان کی لوگوں کے ساتھ تعلق زمین کی تقسیم سے قبل ان کی رعیت خیال کیے جاتے تھے لیکن اب آئے دن ان کی زمینوں اور ان کے مفادات کو ٹھیس لگتے رہتے تھے۔

نواب صاحب کی عمر اگرچہ پچاس پچپن سال کے لگ بھگ تھی لیکن ان کا سب سے بڑا لڑکا اسعد ابھی صرف دس سال کا تھا اور اس سے تین اور چھوٹے قیصر، انور اور جلو تھے۔ شروع میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کا خیال تھا کہ شاید اس کی وجہ پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونے پر دوسری یا تیسری شادی رہی ہو لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب نے شادی تو ایک ہی کی ہے۔ لیکن اولاد جیسی نعمت شادی کے پندرہ سولہ سال گزرنے پر حاصل ہوئی۔

نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کو وہ دن ابھی تک اچھی طرح سے یاد تھا جس دن ان کے یہاں پہلا لڑکا اسعد پیدا ہوا اور شاید اتنی زیادہ خوشی ان کو زندگی بھر میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس دن کی خوشی میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا تھا۔ بالکل پانی کی طرح اور پھر تو قدرت ان پر اس درجہ مہربان ہوئی کہ ایک کی جگہ چار لڑکوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوئیں۔

پرانے اسپتال کا بالائی حصہ دو بڑے کمروں اور تین چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں پر مشتمل تھا جو سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی ضروریات کے لئے کافی تھا۔ ہاں کمرے میں دیواروں پر ہرنوں کے سینگ اور شیر کی تصاویر Hunting Picture آویزاں تھیں جن سے اب بھی نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کے جاگیرداری کے وقت کی شان و شوکت اور رعونت ٹپکتی تھی۔ کمرے میں کچھ پرانی الماریاں اور میزیں بھی موجود تھیں۔ میزوں پر میز پوش کی جگہ شیروں Lions کی کھالوں کو جگہ دی گئی

تھی۔

بڑے کمرے کے ہال کی ان دیواروں پر خستہ حالت میں تمام طغرے وغیرہ گرد آلود رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے فرش پر چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ چاندنی کے نیچے شاید قالین Carpet نے چھپا رکھا تھا۔ پہلی ہی نظر میں کمرے کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ کہ یہ کمرہ ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا اور کیا جاتا رہا ہوگا اور ساز و سوز کی محفلیں یہیں گرم ہوتی ہوں گی۔ اس ہال کمرے میں سب سے خاص بات یہ تھی کہ اس کے وسط میں تین کھڑکیاں تھیں جو صدر دروازے Main gate کے اوپر کھلتی تھیں اور دنوں کے وقت ہوا اور روشنی کا واحد ذریعہ تھیں۔

یوں تو ہال کمرے میں تین دروازے بھی موجود تھے لیکن سامنے کی چھت پر پتنگ Kite اڑانے یا دوسری شرارتیں کرنے کے خوف سے ان دروازوں کو دن میں بند رکھا جاتا تھا۔

سب سے انوکھی بات یہ تھی کہ کمرے میں بیٹھا ہوا شخص دور تک کی چیزوں کو صاف طور پر دیکھ سکتا تھا جبکہ اسے خود کو دور تو دور پاس سے بھی بخوبی نہیں دیکھا جا سکتا تھا اور کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے کھلی ہوئی کھڑکیاں تو معلوم ہوتی تھیں لیکن اندرونی حصوں میں تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ پڑتا تھا ہال کمرے کے دائیں بائیں دو چھوٹی کوٹھریاں تھیں اور بائیں کوٹھری کی راہداری سے گزرنے پر دوسرا بڑا کمرہ آتا تھا۔ جس میں کھڑکیاں تو تھیں۔

البتہ روشندان اور چار دروازے تھے اور یہ دروازے عمارت کے صحن Lawn کے اوپر کھلتی بالکونی پر کھلتے تھے۔

بالکونی کے آگے جھکے ہوئے کناروں پر بہت خوبصورتی کے ساتھ بانسوں کی ایک باڑ جالی نما بنائی گئی تھی۔ جس سے بالکونی سے گزرنے یا پھسلنے کا کوئی خدشہ نہیں رہتا تھا۔ ہو سکتا ہے نواب سید قاسم حسین صاحب نے اپنے شریر بچوں کے خوف سے یہ احتیاطی تدابیر اختیار کی ہوں۔ اس کمرے کے چاروں دروازے عمارت کے بڑے دالان کے ٹھیک سامنے کھلتے تھے اگر کوئی دروازوں کے پاس کھڑا ہو جائے تو صحن بالکل صاف نظر آتا تھا۔

دوسرے بڑے کمرے سے ملحقہ تیسری چھوٹی کوٹھری تھی۔ اس کے دروازے میں ایک بڑا قفل نصب تھا جو کافی زنگ آلود تھا۔ شاید کہ موجودہ نواب سید قاسم حسین صاحب کے زمانے سے پہلے یہ قفل لگایا گیا تھا اور کوئی خاص ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے اس کے کھولنے کی نوبت پیش نہ آئی تھی۔ البتہ نواب صاحب کا خیال تھا کہ اس کوٹھری میں کچھ ماڑے خان کا اور کچھ ان کے بزرگوں کا جنگی اسلحہ ضرور ہوگا۔ اس کوٹھری میں سوائے اس قفل شدہ دروازے کے اور کوئی کھڑکی یا روشندان نہیں تھا۔ دروازے پر دھول کی ایک موٹی تہہ جم گئی تھی۔ جس میں مکڑیوں Spiders کے جالوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

• سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے اپنے بنگلے کے اردلی کی مدد سے اپنا ہلکا پھلکا سامان اور بچھونا باقی ضروری اشیاء ہال کمرے میں قرینے سے سجائیں اور اسی کو اپنی خواب گاہ بنایا دوسرا متفرق سامان دوسرے بڑے کمرے میں لگوایا۔ غرض یہ کہ وہ بڑے کمرے

اور راستے درمیان کی ایک چھوٹی کوٹھری میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کا کل سامان آ گیا۔ بڑے ہال کے دائیں طرف والی چھوٹی کوٹھری میں نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کی بکھری ہوئی چیزیں یکجا کر دی گئیں اور کوٹھری کی کنڈی لگا دی گئی۔

آج اس نئی حویلی میں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی پہلی شب تھی۔ نیند کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ تھکن کا غلبہ بھی طاری تھا۔ اپنی پرانی عادت کے مطابق سی آئی ڈی انسپکٹر واجد نے جاسوسی ناول Detective Novel اٹھایا اور پڑھتے پڑھتے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اچانک Suddenly کسی کھٹکے کی آواز سے اس کی نیند میں خلل Distubence واقع ہوا۔ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی اپنے پیشے کی مناسبت سے کافی چوکنا ہو کر سوتا تھا اور کسی ہلکے سے بھی شور یا غیر متوقع بات ہونے پر آنکھ کھل جانے میں اسے مہارت حاصل تھی۔ دوسری بات سب سے اہم یہ تھی کہ اسے اپنے اوپر پورا پورا قابو Control تھا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے بغیر کسی کروٹ کے اپنی ادھ کھلی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ چاندنی چاند Moon کی چٹکی ہوئی تھی۔ اور چاندنی کی مدھم مدھم روشنی Dim Light تیزی کھڑکیوں Windows سے ہو کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔

سب سے پہلے سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کی نگاہ اپنی سیدھی طرف پہنچی اور وہاں سے خاموش نگاہ ہوئی ہوئی جو کہ بڑے گہرے گہرے خراٹے لے

رہی تھی۔ دائیں کوٹھری تک جا پہنچی۔ سید واجد حسین نقوی سی آئی ڈی انسپکٹر کے تعجب کی انتہا نہ رہی جبکہ انسپکٹر واجد نے دیکھا کہ برابر کی دائیں کوٹھری کی کنڈی گری ہوئی تھی۔ اور اس میں لرزش بھی تھی۔ انسپکٹر واجد کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے دن میں کنڈی لگا دی تھی۔

ابھی سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ہلکے ہلکے قدموں کی چاپ Slowly Steping offeet سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بہت محتاط ہو کر CareFull چل رہا ہو۔ اس کے دل میں ایک وہم و شک نے سر ابھارا اور جب واجد کی نظر بے خیالی میں سامنے کے مین دروازوں Main doors پر پڑی جو کہ کھلا ہوا تھا۔ تو واجد کے اس وہم و شک میں پختگی پیدا ہوئی۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد سنائی دینے والی مدھم آواز میں تیز تیز قدموں کا اور اضافہ ہو گیا۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے ہاتھ بڑھا کر پاس کی چھوٹی میز کے اوپر سے رسٹ واچ Wrist watch اٹھائی۔ تقریباً دو بجے کا عمل ہو گا۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو چکی تھی اس تیز کی خاموشی اور چاندنی نے فضا میں ایک حسین امتزاج پیدا کر دیا تھا اگرچہ ماحول میں ایک بھیانک پن اور ہیبت ناکی چھائی ہوئی تھی لیکن نہ جانے کیوں سی آئی ڈی انسپکٹر واجد پر تھکن اور سستی سی سوار تھی۔

اچانک کچھ سوچ کر سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے اپنی ٹارچ اٹھائی اور تیزی سے ایک سمت میں کوٹھری کے سامنے جا پہنچا۔ اس خوف

سے کہ ماں سید و کنیز فاطمہ یا ملازمہ زلیخاں کی نیند میں خلل واقع نہ ہو۔ کوٹھڑی کے کواڑوں کو ہلکے سے دھکا دے کر کھول دیا اور ٹارچ کی روشنی میں کوٹھڑی میں پڑی ہوئی بے ترتیب اشیاء کا جائزہ لینا شروع کر دیا Searching the spreading articles ہاں اس قسم کی کوئی بھی علامت نمایاں نہیں تھی جس سے کسی کی موجودگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی تھی۔

اچانک بجلی کی تیزی سے سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی چیتے کی طرح اچھل کر کوٹھڑی کے زنجیر کھلے ہوئے دروازے سے تیزی سے باہر نکل گیا اب واجد کے اندر سویا ہوا جاسوس بیدار ہو چکا تھا انسپکٹر واجد نے بڑی پھرتی کے ساتھ چھت کا کونا کونا چھان مارا اور سیڑھی لگا کر بالائی منزل کی چھت تک کو کھنگال ڈالا لیکن کہیں کسی قسم کے نشانات یا کسی اور علامت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس بھاگ دوڑ میں نیند کا خمار تو کوسوں دور بھاگ چکا تھا۔ لیکن کچھ تجسس اور الجھن کے آثار اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے خود کو اپنے ملحقہ [illegible] واجد نے [illegible] زلیخاں [illegible] اور پھر [illegible] قدموں کی آوازیں [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] اس کے دماغ کا فتور ہو [illegible]

لیکن پھر بھی وہ اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ اس کے دماغ Mind پر اس حویلی کے بارے سنی سنائی باتوں کا غلبہ ہو گیا ہو اور کسی بلی یا چوہے کے آوارہ گردی کرنے کی وجہ سے اس کی نیند میں خلل واقع ہو گیا ہو اور یہ کرشمہ صرف بلی اور چوہے کا ہی مرہون منت ہو جس کو لاشعوری طور پر اس کے دماغ نے قدموں کی چاپ اور نقرئی قہقہوں کی آواز میں تبدیل کر دیا ہو اور ...... اور ......

اور نہ جانے کب اس کی آنکھیں پھر لگ گئی۔

''آپ سے کوئی صاحب ملنا چاہتے ہیں'' نواب سید قاسم حسین زیدی صاحب کے ملازم عزیز نے سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو اطلاع دی۔

سی آئی ڈی انسپکٹر واجد ابھی ناشتے Break fast کے لئے تیار ہی ہوا تھا۔ واجد نے کھڑکی کے باہر جھانک کر سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو آتے دیکھا۔

''اوہ بھیج دو'' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے پلٹ کر ملازم عزیز کو جواب دیا اور چند منٹوں میں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی کے سامنے موجود تھا۔

''ہیلو مسٹر ساجد نقوی'' سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے گرم جوشی سے سارجنٹ ساجد کا استقبال کیا۔

اور پہلی ہی ملاقات میں سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو اپنے سی آئی ڈی انسپکٹر صاحب کی اس بے تکلفی کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا۔

کہ سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی سوائے ذیلی نام کے تمام اوقات

Personal affairs میں اپنے کسی بھی ماتحت سے افسرانہ برتاؤ کرنے کا قائل نہیں اور تھوڑی سی میل ملاپ اور تکلف کے بعد سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو بھی ناشتے میں شامل ہونا پڑا۔ اگرچہ وہ سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو لاکھ یقین دلاتا رہا کہ وہ ناشتہ Break fast کر کے چلا ہے۔

"بھئی! ہم لوگوں کی بھی بڑی عجیب زندگی ہے ہر وقت سراغرسانی کا بھوت سر پر سوار رہتا ہے۔ سوتے میں جاگتے میں' غرضیکہ ہر حالت میں ہمارا دماغ جاسوسی کے تانے بانے بنتا رہتا ہے"۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے رات کے واقعہ کو یاد کرتے ہوئے کہا اور پھر قہقہوں کے درمیان انسپکٹر واجد نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کو گزشتہ شب میں کی گئی اپنی اچھل کود دہرایا۔

"جی ہاں! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن میں ہونے والے یا ہوتے ہوئے واقعہ کو ہمارا ذہن لاشعوری طور پر محفوظ کر لیتا ہے اور خوابی حالت میں دہرا دیتا ہے"۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنے ماہر نفسیات ہونے کا مظاہرہ کیا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی بات چیت کے بعد سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر واجد صاحب! کچھ عرصے سے لکھنؤ شہر میں چوری کی وارداتوں کا ایک عجیب سلسلہ شروع ہو گیا ہے"۔

"سارجنٹ ساجد! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بھلا چوری کے واقعے میں عجیب کیا ہے' دنیا کا کون سا شہر ایسا ہے جہاں چوریاں نہیں ہوتیں اور میرے خیال میں تو ان مسئلوں کے لئے پولیس ہی کافی ہے"۔

سی آئی ڈی انسپکٹر سید واجد حسین نقوی نے سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی کی بات کا مذاق اڑانا چاہا۔

"سی آئی ڈی انسپکٹر نواب واجد جی شروع شروع میں تو ہم لوگوں نے بھی اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور سارا معاملہ ہی پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چوریاں اکا دکا اتفاقیہ طور پر ہونے والی نہیں ہیں بلکہ کسی منظم طریقے پر کی جا رہی ہیں"۔ سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے اپنی بات کو مستحکم کرتے ہوئے کہا اور آخر سی آئی ڈی انسپکٹر واجد کو بھی دلچسپی لینی ہی پڑی۔ "آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ میرا مطلب ہے کوئی سراغ یا اور کوئی ایسی چیز دستیاب ہوئی ہے جس سے کچھ اور بڑھنے میں آگے مدد مل سکے"۔

"ابھی تک تو کوئی ایسی" سارجنٹ سید ساجد حسین نقوی نے رکتے رکتے پھر کہا "اصل حقیقت میں بات یہ ہے کہ پچھلے انسپکٹر سید محمد زین عباس نقوی صاحب کی موجودگی تک ہم نے اس معاملہ کی تفتیش کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا اور اب آپ آ گئے۔

(جاری ہے)

وہ ایک جن زادی کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا مگر

جن کا عشق

تحریر: محمد یعقوب

کیا آپ نے کبھی کسی سے عشق کیا ہے؟

نہیں... کیا آپ نے کبھی کالی گھٹاؤں سے چاند کو نکلتے دیکھا ہے؟ نہیں... کیا آپ نے کبھی کسی سے پیار کیا ہے؟ نہیں... یہ آپ نے نہیں نہیں کی کیا رٹ لگا رکھی ہے اگر زندگی میں آپ نے کوئی کام کیا ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ محبوب کس بلا کا نام ہے۔ وہ تو میری زندگی ہے زندگی۔ میں اسے ہمیشہ ڈارلنگ کہہ کر پکارتا ہوں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ سائیں نے اسے فرصت میں بنایا ہوگا اور پھر میں خوش قسمت ہوں کہ وہ پری چہرہ میرا محبوب ہے۔

بس کرو اتنی تعریف آخر وہ بھی تو کسی کا بچہ ہے اور پھر اس میں کون سی خاص بات ہے جو آپ اس کی شان میں زمین و آسمان کو ایک کیے جا رہے کیا۔

میں اس کے خیالوں میں پاگل ہو گیا ہوں اور کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گا۔ آپ بھی ایک نظر میرے یار کو دیکھ لیں ناں تو بس دل تھام کے رہ جائیں گے اور پھر آپ کو کالی گھٹاؤں سے چاند نکلنے کا منظر دکھائی نہ دے ناں تو مجھے کہنا۔

اچھا اگر یہ بات ہے تو کسی دن تیرے یار کا دیدار کرنا ہی پڑے گا مگر وہ ملے گی کہاں؟ ہم تو تو ناٹ ٹیں اوٹ ہیں کبھی کبھار گھر سے نکلتے ہیں۔

آپ فکر نہ کریں میں خود ہی اسے کبھی لے آؤں گا۔ وہ مجھ پر جان دیتی ہے جان۔ ہم نے تو ایک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھا رکھی ہیں۔



اچھا یار بس زیادہ باتیں مت کرو دیکھیں گے کالی گھٹاؤں سے بھلا چاند کیسے نکلتا ہے۔

یار مجھے طعنے تو نہ دو آخر میں آپ کا جگری یار ہوں اور پھر دو بھی ایسا کہ جان جائے مگر یار کی یاری پہ حرف نہ آئے۔

یار تو تو برا مان گیا۔

معاف کر دینا۔ میں تو ویسے ہی اتنی ساری بے سود باتیں کہہ گیا۔

اگلے روز مجھے کسی کام کی غرض سے شہر جانے کا اتفاق ہوا تو وہ ایک خوبرو دوشیزہ کے ساتھ بس اسٹاپ پر کھڑا تھا۔ مگر مجھے دیکھ کر قریب چلا آیا اور کہنے لگا۔

یار میں جس دلدار لڑکی کی بات کرتا ہوں وہ یہی ہے۔ اس کا نام نازلی ہے۔

اور ابھی وہ اس کے بارے میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا مگر وہ خود ہی قریب چلی آئی۔ سلام کیا اور کہنے لگی۔

میں نازلی ہوں مجھ پر زمانے والے ناز کرتے ہیں میرے والدین جنگ میں مارے گئے اور ایک میں بدقسمت تھی جو جان کی بازی نہ ہار پائی اور گردش زمانہ نے آپ کے قدموں میں لا پھینکا۔ ہم لوگ آپ سے کہاں تک کہتیں کہنے میں کامیاب ہوں گے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

میں نے جب اس کی طرف غور سے دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ کوئی عورت ذات نہیں بلکہ کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اس کی آنکھوں میں اس قدر چمک تھی کہ میں تاب نہ لا سکا۔ میں نے اپنے یار سے کہا۔

میں جلدی میں ہوں کبھی فرصت پر تفصیلی بات ہوگی اجازت ہے؟

اور پھر میں اپنی منزل کی جانب بڑھ گیا۔

نازلی سے ملاقات ہوئے ابھی دو روز ہی گزرے تھے جب میرے پیر سائیں چلے آئے۔ میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے۔

بیٹا نازلی عورت کے روپ میں بھیس بدلے ہوئے ہے۔ دراصل وہ ایک آدم خور چڑیل ہے اور وہ ہمیشہ اس فکر میں ہوتی ہے کہ کس طرح کسی نوجوان آدم زادے کو اپنی زلفوں کا اسیر بناؤں اور پھر اسے اپنے لیے استعمال کروں اور پھر اس کی زندگی کا چراغ گل کر دوں۔ مگر وہ تمہارے جگری یار کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں کر پائے گی کیونکہ اس نے تمہارے یار سے عشق کیا ہے اب وہ زندگی میں اس کے بغیر زندہ نہ رہ پائے گی اس کا عشق اب شدت اختیار کر گیا ہے۔

پیر سائیں جا چکے تھے۔ جب میری ملاقات اپنے جگری یار عادل سے ہوئی تو میں نے اس کو بتایا کہ عادل بابا جی پیر سائیں آئے تھے اور انھوں نے بتایا ہے کہ نازلی چڑیل ہے اس کا انسانوں سے کوئی تعلق نہیں مگر وہ تم سے عشق کرتی ہے اور پھر ایک تم ہو جو اس کے جال میں پھنس گئے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ اس سے ملنا چھوڑ دیں کہیں وہ آپ کو قتل ہی

نہ کر ڈالے اور آپ بے موت مارے جائیں۔

عادل کہنے لگا۔ میں جانتا ہوں مگر وہ میری زندگی کا حصہ بن چکی ہے کیوں کہ ہم پیار کی وادیوں میں اتنا آگے جا چکے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں اور پھر اگر میں نے اس کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ مر جائے گی اور میں اس کی موت نہیں دیکھ سکتا اور رہی بات اس کے چڑیل ہونے کی تو میں کل اس سے دریافت کر لوں گا اس سے کہ وہ اصل میں کیا ہے۔

ابھی کل آنے میں باقی تھی کہ عادل اپنے کمرے میں تنہا سو رہا تھا جب وہ کمرے میں چلی آئی اور کہنے لگی۔

دیکھو میرا ماں نے جو بتایا ہے وہ بالکل سچ ہے مگر میں نے تم سے عشق کیا ہے اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گی۔ یہ میرا جرم ہے کہ میں ایک آدم زادے سے عشق کرنے لگی ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں آپ کے خاندان کا کبھی نقصان نہیں کروں گی اور آپ کی پیار بن کر رہوں گی لیکن آپ کو یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے کہ میں چڑیل ہوں کیونکہ زمانے والے تو محبت کرنے والوں کو ملنے نہیں دیتے اور پھر میں تو..... بس آپ مجھ سے ملتے رہنا۔ اور پھر وہ اچانک غائب ہو گئی اور میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

عادل جو نازلی کے طلسم میں گرفتار ہو چکا تھا اس سے جان چھڑانے کی سوچنے لگا اور پھر اس نے دل سے وعدہ کر لیا کہ وہ یہ شہر چھوڑ جائے گا اور کسی کو کچھ نہیں بتائے گا اور پھر ایک روز وہ آرمی میں بھرتی ہو گیا۔ مگر نازلی تو اس کی ہو کے رہ گئی تھی۔ وہ اس سے کسی بھی صورت میں الگ ہونا نہیں چاہتی تھی۔

آرمی میں بھرتی ہونے کے بعد عادل اپنا شہر چھوڑ گیا اور ملازمت کرنے لگا۔ بھرتی ہونے کے بعد اس کی سوچ بدل گئی اور وہ یہ بھول ہی گیا کہ وہ نازلی سے پیار کرتا تھا۔ مگر ایک نازلی تھی کہ جو ہر وقت اس کے انتظار میں بیٹھی رہتی کہ کہیں سے اس کی خبر آ جائے اور پھر ایک روز عادل کا ایک خط اس کے ہاتھ لگ گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کس شہر میں ہے۔

وہ ایک تاریک رات تھی جب نازلی وہاں پہنچ گئی۔ عادل خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا جب اس نے اسے جان جگر کہہ کر بلایا تو پورے کمرے میں موجود فوجیوں کی آنکھ کھل گئی مگر انہیں کوئی عورت ذات دکھائی نہ دی مگر عادل کو وہ دکھائی دے رہی تھی تو اس سے کہہ رہی تھی آپ نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے اور خود یہاں چلے آئے۔ آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا میں تو آج تک تیرے خیالوں میں گم ہوں اور پھر آج مجھے سب یہ کہتے ہیں جاؤ آدم زادے سے عشق کرو اس سے شادی کرو اور اس کے ساتھ زندگی گزارو۔ اگر آپ نے میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو پہلے ان تمام سے جبکہ میں نے تو آپ کو بتا دیا



تھا کہ میں چڑیلوں میں سے ہوں مگر آپ تو بے وفا نکلے۔ میں آج آپ کو چھوڑ نہیں رہی لیکن یاد رکھنا اگر آپ نے زندگی میں کبھی شادی کرنے کی ٹھان لی تو میں آپ کا خون کر دوں گی کیونکہ یہ میری مجبوری ہے اور پھر بھلا عورت دوسری عورت کو کب برداشت کرتی ہے۔

نازی جا چکی تھی۔ چونکہ میں ساتھیوں کا ایک تھم تھا عادل سے پوچھا جاتا کہ آپ سے باتیں کرنے والی عورت کون تھی۔ ایک وہ تھا کہ اس زبان پر تالے لگے ہوتے تھے اور پھر اس نے اس مسئلے کا حل تلاش کیا کہ گھر جایا جائے اور وہاں نازی سے بات کی جائے اور پھر اگلے روز وہ رخصت لے کر گھر چلا گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو دروازے پر نازی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عادل نازی کو دروازے پر پا کر غصے میں آگیا اور کہنے لگا۔

آپ یہاں کیسے پہنچ گئیں، یہاں کیوں آئی ہیں؟

یہ میری مجبوری تھی کیونکہ میں نے آپ سے عشق کیا تھا اور میں آپ کی ڈارلنگ تھی مگر جب آپ کو دیکھے اتنا عرصہ گزر گیا تو آپ کا دیدار کرنے چلی آئی لیکن اس کے بعد میں آپ کے پاس نہیں آؤں گی مگر آپ جہاں بھی جائیں گے مجھے بتا کے جایا کریں گے تاکہ میں آپ کا دیدار کرتی رہا کروں۔ عادل نے وعدہ کر لیا اور چلا گیا تھا۔

گھر والوں نے اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا مگر وہ شادی سے انکاری تھا کیونکہ اس کی ڈارلنگ کوئی عورت ذات تھی لیکن وہ ایک چڑیل سے عشق میں گرفتار ہو چکا تھا سے لڑکی چھوڑ نہیں رہی تھی اس نے وہ دن بھی سمجھنے کی کوشش کی خود اس کی دل کی باتیں ہوتی تھیں۔

پھر اس کی شادی کے دن مقرر کر دیے گئے۔

جوں جوں اس کی شادی کے دن قریب آ رہے تھے اس کی جان نکلی جا رہی تھی کیونکہ اس نے نازی سے وعدہ کیا تھا کہ وہ زندگی میں اس کے سوا کسی سے شادی نہیں کرے گا۔

ابھی اس کی بارات جانے کو ایک رات باقی تھی جب نازی بھی آن وارد ہوئی اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں گے۔ انہوں نے ایک ویران کنویں میں کود کر خودکشی کر لی اور اس طرح ایک چڑیل نے ایک دیوانے کو اپنا بنا لیا۔ نازی اور عادل کی خودکشی کر لینا ان کی مجبوری تھی کیونکہ دونوں لوگوں کی نظروں سے دور ہی محبت کرتے تھے۔

ایک ایسی کتاب جو لائبریری میں موجود تھی
جس میں اس کی زندگی کا ایک اہم راز پوشیدہ تھا

پرانی کتاب

تحریر...... رانا بجی

موسم خزاں کی ایک شام تھی۔ دن ڈھلنے ہی والا تھا کہ کشتی سے چھریرے اور سفید گل مچھوں والا ایک عمر رسیدہ شخص شہر کی مشہور لائبریری کا جھولنے والا دروازہ دھکیل کر ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس نے اخود لائبریری کے ملازم کو بتایا کہ جہاں تک اسے یقین ہے وہ وہاں سے کتابیں حاصل کرنے کا مجاز ہے اور دریافت کیا کہ آیا وہ ایک کتاب اپنے نام جاری کروا سکتا ہے۔

بیشک بشرطیکہ وہ ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جنہیں یہ استحقاق دیا گیا۔ اس نے اپنا کارڈ پیش کیا۔ مسز جوئن ایلفریڈ اور متعلقہ رجسٹر سے جانچ پڑتال کرنے کے بعد اسے امید افزا جواب مل گیا۔

"ایک بات اور ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "مجھے یہاں آنے کافی دیر ہوگئی ہے مگر مجھے آپ کی اس عمارت کا راستہ معلوم نہ تھا۔ اس کے علاوہ اب تو وقت بھی ختم ہونے والا ہوگا۔ اور پھر میرے لیے سیڑھیاں چڑھنے اترنے کی ہمت اب ذرا مشکل ہے جو کتاب مجھے درکار ہے اس کا حوالہ نمبر میرے پاس ہے کیا یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں جو ذرا فارغ ہو اور مجھے کتاب تلاش کر کے لا دے۔"

"مسز گیرٹ۔" اس نے کہا۔

"کیا آپ ذرا ان صاحب کی مدد کر دیں گی؟"

"بڑی خوشی سے۔" مسز گیرٹ نے جواب دیا۔ کتاب کے نام والی سلپ انہیں دے دی گئی۔



"میرا خیال ہے کہ میں اس کتاب کو بآسانی تلاش کر سکتا ہوں یہ غالباً اس شعبے میں سے ہے جہاں میں نے پچھلے ہی مہینے جانچ پڑتال کی تھی۔ لیکن میں اسے ذرا فہرست میں تو دیکھ لوں تاکہ حوالہ نمبر کی تصدیق ہو جائے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس کتاب کا بھی خاص ایڈیشن چاہتے ہیں جناب؟"

"جی ہاں اگر آپ مہربانی کریں تو مجھے یہی ایڈیشن چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔" مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

"میں اس زحمت کے لیے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں جناب یہ تو میرا فرض ہے۔" مسٹر گیرٹ نے کہا اور جلدی سے کتاب کا نمبر تلاش کرنا شروع کر دیا۔

"غالباً یہی کتاب ہے۔" اس نے فہرست کے صفحوں پر اوپر سے نیچے کی طرف انگلی پھرانے کے بعد ایک جگہ رکھتے ہوئے کہا۔

"المور الدجوی کا جناتی تمائیدیس کی شرح کے ساتھ۔ ایڈیشن م ۱۶۷۷ء۔ ۳۳، ۳، ۱۱۔ شعبہ عبرانی ہی میں ہے۔ کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔"

مسٹر ایلڈرڈ وہیں ڈیوڑھی میں ایک کرسی پر بیٹھے کتاب کے آنے کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ لیکن جب مسٹر گیرٹ کو خالی ہاتھ سیڑھیاں اترتے دیکھا تو انھیں بڑی مایوسی ہوئی۔

"مجھے بے حد افسوس ہے جناب۔" نوجوان شخص نے کہا۔

"وہ کتاب اس وقت باہر ہے۔"

"اوہو۔" مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

"یہ تو برا ہوا آپ کو اچھی طرح یقین ہے کہ کتاب کی تلاش میں کوئی غلطی نہیں ہوئی؟"

"ایسا کوئی امکان تو نہیں جناب لیکن اگر آپ کچھ توقف کریں تو ممکن ہے کہ آپ انہی صاحب سے مل لیں۔ جنھوں نے کتاب لی ہے۔ وہ ضرور تھوڑی دیر میں رخصت ہو جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ میں نے انھیں وہی کتاب الماری میں سے لیتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"واقعی آپ انھیں غالباً پہچانتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ وضع قطع سے کوئی پروفیسر نظر آتے ہیں یا کوئی طالب علم؟"

"پروفیسر تو وہ غالباً نہیں ہیں دراصل میں ان کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکا کیونکہ اس وقت لائبریری کے اس شعبے میں روشنی کچھ زیادہ نہیں ہوتی اور پھر میں نے ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ قدرے پستہ قد معمر آدمی ہیں۔ انھوں نے لمبا سا چغہ بھی پہن رکھا ہے۔ شاید کوئی پادری ہیں۔ تھوڑی دیر انتظار کر سکیں تو میں یہ معلوم کر آؤں کہ انھیں واقعی اسی کتاب کی ضرورت ہے؟"

"نہیں اب رہنے دیں۔" مسٹر ایلڈرڈ نے کہا۔

"میں اس وقت مزید انتظار نہیں کر سکتا بس شکریہ۔ مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔ البتہ اگر ہو سکا تو میں کل پھر آ جاؤں گا۔ اتنے میں آپ پتہ چلا سکیں

گے کہ وہ کتاب کس شخص نے لی تھی۔"

"ضرور جناب اور میں وہ کتاب آپ کے لیے الگ ہی رکھ لوں گا بشرطیکہ۔" لیکن مسٹر ایلڈرڈ پوری بات سننے سے پہلے ہی جلدی سے روانہ ہوگئے تھے۔

گیرٹ کے پاس چند لمحے فارغ تھے۔ اس نے سوچا۔

"میں اس شعبے میں واپس جاتا ہوں شاید وہ معمر شخص وہیں مل جائے۔ ہوسکتا ہے کہ چند دنوں لیے وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے۔ میں ہمت کر کے کہہ دوں گا کہ ایک اور صاحب اس کتاب کو کچھ دیر کے لیے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" لہٰذا وہ لائبریری کے شعبہ عبرانی کی طرف چل پڑا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو معمر آدمی وہاں نہ تھا اور ۲۳،۳۳،۱۱ کے نشان والی کتاب الماری میں اپنی جگہ پر پڑی تھی۔

یہ سوچ کر گیرٹ کو قدرے رنج ہوا کہ اس نے اتنی سی بات کے لیے ایک کتاب کے شائق کو مایوس کیا۔ اگر لائبریری کے اصول اس بات کی اجازت دیتے تو وہ اس کتاب کو اسی وقت نیچے ڈیوڑھی میں لے جا کر اپنے پاس رکھ لیتا تاکہ اگلے دن مسٹر ایلڈرڈ کو باسانی مل سکتی۔ تاہم اگلے دن صبح ہی سے وہ منتظر تھا بلکہ اس نے دربان سے بھی کہہ رکھا تھا کہ مسٹر ایلڈرڈ آئیں تو اسے فوراً بتایا جائے۔ لائبریری کھلنے سے کچھ ہی دیر بعد جبکہ عملے کے علاوہ شاید ہی اور کوئی آدمی عمارت میں موجود تھا، مسٹر ایلڈرڈ آئے تو اتفاق سے وہ اس وقت ڈیوڑھی ہی میں تھا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے۔" اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"گو مجھ سے ایسی فاش غلطی نہیں ہوئی لیکن مجھے اس وقت واقعی یہ احساس ہوا تھا کہ اس معمر شخص نے وہی کتاب الماری سے نکالی تھی اور کچھ دیر اسے بغیر کھولے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا جیسا کہ کئی آدمی کسی کتاب کو حوالہ نمبر دے کر منگوانے کی بجائے خود پسند کرکے اپنے نام جاری کروانے کے لیے نکال لیتے ہیں۔ خیر اب میں بھاگ کر اوپر جاتا ہوں اور جلدی سے آپ کے لیے وہ کتاب لے کر آتا ہوں۔"

اس موقع پر کچھ وقفہ حائل ہوگیا۔ مسٹر ایلڈرڈ نے اتنے میں ڈیوڑھی میں چہل قدمی کی تمام نوٹس پڑھ لیے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی پھر کرسی پر بیٹھ کر سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور وہ سب کچھ جو ایک بے حد مضطرب آدمی کرسکتا تھا حتیٰ کہ کوئی بیس منٹ اسی طرح گزر گئے۔ آخر اکتا کر انھوں نے آگے بڑھ کر دربان سے دریافت کیا کہ مسٹر گیرٹ لائبریری کے جس شعبے سے کتاب لینے گئے تھے کیا وہ بہت دور ہے۔"

"جی میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہے ویسے وہ بڑے پھرتیلے آدمی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ لائبریرین صاحب نے انھیں کہیں بھیج دیا ہو لیکن اس صورت میں بھی انھیں بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ ایک کتاب کا انتظار کررہے ہیں۔ اچھا میں فون کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اور اس نے فون پر خود بات کی۔ جونہی اسے جواب ملا اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے دو ایک اضافی سوالات اور کیے جن کا مختصر سا جواب فوراً مل گیا۔ پھر وہ اپنے کاؤنٹر پر آیا اور قدرے ہلکی آواز میں بولا۔

"جناب مجھے یہ سن کر افسوس ہوا ہے کہ بظاہر کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر گیرٹ کی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی لہٰذا لائبریرین صاحب نے انھیں پرلے راستے سے ایک ٹیکسی کے ذریعے گھر بھیج دیا ہے۔ سنا ہے کہ انھیں کوئی صدمہ پہنچا ہے۔"

"کیا واقعی؟ کیا وہ کچھ زخمی ہو گئے ہیں؟"

"نہیں جناب اس حادثے میں تشدد وغیرہ نہیں ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھا ہوں انھیں غالباً کوئی دورہ پڑا ہے جسے آپ بیماری سمجھ سکتے ہیں۔ مسٹر گیرٹ زیادہ مضبوط آدمی نہیں ہیں۔ لیکن جہاں تک آپ کی کتاب کا تعلق ہے شاید آپ اسے خود تلاش کر سکیں۔ یہ بڑے رنج کی بات ہے کہ آپ کو دوبارہ اس طرح مایوسی ہوئی۔ اچھا خیر لیکن مجھے افسوس ہے کہ مسٹر گیرٹ جس مکان میں رہتے ہیں وہ سٹیشن سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔"

"اچھا ایک بات اور بتائیں کہ کل میرے چلے جانے کے بعد آپ نے کسی معمر صاحب کو یہاں سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا جو شاید پادری ہیں۔ انھوں نے سیاہ چغہ پہن رکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کچھ دیر یہاں ٹھہرے ہوں گے اور ممکن ہے وہ میرے جاننے والوں میں سے ہوں۔"

"نہیں جناب سیاہ چغے میں ملبوس تو کوئی بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ کے جانے کے بعد دو پروفیسر صاحبان نکلے تھے اور وہ دونوں ہی جوان تھے۔ ایک مسٹر کارٹر تھے جنھوں نے فن موسیقی پر ایک کتاب نکلوائی تھی اور دوسرے پروفیسر نے دو ایک ناول پسند کیے تھے اور پھر وقت ختم ہوتے ہی میں چائے پینے چلا گیا تھا۔ شکریہ جناب۔"

مسٹر ایلڈرڈ نے ایک ٹیکسی لی اور مسٹر گیرٹ کی رہائش گاہ پر پہنچے لیکن پتہ چلا کہ وہ حضرت ابھی کسی ملاقاتی سے ملنے کے قابل نہیں ہوئے۔ اگرچہ پہلے کی نسبت ان کی حالت اب بہتر تھی لیکن گھر کی مالکہ کا خیال تھا کہ انھیں شدید صدمہ پہنچا ہے اور ڈاکٹر نے جو ہدایات دی ہیں ان کے مطابق وہ مسٹر ایلڈرڈ سے اگلے روز ہی مل سکیں گے۔ مسٹر ایلڈرڈ اپنے ہوٹل میں واپس آ گئے لیکن اس شام کو وہ قدرے افسردہ سے رہے۔

اگلے دن گیرٹ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ صحت مند ہونے کی حالت میں گیرٹ بڑا خوش مزاج اور ہشاش بشاش نظر آتا تھا لیکن اب وہ آگ کے قریب ایک آرام کرسی پر گویا مضطرب بیٹھا ہوا زرد رو اور نحیف سا دکھائی دے رہا تھا تاہم مسٹر ایلڈرڈ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جنھیں اس وقت ملنے سے اجتناب کیا جاتا۔

"میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں میری وجہ سے آپ کو جو زحمت ہوئی مجھے اس پر واقعی معذرت کرنی چاہیے تھی لیکن مجھے آپ کا پتہ معلوم نہ تھا۔ اب مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ نے خود

میرے غریب خانے پر آنے کی تکلیف کی ہے۔ میں اس طرح کبھی بھی آپ کو زحمت نہ ہونے دیتا مگر آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے بارے میں قیاس بھی نہ کر سکتا تھا کہ مجھے اس طرح صدمہ پہنچے گا۔"

"واقعی یہ سب کچھ اچانک ہو گیا لیکن چونکہ مجھے ڈاکٹری سے کچھ شغف ہے لہذا میں اس لحاظ سے کچھ پوچھوں تو برا نہ مانیں آپ کو مجھ سے مفید مشورہ ہی ملے گا۔ کیا کسی اونچائی سے گر گئے تھے؟"

"جی نہیں میں فرش پر ہی گرا تھا۔ قطعاً کسی اونچائی سے نہیں لیکن یہ واقعی ایک صدمہ تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے کسی چیز نے آپ کو ڈرا دیا تھا۔ کیا یہ کوئی ایسی چیز تھی جو آپ کے خیال میں آپ کو نظر آئی تھی؟"

"مجھے ڈر ہے کہ اس معاملے میں خیال کا کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے۔ میں نے اسے ضرور دیکھا تھا۔ آپ کو یاد ہے جب آپ پہلی بار لائبریری میں آئے تھے؟"

"ہاں بے شک لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس کی تفصیل میں نہ جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی یاد سے آپ کو ذہنی طور پر دھچکا پہنچے گا۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسے کرم فرما کے سامنے واقعہ بیان کرنے سے مجھے کچھ تسکین ہوگی ہو سکتا ہے آپ اس کی وضاحت کر سکیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں عبرانی کتابوں والے شعبے میں گیا تھا جہاں آپ کی کتاب......"

"بس مسٹر گیرٹ مجھے اب اجازت دیں۔ میری گھڑی یہ بتا رہی ہے کہ میرے پاس بہت کم وقت رہ گیا ہے اور مجھے ابھی اپنا سامان اکٹھا کرنا ہے اور گاڑی پکڑنی ہے اس ذکر کو اب رہنے ہی دیں ورنہ اس سے آپ کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہے جس کا آپ اندازہ بخوبی نہیں کر سکتے۔ ایک بات البتہ میں آپ سے ضرور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ چونکہ میں بالواسطہ آپ کی اس بیماری کا ذمہ دار ہوں لہذا میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے اس ضمن میں جو دوا ادا کیا ہے اس کا بل مجھے ادا کرنا چاہیے۔"

لیکن یہ پیشکش قبول کرنے سے بالکل واضح طور پر انکار کر دیا گیا۔ مسٹر ایلڈرڈ نے زیادہ اصرار نہ کیا بلکہ جلدی سے چلے گئے۔ تاہم گیرٹ نے تاکید کر کے اس کتاب کا حوالہ نمبر لے لیا تھا تاکہ مسٹر ایلڈرڈ بعد میں آ کر اسے حاصل کر سکیں۔ لیکن مسٹر ایلڈرڈ لائبریری میں پھر نہ آئے۔

گیرٹ سے اس دن ایک اور شخص ملنے آیا جس کا نام جارج ارل تھا وہ بھی اس لائبریری میں ملازم تھا۔ ارل ان آدمیوں میں سے ایک تھا جنھوں نے گیرٹ کو اس شعبے میں بے ہوش پڑا پایا تھا۔ جو وسیع گیلری کے مرکزی راستے کھلتا تھا اور جہاں عبرانی زبان کی کتابیں رکھی گئی تھیں۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ارل کو اپنے دوست کو اس حالت میں دیکھ کر بہت تشویش ہوئی تھی لہذا جونہی لائبریری کا وقت ختم ہوا۔ وہ اپنے ساتھی کی عیادت کے لیے پہنچ گیا تھا۔ وہ ایک رسمی باتوں کے

بعد اس نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح سے معلوم نہیں کہ تمہاری حالت کیونکر متغیر ہوگئی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ لائبریری کے اس حصے کی فضا میں ضرور کوئی خرابی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ تمہیں وہاں دیکھنے سے کچھ دیر پہلے میں ڈیوس کے ساتھ گیلری سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس سے کہا۔ کیا تم نے کبھی کہیں ایسی سڑی بو محسوس کی ہے جیسی یہاں پھیلی ہوئی ہے؟ یہ ہرگز صحت بخش نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی اس قسم کی بو میں بہت دیر تک رہے (جس سے زیادہ ناگوار بو میں نے کبھی محسوس نہ کی ہو) تو یہ اس کے نظام پر بری طرح اثر انداز ہوگی اور کسی وقت بھی اس کا نقصان ظاہر ہو سکتا ہے کیا تم ایسا نہیں سوچتے؟"

گیرٹ نے اپنے سر کو جنبش دی۔

"اس بو کی تاثیر کے متعلق تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن یہ وہاں ہر وقت نہیں ہوتی اگرچہ میں نے گذشتہ دو ایک دنوں میں اسے محسوس کیا ہے۔ یہ کچھ اس طرح کی غیر قدرتی حد تک ناگوار بو ہے۔ جیسے شدید دھول اڑ رہی ہو۔ لیکن ایسی کسی بو نے مجھے متاثر نہیں کیا۔ وہ تو کوئی ایسی چیز تھی جسے میں نے دیکھا تھا۔ اور میں تمہیں اس کے متعلق بتانا چاہتا ہوں۔ ہوا یوں کہ میں ایک شخص کے لیے شعبہ عبرانی سے ایک کتاب لینے گیا تھا جس نے مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی۔ اور اسی کتاب کے متعلق مجھے ایک دن پہلے بھی کچھ مغالطہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب میں وہاں پہنچا تھا تو میں نے یقیناً ایک شخص کو وہی کتاب الماری سے لیتے ہوئے دیکھا تھا جس نے جلد چکن رکھا تھا۔ میں نے نیچے آ کر کتاب کی فرمائش کرنے والے سے کہا کہ کتاب اس وقت باہر ہے۔ وہ شخص کہہ کر چلا گیا کہ وہ اگلے دن آ جائے گا۔ میں پھر شعبہ عبرانی میں واپس گیا تا کہ اس پادری سے وہ کتاب اگر مل سکے تو لے لوں۔ لیکن پادری وہاں نہ تھا اور وہ کتاب الماری میں اپنی جگہ پڑی ہوئی تھی۔ کل میں بھی وہی کتاب لانے کے لیے اوپر گیا۔ اس وقت تمہیں یاد ہی ہوگا۔ صبح کے دس بجے تھے اور وہاں اچھی خاصی روشنی تھی کہ جتنی کہ اس وقت ان حصوں میں عموماً ہوا کرتی ہے۔ وہ پادری وہاں پھر موجود تھا اور اسی کتاب کو الماری سے نکال رہا تھا جس کی مجھے ضرورت تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی اور اس کا ہیٹ میز پر پڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سر سے گنجا تھا۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے دو ایک لمحے توقف کیا۔ اس کا سر نفرت انگیز حد تک خشک اور گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا اور اس پر بالوں کی دھاریاں مکڑیوں کے جالوں جیسی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے قصداً کچھ کھٹکا کیا۔ کھنکارا اور اپنے پیروں کو جنبش دی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ مجھے دکھائی دیا جسے میں ابھی تک دیکھ نہ سکا تھا۔ میں تمہیں پھر بتاتا ہوں کہ مجھے غلطی نہیں ہوئی۔ اگرچہ میں کسی وجہ سے اس کے چہرے کا نچلا حصہ نہیں دیکھ سکا تاہم میں نے اس کے چہرے کا اوپر کا حصہ دیکھ لیا تھا جو بالکل بے رنگ تھا اور اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ اور ان پر ابروؤں سے لے کر

گالوں تک مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے موٹے جالے۔ انھیں دیکھ کر میں واقعی دم بخود رہ گیا اس کے بعد کیا ہوا میں یہ نہیں بتا سکتا۔"

ارل نے اس بارے میں جو وضاحتیں پیش کیں ہمیں ان سے کچھ زیادہ تعلق نہیں ہے بہرحال ان باتوں سے گیرٹ اس امر کا قائل نہ ہو سکا کہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ محض وہم تھا۔

گیرٹ کے کام پر واپس جانے سے پہلے ہی لائبریرین نے اسے ایک ہفتے کی چھٹی لینے پر زور دیا تاکہ وہ کچھ آرام کر لے اور کہیں ہوا بدلی بھی کر آئے۔ لہٰذا دو ایک دنوں میں وہ اپنا سفری تھیلا لے کر برنسو جانے کے لیے اسٹیشن پر کھڑا تھا جہاں وہ اس سے پہلے کبھی نہ گیا تھا۔ اسے ایک ایسے ڈبے کی تلاش تھی جہاں وہ آزادانہ سگریٹ نوشی کر سکے۔ آخرکار اسے گاڑی میں ایک دل پسند ڈبہ مل گیا۔ لیکن جونہی وہ اس کے قریب پہنچا۔ اسے دروازے میں ایک ایسی ہستی نظر آئی جو حال ہی پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے سے متعلق شخص جیسی تھی۔ اس نے بڑی گھبراہٹ سی محسوس کرتے ہوئے بے اختیارانہ ساتھ والے ڈبے کا دروازہ زور سے کھولا اور تیزی سے اس میں گھس گیا جیسے کہیں موت اس کا پیچھا کر رہی ہو۔

گاڑی چل پڑی اور وہ غالباً بے ہوش ہو گیا ہوگا کیونکہ جب اس کے حواس بجا ہوئے تو کسی سنگھانے والی دوا کی شیشی اس کی ناک سے لگی ہوئی تھی۔ اس کی معالج ایک خوش پوش عمر خاتون تھی جو اپنی بیٹی کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ ڈبے میں ان کے علاوہ اس واقعے کے بعد ان کے درمیان سلسلہ شروع ہونا قدرتی بات تھی۔ بلکہ جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہوتا ہے اس نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد کچھ سوالات کا تبادلہ ہونا ضروری تھا۔ پھر اور باتیں شروع ہو گئیں۔ اور سفر ختم ہونے سے پہلے گیرٹ کو نہ صرف ایک معالج کی خدمات حاصل ہوئیں بلکہ ایک خانہ دار خاتون بھی مل گئی۔ کیونکہ مسز ہمپسن کے پاس برنسو میں کچھ کمرے کرائے کے لیے خالی تھے جو بعد میں دیکھنے پر ہر طرح سے مناسب معلوم ہوئے۔ چونکہ اس موسم میں وہ جگہ زیادہ تر خالی تھی۔ لہٰذا گیرٹ کو ماں بیٹی دونوں سے بات چیت کرنے اور کچھ وقت ان کے پاس گزارنے کا اچھا خاصا موقع مل جاتا تھا۔ ان صحبتوں کو اس نے بڑا خوشگوار پایا۔ اس کے قیام کی تیسری شام تک ان کے باہمی میل جول میں اس حد تک ترقی ہو چکی تھی کہ ماں بیٹی نے اس سے ایک شام اپنے ذاتی کمرے میں گزارنے کی فرمائش کی۔

ان کی باتوں کے دوران پتہ چلا کہ گیرٹ لائبریری میں کام کرتا ہے۔

"خوب لائبریریاں تو بڑی عمدہ جگہیں ہوتی ہیں۔" مسز ہمپسن نے خوشی سے گہری سانس لے کر ہاتھ گھما کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ کو بتا دیتی ہوں کہ کتابوں نے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک کتاب نے میرے لیے بڑی تشویش پیدا کر رکھی ہے۔"

''دیکھیے محترمہ میری روزی کا دارومدار کتابوں پر ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں ان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ کتابیں آپ کے لیے بری ثابت ہوئیں۔''

''امی شاید مسٹر گیرٹ وہ معاملہ حل کرنے میں ہماری مدد کر سکیں۔'' مس تھمپسن نے کہا۔

''نہیں بیٹی میں مسٹر گیرٹ کو ایک ایسے مسئلے میں الجھانا نہیں چاہتی جس میں پتہ نہیں وہ عمر بھر الجھے رہیں اور پھر دوسری بات یہ کہ انھیں اپنے نجی معاملات میں زحمت دینا بھی ہمارے لیے کچھ مناسب نہیں ہے۔''

''لیکن مسز تھمپسن' اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میری خدمات سے آپ کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ وہ معمہ مجھے بتائیں۔ اگر کسی کتاب کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے تو آپ کو علم ہی ہے کہ میں اس لحاظ سے ہر ممکن حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہوں۔''

''ہاں ایسا ممکن ہے لیکن اس معاملے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ہمیں اس کتاب کا نام تک معلوم نہیں۔''

''اور کیا یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کتاب کس موضوع پر ہے؟''

''یہی تو مشکل ہے کہ موضوع کا پتہ نہیں۔''

''امی ہمارا یہ خیال تو تھا کہ وہ کتاب غالباً انگریزی میں نہیں ہے۔ مگر یہ بھی کوئی مناسب سراغ نہیں ہو سکتا۔''

''خیر مسٹر گیرٹ۔'' مسز تھمپسن نے آگ پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے متفکرانہ انداز میں کہا۔

''میں آپ کو وہ کہانی سنائے دیتی ہوں آپ مہربانی سے ان باتوں کو اپنے تک ہی محدود رکھیں۔ اچھا تو بات یہ ہے کہ میرے ایک بوڑھے چچا تھے جن کا نام ڈاکٹر رینٹ تھا۔ شاید آپ نے کبھی ان کا ذکر سنا ہو۔ نہ صرف یہ کہ وہ ایک لائق آدمی تھے بلکہ یہ بھی کہ انھوں نے اپنے آپ کو نہ جانے کیوں ایک زمین دوز کمرے میں دفن کرانا پسند کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں نے کسی گائیڈ بک میں ان کا نام پڑھا تھا۔''

''ضرور انھی کا نام پڑھا ہوگا۔'' مسز تھمپسن نے کہا۔

''انھوں نے ہدایات چھوڑی تھیں کہ انھیں روزمرہ کے لباس ہی میں ویٹوں کے بنے ہوئے ایک زمین دوز کمرے میں بند کر دیا جائے۔ یہ کمرہ انھوں نے اپنے مکان کے پاس ہی ایک کھیت میں بنوایا تھا۔ دیہاتی لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر رینٹ کو پھر بھی پرانے سیاہ چغے میں ملبوس اس مکان کے قریب و جوار میں دیکھا ہے۔''

''میں ایسی باتوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں رکھتی۔'' مسز تھمپسن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن خیر انھیں مرے ہوئے اب بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ وہ ایک پادری تھے۔ اگرچہ میں واقعی اس بات کا تصور نہیں کر سکتی کہ وہ کیسے پادری بن گئے تھے تاہم انھوں نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں مذہبی فرائض انجام نہ دیے

تھے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا۔ وہ زیادہ تر اپنی ہی جائیداد پر بسر اوقات کرتے تھے۔ ان کی ایک بڑی عمدہ جاگیر ہے جو یہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ان کی کوئی بیوی یا کنبہ وغیرہ نہ تھا۔ البتہ ایک بھتیجی جو کہ میں خود ہوں اور ایک بھتیجا تھا۔ اپنی زندگی میں انہوں نے ہم دونوں میں سے کسی کو بھی کچھ زیادہ نہ چاہا تھا اور نہ کسی اور شخص ہی سے وہ کوئی خاص وابستگی رکھتے تھے۔

اگر ویسی کوئی بات تھی تو میری نسبت میرے چچیرے بھائی جان کو وہ قدرے پسند کرتے تھے کیونکہ وہ کافی حد تک ان کا ہم مزاج تھا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ انہیں بڑے چھوٹے حربے استعمال کرنے کی عادت تھی۔ اگر میں شادی نہ کرتی تو ہو سکتا ہے کہ اب مختلف صورت حالات ہوتی۔ لیکن میں نے شادی کر لی جس پر وہ بہت برہم ہوئے۔ خیر وہ ایک جاگیر کے بلا شرکت غیرے مالک تھے اور ان کے پاس بہت دولت تھی۔ یہ بات صاف طور پر واضح تھی کہ ان کی وفات کے بعد میں اور میرا چچیرا بھائی دونوں ہی مساوی طور پر جائیداد کے وارث تھے۔ تقریباً بیس سال پہلے سردیوں کے موسم میں وہ بیمار پڑ گئے اور مجھے ان کی تیمارداری کے لیے بلا بھیجا گیا۔ میرا خاوند ابھی زندہ تھا لیکن چچا میاں کو اس کے آنے کی اطلاع نہ ہوئی تھی۔ جونہی میں ان کے مکان پر پہنچی میں نے اپنے چچیرے بھائی جان کو وہاں سے ایک چھوٹی موٹر میں جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ میں اندر چلی گئی اور جہاں تک ممکن تھا میں نے اپنے چچا کی دل گیری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ لیکن جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ یہ ان کی آخری بیماری ہو گی۔ یہ بات وہ خود بھی جانتے تھے۔

جس دن وہ فوت ہوئے اس سے ایک دن پہلے انہوں نے مجھے اپنے پاس ہی بٹھائے رکھا۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جسے وہ مجھے بتانے سے ہچکچا رہے تھے اور غالباً وہ کوئی ناخوشگوار معاملہ تھا۔ بظاہر وہ اس بات کو اس وقت تک چھپائے رکھنا چاہتے تھے جب تک کہ وہ کچھ بھی توانائی محسوس کرتے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ مجھے کافی دیر تک وہاں بٹھائے رکھیں گے۔ لیکن آخرکار ان کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''میری......!'' وہ بولے۔

''میری! میں نے جان کے حق میں اپنی وصیت تیار کر دی ہے۔ وہ میری ساری جائیداد کا مالک ہو گا۔'' یہ فیصلہ سن کر واقعی مجھے سخت صدمہ پہنچا تھا کیونکہ ہم...... میرا خاوند اور میں ان دنوں امیر لوگ نہ تھے۔ میرا خاوند اگر قدرے با فراغت زندگی گزار سکتا تو غالباً وہ کچھ دن اور جیتا۔ لیکن میں نے اپنے چچا سے کوئی خاص بات نہ کی۔ میں نے اس وقت محض اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ میرے ذہن میں کوئی اور موزوں بات آئی نہ تھی اور کچھ اس لیے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ اگر کچھ کہا بھی گیا تو اس سے فائدہ نہ ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولے۔

"لیکن میری میں جان کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتا اور میں نے ایک اور وصیت تیار کی ہے جو تمہارے حق میں ہے۔ تم سب کچھ حاصل کر سکتی ہو۔ البتہ تمہیں وہ وصیت تلاش کرنے کی ضرورت رہے گی اور میں خود یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ کہاں ملے گی۔" اس کے بعد وہ اپنے آپ ہی کچھ ہنستے رہے اور میں مزید کچھ سننے کی منتظر رہی کیونکہ مجھے خیال آیا تھا کہ ابھی ان کی بات ختم نہیں ہوئی۔

"وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔" کچھ دیر بعد کہنے لگے۔

"تم انتظار کرو پھر میں تمہیں وہ سب کچھ بتاؤں گا جو میں جون کو بتا چکا ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں تم اس کی بنا پر عدالتی چارہ جوئی نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ تم محض اپنی زبان سے کچھ کہنے کے علاوہ اور کوئی گواہی بہم نہ پہنچا سکو گی۔ اور جان ایک ایسا آدمی ہے جو وقت پڑنے پر ہر طرح کا حلف بھی اٹھا سکتا ہے۔ اچھا خیر یہ باتیں تو خود بخود سمجھ میں آ جانے والی ہیں اب سنو میں نے سوچا تھا کہ میں اس وصیت کو عام انداز میں نہیں لکھوں گا لہٰذا میں نے اسے ایک کتاب میں لکھا ہے جو ایک مطبوعہ کتاب ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ اس مکان میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اسے ان کتابوں میں ڈھونڈنے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی کیونکہ وہ کتاب ان میں شامل نہیں بلکہ دوسری جگہ محفوظ پڑی ہے اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں جان کسی بھی دن جا کر اسے تلاش کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے اس جگہ کا علم ہو جائے مگر تمہارے لیے یہ بات دشوار ہوگی یہ ایک اچھی وصیت ہے باقاعدہ دستخط شدہ اور شہادت کے ساتھ لیکن شاید ہی کچھ گواہ بہم پہنچا سکو۔"

"اس پر بھی میں کچھ نہ بولی۔ اگر میں اس وقت ذرا بھی ہل سکتی تو بوڑھے چچا کو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالتی۔ وہ بدستور اپنے آپ ہی ہنستے ہوئے لیٹے رہے اور آخر کار بولے۔

"اچھا تو تمہیں یہ وصیت اچانک حاصل ہو سکتی ہے چونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم دونوں ساری شرائط پر کوشش کا آغاز کرو اور جان کسی حد تک اس قابل ہے کہ اس کتاب کا پتہ چلا سکے۔ لہٰذا میں تمہیں دو ایسی چیزیں بتاتا ہوں جو میں نے اسے نہیں بتائیں۔ وہ وصیت انگریزی میں ہے لیکن تم اسے کبھی دیکھ لو تو بھی اس بات کو جان نہ جاؤ گی۔ یہ تو ہوئی ایک بات اور دوسری یہ کہ جب میں چل بسوں تو تمہیں میری میز کی دراز سے ایک لفافہ ملے گا جس پر تمہارا نام لکھا ہوگا۔ اس لفافہ میں ایک ایسی چیز ہوگی جو تمہارے لیے اس کتاب کی تلاش میں مددگار ثابت ہوگی بشرطیکہ تم ذرا عقل سے کام لو۔"

"چند گھنٹوں کے بعد چچا میاں اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور اگرچہ میں نے اس کے متعلق جان ایلڈرڈ سے درخواست کی۔"

"جان ایلڈرڈ؟" قطع کلامی معاف مسز ہیسٹن میرا خیال ہے کہ میں ایک مسٹر جان ایلڈرڈ کو جانتا ہوں کیسا حلیہ ہے ان کا؟"

"میں نے تو کوئی دس سال سے اسے نہیں

دیکھا اب وہ ایک معمر اور اکہرے بدن کا آدمی ہوگا۔ اور اگر اس نے مونچھیں منڈوا نہیں لیں تو اس کی کافی بڑی مونچھیں ہوں گی جنھیں عام طور پر گل مونچھ کہا جاتا ہے۔"

"اچھا تو پھر یہ وہی صاحب ہیں۔"

"لیکن آپ اس سے کہاں ملتے تھے مسٹر گیرٹ؟؟"

"میں نہیں جانتا تو میں آپ کو کیا بتاؤں۔" گیرٹ نے قصداً بات کو چھپانے کی غرض سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ان سے کسی عام جگہ پر ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن آپ کی بات تو ابھی ختم نہیں ہوئی۔"

"مجھے اب زیادہ کچھ نہیں کہنا سوائے اس کے کہ ان ایلڈرڈ نے میرے خطوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ بھی سے اسے جاگیر پر گویا ہی قابض چلا آ رہا ہے۔ اس اثنا میں ہم ماں بیٹی نے یہاں مکان کے کمروں کو کرائے پر دینے کا دھندا شروع کیا۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ کام بڑا ناخوشگوار ثابت ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔"

"لیکن اس لفافے کے متعلق تو آپ نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"واقعی میں اسے بھول گئی تھی۔ اسی کا تو سارا معمہ ہے میری میز کے دراز سے وہ کاغذ تو مسٹر گیرٹ کو دینا۔"

یہ ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس پر صرف پانچ ہندسے لکھے ہوئے تھے ان کے درمیان نہ تو کچھ فاصلہ تھا نہ ان میں کوئی اوقاف لگے ہوئے تھے۔

۱۱۲۳۳۔

گیرٹ نے چند لمحے ان ہندسوں کو غور سے دیکھا۔ معاً اس کی آنکھوں میں کچھ پرانی جھلک پھر اس نے منہ بناتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا آپ کے خیال میں مسٹر ایلڈرڈ کو اس کتاب کے بارے میں آپ سے زیادہ معلومات ہیں؟؟"

"میں بعض اوقات سوچتی ہوں کہ وہ ضرور زیادہ جانتا ہوگا۔" مسز کالسن نے کہا۔

"اور وہ اس طرح کہ نانا نے وہ وصیت اپنی وفات سے زیادہ دیر پہلے نہ بنائی ہوگی (جیسا کہ میرے خیال میں انھوں نے خود ہی واضح کر دیا تھا) اور اس کے فوراً بعد انھوں نے کچھ کتابیں خود ہی آتے ہوئے پہلے تو وہ ہچکچاتا رہا تھا لیکن پھر اسے یہ یاد نہ رہا کہ وہ مسز کالسن سے ایلڈرڈ کی رہائش کا پتہ پوچھ لیتا۔ تاہم اس امر کا امکان تھا کہ وہ انھیں خط لکھ کر پوچھ لے گا۔

کم از کم کاغذ پر درج شدہ ہندسوں میں اس کے لیے سراغ موجود تھا۔ اگر وہ کسی ایسے حوالہ نمبر کو ظاہر کرتے تھے جو اس کی لائبریری کی کسی کتاب کا ہو تو اس کا مطلب یہ تھا کہ چند ہی کتابوں کے متعلق چھان بین کرنی پڑے گی۔ ممکن ہے یہ ہندسے اس طرح تقسیم ہوتے ہوں۔ ۲۳، ۳ یا ۱۴، ۲۳، ۱۱ یا ۲۳، ۳، ۱۱۔ وہ ان سب نمبروں کو تھوڑی ہی دیر میں جانچ سکتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی کتاب موجود ہوئی تو اس کا سراغ لگایا جا سکتا تھا۔

اگرچہ کچھ منٹوں تک اسے اپنے مکان کی مالکہ

اور اپنے ساتھیوں کو اپنی جلد واپسی کی ہدایت دینا پڑیں تاہم وہ جلدی سے اپنے کام پر لگ گیا۔ حوالہ نمبر ۳۳ء۱۳۔ا کی کتاب اپنی جگہ پر ہی تھی اور اس میں کوئی خارجی تحریر نہ تھی۔ اسی گیلری میں جب وہ شعبہ اا کی طرف بڑھا تو اسے وہاں ٹھنڈک سی محسوس ہوئی لیکن وہ متعلقہ الماری کی طرف بڑھتا گیا۔

۳۔۳۳۔اا پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد (جو کہ بالکل نئی کتاب تھی) اس نے ان کتابوں کی طرف نظر دوڑائی جو ۳۳ اے والے خانوں میں بھری ہوئی تھیں۔ جس خلا کا اسے خدشہ تھا وہ وہاں موجود تھا۔ نمبر ۳۳ غائب تھی۔ لہٰذا اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں وہ کتاب غلط جگہ تو نہیں رکھ دی گئی۔ لیکن وہ واقعی الماری میں نہ تھی، وہ ڈیوڈ ہی کے پاس پہنچا۔

"۳۔۳۳۔اے نمبر کی کتاب نکلی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اس نمبر کا کچھ پتہ ہے؟"

"نمبر کا پتہ؟ مگر مسٹر گیرٹ بہتر ہے کہ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ خود کارڈوں میں تلاش کر کے دیکھ لیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ مسٹر ایلڈرڈ پھر تو نہیں آئے؟ وہ عمر رسیدہ صاحب جو اس روز آئے تھے جب میں بیمار پڑا تھا کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

"میں نے اس دن اسے دیکھا تو تھا لیکن وہ اس کے بعد کبھی نہیں آئے یعنی جب سے نکال دی ہوں گی کتاب۔ لیکن ان کی تمام کتابوں کی بڑی باقاعدگی سے فہرست بنی ہوئی تھی جو اب جون کے پاس ہے۔ اور جون نے اس بات کا بڑا خیال رکھا تھا کہ کوئی کتاب کسی بھی طرح مکان سے نکلنے نہ پائے۔ مجھے پتہ چلا کہ وہ ہمیشہ مختلف کتب فروشوں اور لائبریریوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ اس سے خیال گزرتا ہے کہ اس نے فہرست کی مدد سے ضرور پتہ چلا لیا ہوگا کہ چچا کی کتابوں میں سے کون کون سی کتابیں غائب ہیں۔ اور وہ ضرور ان کے لیے سرگرداں ہوگا۔"

"واقعی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔" گیرٹ نے کہا اور وہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

اگلے ہی دن گیرٹ کو ایک خط موصول ہوا جس کے بعد اس نے مسز ہمپسن کو بڑے افسوس کے ساتھ بتایا کہ اسے کسی ضروری کام کی وجہ سے برنشو کے قیام کو قطع کرتے ہوئے واپس جانا پڑ گیا ہے۔

وہ ان سے رخصت ہوتے وقت قدرے ملول تھا (انھیں بھی کم از کم اس سے جدا ہونے کا افسوس تھا) اس نے محسوس کرنا شروع کیا کہ ایک بحران جو مسز ہمپسن کے لیے (اور مس ہمپسن کے لیے بھی؟) بڑی اہمیت رکھتا تھا، اچانک طور پر سامنے آ چکا تھا۔

ریل گاڑی میں گیرٹ کو بڑا اضطراب اور جوش محسوس ہوتا رہا۔ اس نے اپنے ذہن پر زور دیا کہ کہیں مسٹر ایلڈرڈ کی مطلوبہ کتاب کا حوالہ نمبر ان ہندسوں سے ملتا جلتا تو نہیں ہے جو مسز ہمپسن کے پاس ایک کاغذ کے پرزے پر لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن اسے یہ جان کر بڑی مایوسی ہوئی کہ گزشتہ ہفتے کے صدمے نے واقعی اس کے دماغ کو اس حد تک متاثر کیا تھا کہ وہ نہ تو اس کتاب کے حوالہ نمبر یا اس کی نوعیت کے بارے میں کچھ یاد کر سکا اور نہ وہ مقام ہی یاد آیا جہاں وہ اس کتاب کی تلاش میں گیا

تھا۔ البتہ لائبریری کے دوسرے تمام حصے حسب سابق اس کے ذہن میں اچھی طرح محفوظ تھے۔

اور دوسری بات جسے سوچ کر اسے اپنے آپ پر قدرے غصہ بھی آیا تھا یہ تھی کہ آپ نے چھٹی لی ہے میں نے انھیں نہیں دیکھا۔ البتہ رابرٹس کو شاید معلوم ہو۔ رابرٹس تمہیں ایلڈروڈ کا نام یاد ہے؟"

یعنی وہ صاحب جنھوں نے پارسل کے خرچ کے لیے کچھ رقم بھیجی تھی انھیں وہ کتاب بھیجی جا چکی ہے۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے مسٹر ایلڈروڈ کو کوئی کتاب بھیجی تھی۔ بتاؤ کیا وہ کتاب انھیں بھیج چکے ہو۔"

"دیکھیے مسٹر گیرٹ اگر کوئی بھلا آدمی کسی کتاب کے لیے باضابطہ طور پر فرمائش بھیجے اور سیکریٹری کا حکم ہو کہ کتاب بھیج دی جائے اور پھر فرمائش کے ساتھ پارسل کے لیے اتنی رقم بھی ارسال کر دی گئی ہو تو مسٹر گیرٹ میں یہ سوال پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ کیا کریں گے؟ آپ اس کی تعمیل کرنے کے پابند ہوں گے یا نہیں یا محض اس بارے معاملے کو نظر انداز کر دیں گے۔"

"تم نے واقعی ٹھیک کیا ہے ہوکسن۔ تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ کیا تم مجھے وہ پرچی دکھا سکتے ہو جو مسٹر ایلڈروڈ نے بھیجی تھی اور اس کے ساتھ ہی مجھے ان کا پتا بھی بتا سکو گے؟"

"ضرور مسٹر گیرٹ۔ مجھے اوف زنی کرنے کی عادت نہیں ہے۔ میں جہاں تک ممکن ہوا آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا۔ کتاب کا کارڈ تو فائل میں ہے۔ یہ ایلڈروڈز ۲۳۳، ۳ اے پ۔ کتاب کا نام لکھو دیا پتہ نہیں کیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی ناول نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی مسٹر ایلڈروڈ کا رقعہ جس میں انھوں نے اس کتاب کے لیے فرمائش کی تھی۔"

"شکریہ لیکن وہ پتہ؟ اس رقعے میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں۔"

"ہاں واقعی ذرا ٹھہریں مسٹر گیرٹ وہ بھی مل سکتا ہے۔ فرمائش کے ساتھ ایک رقعے پر وہ پتہ بھی لکھا ہوا تھا جس پتے پر وہ کتاب بھیجی گئی ہے۔ اور اگر میں نے اس معاملے میں کوئی غلطی کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ پتا ابھی اپنی چھوٹی کاپی میں درج نہیں کیا۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اسے درج نہ کرنے کی معقول وجہ تھی اب نہ تو میرے پاس وقت ہے اور نہ آپ ہی فارغ ہوں گے کہ اس پتے کی ابھی تلاش کی جا سکے۔ یہ ایک معمولی سی کاپی ہے جس میں میں وہ سب نام وغیرہ لکھ لیتا ہوں جو مجھے ضروری نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر میں اس میں تمام پتے درج نہ کر سکوں تو پھر اس کے رکھنے کا کیا فائدہ؟"

"بہت خوب واقعی لیکن ...... خیر شکریہ۔ وہ پارسل کب روانہ کیا تھا؟"

"آج صبح ساڑھے دس بجے۔"

"بہت خوب اور اس وقت ایک بجا ہے۔"

گیرٹ کچھ سوچتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ وہ پتہ کیسے معلوم کرے؟ مسز ہچسن کو تار بھیجا جائے۔ لیکن اس طرح جواب کا انتظار کرنے میں شاید ہی دیر

گاڑی چھوٹ جائے البتہ ایک اور طریقہ تھا۔ مسز سمپسن نے بتایا تھا کہ ایلفرڈ کی رہائش مرحوم چچا کی جاگیر ہی میں ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو وصول شدہ خطوں کی کتاب میں سے پتہ چل سکتا ہے۔ اب تو کتاب کا نام بھی معلوم ہے لہذا اسے جلدی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد خطوں کا رجسٹر اس کے سامنے تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ بوڑھے میاں کی وفات تقریباً بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اس نے ۱۸۷۰ء کے قریب سے اندراجات کو دیکھنا شروع کیا۔ ۱۲ اگست ۱۸۷۵ء کا ایک اندراج مل گیا۔ لکھا تھا "لندن کا بیاق مع شرح" ایڈیشن ۱۸۷۰ء بھیجی گئی۔ بریسٹ ڈی۔ ڈی کتب بریفیلڈ میز۔

ایک جغرافیائی فرہنگ سے معلوم ہوا کہ بریفیلڈ بڑی پٹری پر واقع ایک چھوٹے اسٹیشن سے تین میل دور ہے۔ اب دربان سے یہ دریافت کیا گیا کہ جس جگہ وہ پارسل بھیجا گیا تھا اس کا نام بریفیلڈ ہی تھا یا کچھ اور۔

"ہاں مسٹر گیرٹ کچھ ایسا ہی نام تھا۔ بریڈفیلڈ یا بریفیلڈ۔"

یہاں تک تو معاملہ درست تھا۔ اس کے بعد ریلوں کا اوقات نامہ دیکھنا ضروری تھا۔ ایک گاڑی کوئی بیس منٹ بعد چلنے والی تھی اور لگ بھگ دو گھنٹے کا سفر تھا۔ یہی ایک سنہری موقع تھا جسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا اور گاڑی پکڑ لی گئی۔

اگر اس سفر میں اسے کامیابی نہ ہوئی تو واپسی پر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔ اگر ایلفرڈ سے ملاقات ہوگئی تو وہ کیا کر سکے گا۔ مثلاً پتہ چلا کہ یہ کتاب نایاب ہے۔ لہذا اس کی واپسی ضروری ہے؟ بالکل سفید جھوٹ۔ یا خیال تھا کہ اس کتاب میں کوئی اہم دستاویز رہ گئی ہے۔ ایلفرڈ اسے جب وہ کتاب دکھائے گا تو اس میں سے اس نے وہ ورق پہلے ہی پھاڑ لیا ہوگا۔ شاید اسے نکالے ہوئے صفحے کا سراغ مل جائے۔ غالباً کتاب کے شروع یا آخر میں سے کوئی سادہ ورق پھٹا ہوگا۔ اور ایلفرڈ نے اگر یہ کہہ دیا کہ وہ ورق کتاب میں سے پہلے ہی پھٹا ہوا تھا تو کون اسے جھٹلا سکے گا؟ بہر حال یہ تعاقب بظاہر بڑا مایوس کن تھا۔ البتہ ایک موقع ممکن تھا۔ وہ کتاب صبح ساڑھے دس بجے لائبریری سے بھیجی گئی تھی جو غالباً گیارہ بج کر بیس منٹ پر چلنے والی گاڑی سے نہیں گئی ہوگی۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حسن اتفاق سے کتاب کے ساتھ ہی منزل مقصود پر پہنچے گا اور وہاں جا کر وہ ایک ایسی کہانی بنا کر پیش کرے گا کہ ایلفرڈ اسے واپس کرنے پر مائل ہو جائے۔

جب وہ اس اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اترا تو شام ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔ بہت سے دیہاتی اسٹیشنوں کی طرح وہاں قدرتی طور پر خاموشی طاری تھی وہ ایک مسافر جو اس کے ساتھ ہی اترے تھے اس نے ان کے چلے جانے تک انتظار کیا اور اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر سے دریافت کیا کہ مسٹر ایلفرڈ ان دنوں اسی علاقے میں موجود ہیں۔

"جی ہاں اور میرا خیال ہے کہ ان کی رہائش یہاں سے بہت قریب ہے وہ شاید ایک پارسل کے بارے میں پوچھنے بھی آئے تھے۔ کیوں کیا آج وہ ایک بار آ چکے ہیں؟" (ایک قلی سے پوچھا گیا)۔

"ہاں جناب وہ آئے تھے۔ انھیں اس بات کا گلہ تھا کہ پارسل دو بجے تک کیوں نہیں آیا۔ خیر اب وہ پارسل آ چکا ہے اور میرے پاس ہے۔ اس کے ساتھ ہی قلی نے ایک چوکور پارسل دکھایا جسے ایک نظر دیکھنے سے گیرٹ کو یقین ہو گیا کہ اس میں وہی چیز ہے جو اس وقت اس کے لیے بے حد اہمیت رکھتی ہے۔

"یہ بتائیے جناب! ہاں...... وہ یہاں سے تین میل ہے۔ اگر ان کے سامنے کے کھیتوں میں سے گزریں تو نصف میل کا فاصلہ کم ہو جائے گا۔ یہ لیجیے مسٹر ایلڈرڈ کی گاڑی چلی آ رہی ہے۔"

گیرٹ نے سٹیشن کے چھوٹے سے آنگن کو عبور کرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک چھوٹی سی گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں دو شخص بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک کو تو اس نے آسانی سے پہچان لیا۔ اگر ایلڈرڈ خود گاڑی پر تھا تو یہ بات قدرے اس کے حق میں تھی کیونکہ غالب خیال یہی تھا کہ وہ اپنے ملازم کی موجودگی میں پارسل نہ کھولے گا۔ بلکہ پارسل کو لیتے ہی جلد از جلد گھر پہنچے گا اور اگر گیرٹ وہاں اس کے پہنچنے کے چند منٹ بعد بھی جا پہنچا تو سب کچھ ہو چکا ہو گا۔ اسے جلدی کرنی چاہیے۔

واقعی اس نے ایسا ہی کیا۔ کھیتوں میں سے ہوتا ہوا وہ گاڑی سے بہت آگے جا پہنچا جبکہ گاڑی کو جتنا کافی زیادہ راستہ طے کرنا تھا اور پھر اسے کچھ دیر سٹیشن پر رکنا بھی تھا۔ اس طرح گیرٹ ابھی آخری کھیت کو عبور کر رہا تھا کہ گاڑی کے پہیوں کی آواز قریب ہی سنائی دی۔ اس نے حتی الامکان بروقت وہاں پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن گاڑی جس رفتار سے چلی آ رہی تھی اس سے اسے مایوسی ہوئی۔ اس رفتار سے تو گاڑی اس سے دس منٹ پہلے ہی مکان پر پہنچے گی اور دس منٹ مسٹر ایلڈرڈ کے منصوبے کی تکمیل کے لیے کافی زیادہ ہوں گے۔

بالکل یہی وقت تھا جب حالات نے پلٹا کھایا۔ شام پرسکون تھی اور آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کے ٹھہرنے کی آواز سے زیادہ اور شاید ہی کوئی آواز اس کے لیے راحت بخش ہو سکتی تھی۔ کچھ بات سنائی دی اور گاڑی پھر چلنے لگی۔ اس نے گہری تشویش سے گاڑی کو اس باڑ کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا جہاں وہ اب کھڑا تھا۔

گاڑی میں ایلڈرڈ نہ تھا بلکہ صرف اس کا ملازم ہی تھا۔ اس نے مزید دیکھا کہ ایلڈرڈ پیچھے کچھ فاصلے پر پیدل چلا آ رہا تھا۔ اونچی کنٹیلی باڑ کے عقب سے اس نے سڑک کی طرف نگاہیں دوڑا کر دیکھا کہ گٹھیلے بدن کا چاق و چوبند ایلڈرڈ ایک پارسل بغل میں دبائے چلا آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی جیب میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

جونہی وہ گیرٹ کے قریب سے گزرا کوئی چیز اس کی جیب میں سے گھاس پر گری لیکن اس کی آہٹ اس قدر مدھم تھی کہ ایلڈرڈ کو اس کا علم نہ ہوا۔ گیرٹ نے دبے پاؤں باڑ کے پیچھے سے نکل کر وہ چیز اٹھائی۔ یہ دیا سلائی کی ڈبیا تھی۔ ایلڈرڈ چلتا رہا اور اس کے بازو تیزی سے حرکت کرتے رہے۔ سڑک کے کنارے اگے ہوئے درختوں کے سائے کی وجہ سے وہ ان کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

گیرٹ بڑی احتیاط سے اس کا پیچھا کرتا رہا اور اسے جلدی پتہ چل گیا۔ ردی کا ایک ٹکڑا اور پھر وہ کاغذ جس میں کتاب لپٹی ہوئی تھی ایک جھاڑی کے پاس پڑے نظر آئے۔

اب ایلڈرڈ دھیمی چال سے چلنے لگا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کتاب کھول لی ہے اور وہ اس کے ورق الٹ رہا ہے ایک جگہ وہ رک گیا۔ بظاہر شام کی تاریکی بڑھنے سے اسے دقت پیش آ رہی تھی۔ گیرٹ چھپتا ہوا ایک دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔ مگر وہ اب بھی چوکسی سے اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایلڈرڈ نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا اور وہیں سڑک کے کنارے ایک کٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ کر کھلی ہوئی کتاب آنکھوں کے قریب کر کے اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اچانک اس نے وہ کتاب اپنے گھٹنوں پر رکھ لی جو اب بھی کھلی ہوئی تھی اور اپنی جیبوں میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے مایوسی ہوئی اور وہ واضح طور پر کچھ برہم بھی ہوا۔

"اسے اس وقت ماچس مل جاتی تو خوشی ہوتی۔" گیرٹ نے سوچا۔ اس کے بعد ایلڈرڈ نے ایک ورق کو پکڑا اور اسے بڑی احتیاط سے پھاڑنے ہی لگا تھا کہ دو باتیں دیکھنے میں آئیں۔ ایک تو یہ کہ اچانک کوئی سیاہ چیز سفید ورق پر گری اور پھر جب ایلڈرڈ نے چونک کر پیچھے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ درخت کے تنے کے عین سامنے سے کوئی سیاہ صورت نمودار ہوئی اور اس کے دو بازو کوئی سیاہ چیز لیے ہوئے دفعتاً ایلڈرڈ کے چہرے کے سامنے آئے جنھوں نے اس کے سر اور گردن کو ڈھانپ دیا۔ اس کی ٹانگیں اور بازو ہلے لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ اور پھر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ ایلڈرڈ تنہا تھا وہ پیچھے گھاس پر گر چکا تھا اور کتاب لڑھک کر پرے جا پڑی تھی۔

یہ ہولناک منظر دیکھ کر گیرٹ کا غصہ اور شک لمحہ بھر میں کافور ہو گیا۔ اس نے سڑک پر آ کر چلانا شروع کر دیا۔

"مدد..... مدد۔" یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا کہ قریبی کھیت سے ایک مزدور بھی فوراً وہاں آ پہنچا تھا۔ دونوں نے ایلڈرڈ کو سہارا دینا چاہا لیکن انھوں نے جھک کر دیکھا کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ واقعی مر چکا تھا۔

"بیچارے چل بسے۔" گیرٹ نے مزدور سے کہا۔ انھوں نے ایلڈرڈ کو پھر لٹا دیا۔

"انھیں کیا ہوا۔ تمھیں کچھ پتہ ہے؟"

"میں کوئی دو سو گز کے فاصلے پر تھا۔" اس نے

کہا۔

"جب میں نے جاگیردار ایڈورڈ صاحب کو یہاں بیٹھ کر کتاب پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انھیں کوئی دورہ پڑا ہے۔ چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا ہے۔"

"واقعی۔" گیرٹ نے کہا۔

"ان کے قریب تو کوئی نہ تھا؟ یعنی کسی شخص نے ان پر حملہ تو نہیں کیا؟"

"ایسا کیونکر ممکن ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو ہم میں سے کسی کو ضرور دکھائی دیتا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ خیر اب ہمیں کچھ بندوبست کرنا چاہیے یعنی کسی ڈاکٹر یا پولیس کو اطلاع دی جائے اور شاید بہتر یہی ہے کہ یہ کتاب بھی پولیس کے سپرد کر دی جائے۔"

صاف ظاہر تھا کہ اس معاملے کی عدالتی تحقیقات ہو اور یہ بھی ضروری تھا کہ گیرٹ کو اپنی شہادت دینے کے لیے برنفیلڈ ہی میں قیام کرنا پڑتا۔ طبی رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ اگرچہ متوفی کے چہرے پر اور منہ میں کچھ سیاہ سا غبار پایا گیا تھا تاہم موت گلا گھونٹنے سے واقع نہیں ہوئی بلکہ اس کا باعث کمزور دل کو صدمہ پہنچنا تھا۔ وہ منحوس کتاب بھی پیش کی گئی۔ یہ ایک بڑی عبرانی زبان میں چھپی ہوئی کتاب تھی اور کسی بھی لحاظ سے یہ ممکن نہیں تھا کہ حساس ترین شخص کو بھی اس سے صدمہ پہنچے گا۔

"مسٹر گیرٹ آپ کا کہنا ہے کہ متوفی پر جب حملہ کیا گیا تو وہ اس لمحے اس کتاب میں سے کوئی ورق پھاڑ رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کتاب کے بیرونی سادے ورقوں میں سے کوئی ورق تھا۔"

"ایک ایسا ورق ہے تو سہی جو تھوڑا سا پھٹا ہوا ہے۔ اس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے کیا آپ اسے ذرا ملاحظہ کریں گے۔"

"اس پر تین نام انگریزی میں لکھے ہوئے بھی ہیں اور تاریخ بھی لکھی ہوئی ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں عبرانی تحریر نہیں پڑھ سکتا۔"

"شکریہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں دستخط کیے گئے تھے۔ یہ ہیں جون رنٹ، والٹر گین اور جیمز فراسٹ۔ اور تاریخ ہے۔ ۲۰ جولائی ۱۸۷۵ء۔ کیا یہاں کوئی ان میں سے کسی صاحب کو جانتا ہے؟"

اس موقعے پر حلقے کا پادری بھی موجود تھا جس نے رضا کارانہ طور پر بیان دیا کہ متوفی کے چچا کا نام رنٹ تھا اور وہ ان کی جاگیر کا وارث تھا۔

کتاب اسے دکھائی گئی تو اس نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

"اس قسم کی عبرانی زبان تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔"

"آپ کو یقین ہے کہ یہ عبرانی زبان ہے؟"

"کیا؟ جی ہاں۔ میرا خیال ہے مگر نہیں جناب آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یعنی آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ واقعی یہ عبرانی زبان نہیں ہے۔ انگریزی ہے اور یہ ایک وصیت ہے۔"

اس کے بعد یہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ

واقعی ڈاکٹر جولین ریٹ ہی کی وصیت تھی جس میں ان کی سب جائیداد جس پر فی الحال ایلڈررڈ کا قبضہ تھا مسز میری تھامسن کے نام کر دی گئی تھی۔

اس دستاویز کے انکشاف سے واضح طور پر مسٹر ایلڈررڈ کے صدمے کا جواز پیدا ہو گیا۔ اس مقدمے کی تحقیقات کرنے والے افسر نے جزوی طور پر پھٹے ہوئے ورق کے متعلق رائے دی کہ ابھی تک اس آرائش سے کوئی بھی مفید مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جن کی صداقت کبھی بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

"گندھک کا پیالہ۔" نامی کتاب متعلقہ افسر نے مزید تحقیقات کی غرض سے اپنی تحویل میں لے لی۔ مسٹر گیرٹ نے بعد میں اپنے طور پر اس معاملے کے پس منظر کی وضاحت کے لیے کسی حد تک اس کی تاریخ بتائی اور بعد میں اپنی معلومات اور قیاسات سے آگاہ کیا۔

اگلے دن وہ اپنے کام پر واپس آنے کے لیے چل پڑا اور اسٹیشن کی طرف جاتے ہوئے اسی جگہ کے پاس سے گزرا جہاں مسٹر ایلڈررڈ کو سانحہ پیش آیا تھا۔ وہ اس جگہ کو دوبارہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ اگرچہ جو کچھ اس نے وہاں دیکھا تھا اس کے تصور سے بھی وہ کانپ اٹھا تھا حالانکہ اب دن کی روشنی تھی۔ اس نے کٹے ہوئے درخت کے ارد گرد شک بھری نگاہ سے دیکھا۔ کوئی سیاہ سی چیز اب بھی وہاں پڑی ہوئی تھی جسے دیکھتے ہی وہ لمحہ بھر کے لیے گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ زیادہ قریب ہو کر اس نے دیکھا کہ وہ لکڑیوں کے سیاہ ڈھیر جالوں کا مجموعہ تھا۔ اور جونہی اس نے اپنی چھڑی سے ڈرتے ڈرتے ہلایا بہت سی بڑی بڑی مکڑیاں اس میں سے نکل کر گھاس میں دوڑنے لگیں۔

اور اب ان مدارج کا تصور کرنا مشکل بات نہیں ہے جن میں سے گزر کر ولیم گیرٹ نے لائبریری کے ایک معاون کی حیثیت سے بڑھ کر برٹفیلڈ جاگیر کے موجودہ مالک کی حیثیت اختیار کی جو ان دنوں اس کی ساس یعنی مسز میری تھامسن کے تصرف میں ہے۔



عورت

- ماں عورت کے روپ میں باعث جنت ہے۔
- عورت بیٹی کے روپ میں باعث رحمت ہے۔
- عورت بہن کے روپ میں باعث عزت ہے۔
- عورت بیوی کے روپ میں باعث سکون ہے۔
- عورت آسمانی اور دنیوی آخری تحفہ ہے۔
- عورت باوفا بھی ہے اور بے وفا بھی۔
- عورت نرم دل بھی ہے اور سنگ دل بھی۔
- عورت چار دیواری کی زینت ہے نہ کہ بازار کی

دعا

بھیجا ... مقصود احمد قادری

دعا بھی کیا عجیب و غریب لفظ ہے۔ جو زبان سے نکلتے ہی دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے اور اپنے دامن میں عجز و انکساری کا احساس ندامت ایثار و ہمدردی اور عفو و درگزر کے انمول موتی لیے بیٹھا ہے اور ساتھ ساتھ رعونت، تکبر، غرور اور خود پرستی کا جذبہ اور معاشرتی رقابتیں یکسر نیست و نابود ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ انسان کے دل و دماغ میں ایک نئی سوچ، نیا عزم نیا جذبہ، نئی کاوش اور نیا شعور جنم لیتا ہے۔ گویا سارا جسم دم میں پستیوں سے نکل کر بلندیوں کی سمت پرواز کرنے لگتا ہے اور روحانی لذت سے دل کو طمانیت اور اطمینان کی بے پایاں دولت ہاتھ آتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے خفت و ندامت کے لاتعداد موتی جو دعا کے دوران اللہ رب العزت کی عظیم بارگاہ میں عقیدت و محبت اور عجز و انکساری کے ساتھ پیش کیے تھے۔ وہ تمام کے تمام قبول ہو چکے ہیں۔

سائل کا دعا مانگنے کا انداز فکر جس قدر عاجزانہ مخلصانہ انکسارانہ اور نیاز مندانہ ہوگا اسی قدر دعا جلد قبول ہوگی۔ یاد رکھو جب کسی سائل کی آنکھ سے ندامت کے آنسو بہ نکلتے ہیں۔ نگاہیں بے تابی سے سوئے فلک کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ جسم عذاب الٰہی سے لرزنے لگتا ہے۔ دل تڑپتا ہے۔ لب لرزتے ہوئے فریاد کرنے کی خاطر کھلتے ہیں۔ انسان جب جسمانی اور روحانی طور پر دعا کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اس کے احساسات، جذبات اور محسوسات دینی ہوتے ہیں۔ وہ ہر قسم کی دوئی اور تفریق کو اپنے پاؤں تلے روندتا چلا جاتا ہے۔ پے در پے رحمتوں کے پیغام آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ہر لفظ پر آمین کہتے محسوس ہوتے ہیں اور اس کے لب خود بخود پکارنے لگتے ہیں کہ۔

"یا الٰہی! آنکھیں اس قابل نہیں کہ اوپر اٹھ سکیں۔ زبان اس لائق نہیں کہ تیرے آگے اپنے جرموں کی فہرست تیرے سامنے پیش کرنے کی جسارت کر سکے۔ سارا جسم تو عظیم گناہوں سے لتھڑا ہوا ہے۔ ایسے عالم میں فقط ایک تیری ذات اور رحمت کا سہارا ہے۔

اے پروردگار دو عالم!

آج ہمارے گناہوں سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں کو نہ دیکھ۔ جو معافی کی خاطر تیری عظیم بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہیں۔ ان مقدس، طیب، طاہر اور عظیم ہاتھوں کے صدقے ہماری لاج رکھ لے۔ جو امت عاصی کی خاطر شب و روز سرکار دو عالم ﷺ کے

آنسوؤں سے لبریز ہوا کرتے تھے۔ ان ہاتھوں کے صدقے جو اس وقت بیت اللہ شریف اور مسجد نبویؐ میں دعا کی خاطر اٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے گناہ کبیرہ وصغیرہ بخش دے۔ ان لبوں کے صدقے جو بیت اللہ کو دیکھ دیکھ کر "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" کا وظیفہ کر رہے ہیں۔ سرکار مدینہ ﷺ کے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر ادب و احترام احساس و اشتیاق اور محبت و عقیدت کے ساتھ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ" کے پیارے پیارے ترانے گا رہے ہیں ہمارے دلوں کو سلام کے نور سے منور کر دے۔

اے اللہ العالمین!

وہ پاکیزہ نگاہیں جو اس وقت بیت اللہ، روضہ انور اور مدینہ طیبہ کے نظاروں کے ذوق و شوق کے ساتھ والہانہ انداز میں طواف کر رہی ہیں۔ ان کے صدقے ہماری قبر کی منزلوں کو آسان فرما دے۔ سب جہانوں کے مالک! تیرے خوف سے ساکنین کے بیت اللہ میں بیٹھنے والے ندامت کے آنسوؤں اور مسجد نبوی ﷺ میں سرکار دو عالم ﷺ کی محبت میں بہنے والے تشکر کے آنسوؤں کے صدقے ہمارا ظاہر پاک کر دے ہمارا باطن پاک کر دے ہمارے خیالات پاک کر دے ہمارے جذبات پاک کر دے ہمارے احساسات پاک کر دے ہمارا ماحول پاک کر دے ہمارا ماضی پاک کر دے ہمارا حال پاک کر دے اور ہمیں مستقبل میں پاک وصاف رہنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارے لیے ہماری حقیقی منزل تک پہنچنے کے راستے آسان کر دے۔

اے رب العرب!

ان عظیم اور مقدس ذروں کے صدقے جنہوں نے پے در پے سلطان معظم شفیع مکرم سرکار کائنات فخر موجودات حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ کے متعدد بار قدم مبارک کے بوسے لیے ہیں۔ ہمیں بھی دیار اقدس کی حاضری کا شرف عطا فرما۔ اے اللہ! بیت اللہ شریف کی عزت و حرمت اور روضہ اقدس کے احترام و تقدس کے صدقے ہماری جسمانی، روحانی، ظاہری اور باطنی بیماریوں کو اپنے فضل کرم سے دور فرما۔ حجاز مقدس کی جانب قافلوں کے اٹھتے قدموں کے صدقے ہمارے دلوں میں شریعت مطہرہ کی محبت فرما۔

سب جہانوں کے پالنے والے!

اپنی وسیع رحمت کے صدقے ہمارے مراتب میں رفعت عطا فرما علم و عمل میں برکت فرما حسن میں پھولوں کی لطافت فرما، کردار میں عظمت فرما صالح اعمال میں کثرت فرما زبان میں صداقت فرما آنکھوں کو دولت بصیرت عطا فرما زمانے کی امامت فرما دنیا میں عزت و شوکت فرما صالحین کی صحبت فرما طبیعت میں انکساری اور ظرافت فرما، غلبہ و نصرت فرما دلوں میں رقت فرما سوز میں حلاوت فرما آخرت میں نجات فرما، ہمارے حال پر رحمت فرما نیک ارادوں میں استقامت فرما اپنے اور غیروں کی نظر میں عزت فرما بزرگوں کی سی عظمت فرما مراتب میں رفعت فرما دین کی جانب راغبت فرما قبروں میں راحت فرما حج و عمرہ کی سعادت فرما ترقی کی ہمت فرما عزم میں استقامت فرما جذبہ

خدمت میں خلق کی ہمت فرما اور اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرما۔

اے اللہ العالمین!

ہماری چال میں اعتدال پیدا کر دے' کردار میں کمال پیدا کر دے' سیرت و صورت میں جمال پیدا کر دے' نظروں میں جلال پیدا کر دے' دوستوں کے دلوں میں وقار پیدا کر دے' سب کی خاطر ہی دلوں میں جذبہ احساس اور ایثار پیدا کر دے۔

اے رب قدوس!

اپنی خاص رضا عطا فرما' آزمائش کے وقت پاکیزہ نگاہ عطا فرما' سرکار دو عالم ﷺ کی جود و سخا اور لطف و عطا عطا فرما۔

اے خدا! ہمیں ایسی توفیق عطا فرما کہ ہم کام کریں تو فقط تیرے لیے' سوچیں تو تیرے لیے' کام کریں تو تیری رضا کے لیے' اپنوں سے محبت کریں تو تیرے لیے' غیروں سے نفرت کریں تو صرف اور صرف تیرے لیے' چلیں تو تیرے لیے' کبھی جو رکیں تو تیرے لیے' سر اٹھائیں تو تیری ہی بارگاہ میں' سر جھکائیں تو تیرے ہی آگے' اسلام کا پرچار کریں تو تیری ہی ثنا کے لیے' ہاتھ اٹھیں تو دعا کے لیے' ہاتھ بڑھیں تو جود و سخا کے لیے' قدم اٹھیں تو غریبوں کی وفا کے لیے' ہم جئیں تو تیری عطا کے لیے اور مریں تو تیری رضا کے لیے۔

مولا!

اپنے بندوں پہ شب و روز موسلا دھار بارش کی مانند برسنے والی رحمت کے فضل کو وسیع تر کر کے عطا کے فیوض و برکات کے صدقے ہمارے عظیم اور سنگین گناہوں کو معاف فرما۔ ہماری عجز و انکساری کو دیکھ' بے قراری کو دیکھ اور آہ و زاری کو دیکھ۔ ہمارے گناہوں کے باعث اگر تو ہمیں سزا دے تو ہم واقعی سزا کے مستحق ہیں۔ مگر اگر تو ہمیں معاف کر دے تو تیری مہربانی ہوگی کیونکہ تو غفور الرحیم ہے۔ گناہ کرنا انسانی خصلت ہے مگر معاف کرنا تیری پرانی عادت ہے۔ گناہگار بندوں اور معاف کرنے والی وسیع تر ذات کا کیا مقابلہ۔ دیکھ ہم تیرے ہی گناہگار بندے کتنا بدکردار کتنا سیاہ کار ہیں' آخر تیرے ہی تو بندے تیرے در آئے ہیں سب در چھوڑ کر سب سے منہ موڑ کر۔ فقط تیری رضا کے لیے' تجھے لاشریک اور رزاق سمجھتے ہوئے عظیم بھیک کی خاطر اپنے دامن پھیلا کر بیٹھے ہیں اور تجھے تیرے نیک دوستوں کا واسطہ دیتے ہیں۔ گناہوں بیماروں' دوستوں اور مفلسوں کی بھی شفقت و پیار سے نوازنے والے رب! آج ہمیں بھی اپنی وسیع تر رحمت سے نواز دے۔ ہم تیری بارگاہ سے خالی ہاتھ نہ لوٹیں۔ ہمیں خبر ملتی ہے کہ خدا کے بندے خدا کی عظیم بارگاہ سے ناکام لوٹ آتے ہیں۔ میرے مالک! تیرے جود و عطا کے دامن پہ حرف آئے گا۔ ان مقدس لمحات کے صدقے معاف کر دے۔ ہم کو' ان کو بھی' جو اس وقت تیرے دربار میں نہیں آ سکے کسی مجبوری کے تحت ابھی تک۔

اے ہمارے رب العزت! تیرا دامن رحمت سب کے لیے وسیع ہے' تیار ہے' آمادہ ہے' بے تاب ہے' گناہگاروں کو بخشنے کی خاطر ہر لحظہ ہر حال میں ہمیں آمادہ رکھ اپنی رضا کے لیے۔ خوشنودی مصطفیٰ ﷺ

کے لیے۔ اپاہج اولیاء کے لیے۔ غریبوں کے جذبہ وفا کے لیے' بیماروں کی عیادت کی خاطر' اپنی عبادت کی خاطر' قبولیت کے لمحات میں' سحری کے اوقات میں اکثر لوگ سوئے ہوتے ہیں تو جاگ رہا ہے۔ تیری رحمت جاگ رہی ہے اور ہم فریاد کررہے ہیں۔ تیرے حضور عنایت عاجزی کے ساتھ' پیار کے ساتھ' احساس کے ساتھ' خلوص کے ساتھ' خفت وندامت کے ساتھ۔ تو یقیناً سن رہا ہے' غور کے ساتھ محبت کے ساتھ۔

الٰہی!

آج اجتماعی رقت کے ساتھ بہنے والے آنسوؤں کی لاج رکھ لے۔ کل قیامت کے دن اپنوں اور غیروں کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ آج ہمیں ہدایت دے دے۔ آخر ہم پھر بھی تیرے بندے ہیں۔ گناہگار ہیں تو ہمیشہ سے معاف کرتا چلا آرہا ہے اور معاف کرتا چلا جائے گا۔ ہمیں لغزشوں سے بھی درگزر فرما۔ اس وقت محبت کے صدقے جو تیرے دل میں اپنے بندوں کے لیے ستر (70) ماؤں سے بھی زیادہ ہے۔

اے پروردگار عالم!

نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے طائف کے بازاروں میں کافروں سے پتھر کھا کر ان لوگوں کی ہدایت کے لیے جو عاجزی سے تیری بارگاہ میں دعائیں مانگیں تھیں۔ ان پرسوز اور مخلص دعاؤں کے صدقے میں ہماری بھی دعائیں قبول فرما۔ آپ ﷺ نے مطاف کعبہ میں جو عجز و انکساری کے ساتھ طویل سجدے کیے تھے ان سجدوں کے طفیل ہمارے بھی سجدے قبول فرما۔

ہمارے مالک!

تجھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صداقت کا واسطہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عدل وانصاف کا واسطہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حیدر کرار کی شجاعت کا واسطہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ریاضت کا واسطہ ہے۔ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی عبادت اور طہارت کا واسطہ ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صبر وقناعت اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شہادت کے صدقے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے ہاتھوں اور حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے بکھری ہوئی سہرے کی لڑیوں کا واسطہ دیتا ہوں کہ ہمیں اپنی محبت اور خدمت خلق کا عظیم جذبہ عطا فرما۔ ہماری اولادوں کو نیک کر دے۔ ہر بار مسلمان کو دین اور دنیاوی علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے خالق اور مہربان رب!

مختار کعبہ سے نکلنے والی رحم و کرم نورانی شعاعوں کے طفیل' بیت اللہ کی طرف سے آنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی متبرک ہواؤں کے طفیل' آسمان سے برسنے والی رحمت کی گھڑیوں کے طفیل' غلاف کعبہ سے اٹھنے والی خوشبودار ہواؤں کے طفیل' طواف کعبہ کرنے والے معصوم قدموں کے صدقے' حجر اسود میں منہ ڈالے تڑپتی ہوئی روحوں کے طفیل' مقام ملتزم پکڑ کر بے دریغ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کے صدقے' میزاب رحمت تلے سر رکھ کر عاجزی سے کیے جانے والے

بے قرار سجدوں کے طفیل مقام ابراہیم علیہ السلام پہ کھڑے کھڑے قیام میں بے جان انسانوں کے صدقے، مقام زمزم پر نوافل ادا کرنے والی پیشانیوں کے طفیل اور صفا مروہ کی سعی کرنے والوں کی کاوش اور عظیم جذبے کی خاطر ہماری ہر قسم کی نیک تمناؤں کو پورا فرما۔

اے خالق کائنات!

مسجد نبوی ﷺ سے ریاض الجنت میں بیٹھ کر مقام تہجد اور منبر شریف کے قریب نوافل ادا کرنے، تلاوت کرنے اور درود پاک پڑھنے والوں کے صدقے سنہری جالی کے سامنے ادب و احترام اور عقیدت و محبت کے ساتھ درود و سلام پڑھنے والوں کے طفیل سبز گنبد کی دستار مبارک آپ ﷺ کی مسجد پاک کی زلف مبارک نعلین مبارک اور شہر مدینہ کے صدقے ہمارے ظاہر کو پاک کر دے، باطن کو پاک کر دے، ماحول کو پاک کر دے۔ یا اللہ تیری رحمت کے صدقے اس مقدس مہینے کی مقدس ساعتوں کے صدقے، حج اکبر کے دنوں میں میدان عرفات میں کھڑے ہونے والے لاکھوں خدا کے بندوں کے آنسوؤں کے صدقے، عرفات کے اس پاک دن کے صدقے، عید قربان کے صدقے ہمیں اپنا دین شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرکے دین اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

(آمین ثم آمین)

طالب دعا: محمود احمد قادری

موبائل نمبر 0300-4775506

[illegible]

ارم ناز

یادِ ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کبھی کبھی انسان تو اپنا مرض لکھ تو پاتا ہے مگر خدا کی مرضی کے آگے اس کی نہ چلتی ہے۔ ایسے میں خدا کی رضا میں راضی اور خوش رہنا ہی سب سے بڑا شکرانہ ہے۔ لیکن ہم انسان ہوتے ہوئے یہ بھی نہیں پاتے۔ یہ کہانی بھی ایک ایسے ہی کردار کی ہے اور یہ بالکل سچی کہانی ہے۔

مراد اور صائمہ آپس میں کزن تھے۔ صائمہ مراد کے ماموں کی بیٹی تھی۔ دونوں میں کب پیار ہوا اس بات کا تو پتہ نہیں لیکن ہاں جب پیار ہوا تو ایسے جیسے برسوں سے ہی ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہوں۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے اور اس بات کی خبر ان کے بڑوں کو بھی پہنچ گئی۔ گھر والے بڑے زمانہ شناس تھے اور اس رشتے کے ہو جانے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔ سو دونوں کی منگنی کر دی گئی۔

صائمہ اور مراد ایک دوسرے کا ساتھ پا کر بہت خوش تھے۔ جیسے کل کائنات مل گئی ہو۔ لیکن صائمہ کی امی اس رشتے پر خوش نہ تھی وہ اپنی نند کے گھرانے میں کوئی نہ کوئی نقص نکالتی ہی رہتی تھی۔ پر اس کا شوہر اور بیٹی پوری طرح سے اس رشتے کے حق میں تھے تو اس کی ایک نہ چلتی تھی۔ خیر جیسے تیسے وقت گزرتا گیا اور آخر چھ (6) ماہ گزر گئے تو مراد نے کسی نہ کسی طرح ملک سے باہر جانے کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر لی اور صائمہ سے اپنے اور اس کے بہترین مستقبل کا کہہ کر اجازت لے لی کہ۔

"ایک سال بعد واپس آ کر شادی کروں گا اور شادی کے بعد تمہیں اپنے ساتھ ہی باہر لے جاؤں گا۔"

یہ جدائی دونوں کے لیے ہی بہت تکلیف دہ تھی لیکن اچھے مستقبل اور صائمہ کی ماں کی باتوں کے جواب میں یہ کرنا بہت ضروری تھا۔ پھر جدائی اور اچھے مستقبل کے خوابوں کو آنکھوں میں سجائے مراد امریکہ چلا گیا۔ مراد اور صائمہ نے اس وعدے اور اعتبار کے ساتھ جدائی کے دن گزارنا شروع کر دیے کہ جلد ہی ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔

☆☆☆

مراد کو امریکہ گئے پانچ (5) ماہ ہو گئے تھے اور وہ وہاں کی شہریت حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا اور صائمہ سے باقاعدہ رابطے میں تھا کہ آخر ایک دن صائمہ کی ماں نے چھوٹی سی بات پر اپنی نند سے بہت بڑا جھگڑا مول لے لیا اور بات اتنی بڑھ گئی کہ اس نے اپنی بیٹی اور شوہر کی ایک نہ چلنے دی اور رشتہ ختم کر دیا۔

صائمہ تو جیسے ٹوٹ کر رہ گئی اور مراد کا جو حال تھا



یہاں سے باہر تھا۔ ایک تو وہ پردیس میں اپنوں سے دور تھا اور دوسرا اس کی محبت اس سے چھین لی گئی تھی۔ حالات ایسے تھے وہ امریکہ چھوڑ کر بھی نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی شہریت کے کاغذات آخری مراحل میں تھے۔ لیکن وہ اس کے باوجود اپنے پیار کو چھوڑنے پر راضی نہ تھا اور فوراً واپس آنا چاہتا تھا۔ صائمہ نے اسے تسلی دی کہ۔

"وہ نہ آئے کیونکہ میں اس کا انتظار کروں گی اور کسی کی اور کی نہیں ہوں گی۔"

مراد کے لیے اس سے بڑی اطمینان کوئی خبر نہ تھی کہ اس کی محبت اس کے ساتھ ہے۔ پھر دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔ ابھی اس بات کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا کہ صائمہ کی ماں نے ضد کرنا شروع کر دی کہ صائمہ کی شادی اپنی بہن کے بیٹے شہزاد سے کرنا چاہتی ہے۔ صائمہ کا والد تو اپنی بیوی سے سخت ناراض تھا وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گیا کہ۔

"جو تمہارے دل میں آئے وہ کرو کیونکہ جب تمہیں اپنی اولاد کی خوشی عزیز نہیں تو تمہیں کوئی کیا سمجھائے۔" لیکن صائمہ نے اس بات پر گھر میں طوفان کھڑا کر دیا کہ۔

"میں اگر شادی کروں گی تو صرف مراد سے ورنہ ساری زندگی شادی نہیں کروں گی۔" خیر اس دن بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن ایک ہفتے بعد پھر یہی بات شروع ہوگئی اور اس بار صائمہ کی امی نے کہا کہ۔

"اگر تو میرے بھانجے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی تو میں خودکشی کرلوں گی کیونکہ میں اپنی بہن کو زبان دے چکی ہوں۔" اور وہ یہ کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی۔ شام ہونے تک وہ گھر واپس نہیں آئی۔

اس بات پر صائمہ اور اس کے ابو بہت پریشان ہوگئے اور اپنی بہن کو فون کیا۔ مراد کے ماں باپ بھی فوراً آگئے اور پھر سب صائمہ کی والدہ کو ڈھونڈنے کے لیے نکل پڑے۔ آخر کار کافی تلاش کے بعد صائمہ کی امی اپنی بہن کے گھر سے ملی اور وہاں خوب لڑائی ہوئی جس کی وجہ سے مراد کی امی بہت دلبرداشتہ ہوئی اور اپنے بیٹے کو اس رشتے کے لیے منع کیا۔ لیکن صائمہ کی امی نے کہا۔

"جب تک صائمہ اس رشتے کے لیے ہاں نہیں کرے گی میں گھر نہیں جاؤں گی۔"

آخر کار مراد کی امی نے ہاتھ جوڑ کر صائمہ کو واسطے دیئے کہ۔

"بیٹی! اپنی امی کی بات مان لو ورنہ وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھالے اور ساری عمر کے لیے تم اور ہم سب مجبور بن جائیں اللہ تعالیٰ کے حضور۔" صائمہ اپنی پھوپھو سے بہت پیار کرتی تھی کیونکہ وہ تھی ہی بہت اچھی۔ یوں صائمہ نے ماں کی ضد کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسا منصوبہ بنایا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور شادی کے لیے ہاں کردی۔

اس بات پر اس کی ماں بہت خوش ہوئی اور فوراً اپنے گھر آگئی۔ گھر آتے ہی صائمہ کی ماں نے شادی کی تاریخ ایک ماہ کے اندر اندر رکھ دی۔ جب مراد کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ بہت تڑپا ... بہت رویا۔ لیکن اس کی والدہ نے اسے صبر کرنے کو کہا۔

☆ ☆ ☆

خیر صائمہ کی شہزاد سے شادی ہوئی اور وہ رخصت ہوکر شہزاد کے گھر آگئی۔ لیکن جیسے ہی شہزاد رات کو کمرے میں آیا تو صائمہ نے اس کو صاف صاف بتا دیا کہ۔

"میں تم کو اپنا شوہر نہیں مانتی وہ مراد سے پیار کرتی ہے میں نے اپنی ماں کی ضد پوری کرنے کے لیے تم سے شادی کی ہے لہٰذا تم کمرے سے باہر چلے جاؤ۔" یہ سن کر شہزاد کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ کہ ایسی غدار اور بے باک لڑکی جو شادی کی پہلی رات ہی اپنے پیار کی باتیں کر رہی ہے اور اسے ٹھکرا رہی ہے۔ وہ آپے سے باہر ہوگیا اور صائمہ کو مارنا شروع کردیا۔ صائمہ نے شور مچایا اور کمرے سے باہر آگئی کیونکہ شادی والا گھر تھا اور عزیز و اقارب گھر میں موجود تھے۔ یہ بات خود کھلی

اگلے دن صائمہ واپس اپنے میکے آگئی۔ شہزاد نے اس بات کا بہت برا منایا وہ کسی طور پر نہ مانا اور صائمہ کو طلاق دے دی۔ اب صائمہ کی ماں کو اپنی غلطی

کا احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا کیا کہ اپنی بیٹی کی خوشی نہ دیکھی اور اپنی ضد اور انا میں خود کو سارے خاندان میں تماشا بنالیا۔

خیر صائمہ نے امریکہ میں مراد کو فون کیا اور کہا کہ۔

"جلد واپس آؤ اور مجھے شادی کر کے لے جاؤ کیونکہ اب میں اور تم سے دور نہیں رہ سکتی۔" صائمہ کی یہ بات سن کر مراد بہت خوش ہوا کہ اس کی محبت اس کی ساتھ ہے اور صائمہ نے اپنے پیار سے وفا کرتے ہوئے آج بھی اسی کی رہنے کے لیے یہ سب کیا۔ مراد نے اپنے گھر فون کیا اور اپنی ماں کو منانا چاہا لیکن وہ اپنی بھابھی کی ضد کی وجہ سے دوبارہ رشتہ لے کر جانے پر راضی نہ ہوئی لیکن دوسرے ہی روز اس کی بھابھی اور بھائی خود ان کے گھر صائمہ کا رشتہ لے کر آ گئے۔ صائمہ کی ممانی اس کی امی کے پیروں میں بیٹھ گئی کہ۔

"مجھے معاف کر دو میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" خیر مراد کی امی دل کی بہت اچھی تھی۔ اس نے فوراً اپنی بھابھی کو اٹھایا اور اپنے گلے سے لگا لیا۔ یوں صائمہ اور مراد کا رشتہ دوبارہ پکا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی 15 دن کے اندر اندر شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔

صائمہ اور مراد تو بہت ہی خوش تھے۔ خاص طور پر مراد کیونکہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی محبت واپس مل رہی تھی۔

خیر خدا خدا کر کے شادی کے دن قریب آئے۔ شادی سے چار دن پہلے جس دن مراد کو واپس آنا تھا۔ اس کی گاڑی کا امریکہ میں ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ شدید زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا تھا۔

صائمہ اور مراد کا ملن شاید خدا کو منظور نہ تھا اور مراد زخموں کی تاب نہ لا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا...... جس دن مراد کی تیل مہندی کی رات تھی اسی دن شام کو 6 بجے اس کی میت گھر آئی۔ شادی والے گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ جوان جہان اکلوتا بیٹا جنازے کی صورت میں گھر پہنچا تو سارے محلے پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جب صائمہ کو مراد کی موت کا پتہ چلا تو وہ فوراً سکتے میں چلی گئی۔ اس کو جنازے میں لانے لیکن وہ تو ہوش سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ ہزاروں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ مراد کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آج اس واقعے کو 30 سال گزر چکے ہیں۔ صائمہ کے والد اور مراد کی والدہ اور والد بھی انتقال کر چکے ہیں۔ لیکن صائمہ اپنی شادی کا جوڑا آج بھی بار بار استری کرتی ہے اور مراد کے آنے انتظار کر رہی ہے۔ ائیر پورٹ جانے کی تیاری میں رہتی ہے اور وہ بوڑھی ہو چکی ہے اور اس کی والدہ بہت ضعیف ہو چکی ہے لیکن ہر روز خدا سے گڑگڑا کر بھی اپنے جینے کی دعا کرتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس کے بعد اس کی پاگل بیٹی کو کون سنبھالے گا..... آج اپنے کیے پر بہت پچھتاتی ہے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔

آپ لوگ بھی صائمہ کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں اب بھی اپنی مرضی پوری کر دے اور اس کی ماں کو بھی معاف فرمائے۔

عامل پیروں اور نجومیوں کا سنہرا جال

سید..... غضنفر علی

ہمارے ملک میں تعلیم کی کمی ہے' جس کی وجہ سے جہالت عام ہے۔ بعض جعلساز جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی بعض جاہل لوگ جعلی پیروں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے مرادیں مانگنے کی بجائے پیروں' عاملوں اور نجومیوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے نقش تعویذ وغیرہ منگواتے ہیں۔

بعض جعلساز عامل' پیر اور نجومی بن کر اخبارات میں اشتہارات شائع کراتے ہیں۔ وہ اشتہارات میں اپنا نام اور ایڈریس نہیں لکھتے بلکہ پوسٹ بکس نمبر لکھتے ہیں۔ وہ فی سبیل اللہ فری تعویذ دینے کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور بعد میں بذریعہ وی پی تعویذ نقش وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ بعض جعلساز بیک وقت ضرورت رشتہ' ضرورت فنکار اور تعویذ محبت کے اشتہارات شائع کرا کر عوام کو لوٹ رہے ہیں۔ چند جعلسازوں کے اشتہارات ملاحظہ فرمائیں۔

1- باکمال نقش کا زندہ کمال فی سبیل اللہ ہر جائز کام کے لیے رجوع کریں۔ ناجائز کام لینے والوں کا گناہ ان کے اپنے سر ہوگا۔ یہ نقش ایک باکمال بزرگ کی وصیت کے مطابق فی سبیل اللہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ نقش باموکل ہے۔ نقش کو استعمال کرتے ہی اس کے موکلات چوبیس گھنٹوں میں سنگدل محبوب کو ہمیشہ کے لیے آپ کا مطیع کر دیتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں دل پسند شادی میں رکاوٹیں دور ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور پھر اڑتالیس گھنٹوں میں دل پسند شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ اسی طرح دیگر مسئلے اور کام کم از کم وقت میں حل ہو جاتے ہیں کیونکہ تمام کام نقش کے موکلات کرتے ہیں۔ نقش منگوانے کے لیے خط میں اپنا مقصد نام والدہ کا نام ہمراہ جوابی لفافہ ارسال کریں۔ برائے رابطہ ارشد پوسٹ بکس نمبر 17638 لاہور۔

2- تمام عاملوں تعویذ و نقش کرنے والوں کو چیلنج' ہر مقصد میں کامیابی صرف چند گھنٹوں میں' ہر کام بالکل فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کروائیں۔ خواتین و حضرات ہمارے کیے ہوئے عمل سے آپ کا ہر کام دنوں میں نہیں بلکہ گھنٹوں میں ہوگا۔ ہم ہر کام فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کرتے ہیں۔ صرف چوبیس گھنٹوں میں سنگدل سے سنگدل محبوب آپ کے قدموں میں ہوگا اور آپ کو محبت میں کامیابی ہوگی۔ صرف چھتیس گھنٹوں میں آپ کی پسند کی شادی میں ہر قسم کی رکاوٹیں



دور ہو جائیں گی اور صرف اڑتالیس گھنٹوں میں ہر مشکل اور پریشانی دور ہو جائے گی۔ مثلاً گھریلو جھگڑے اولاد کاروبار بیماری امتحان وغیرہ خط میں اپنے کوائف اپنی والدہ کا نام اور جوابی لفافہ بھیجیں۔ جوابی لفافے پر اپنا پتہ صاف صاف لکھیں۔ حافظ شہباز پوسٹ بکس نمبر 1035 فیروز پور روڈ لاہور۔

3۔ تعویذ محبت حیران کن باکمال کن برائے تسخیر محبوب و حل مشکلات فی سبیل اللہ۔ خواتین و حضرات روگ عشق میں مبتلا دیتا ہے ٹھکرائے ہاں حالات سے تنگ دکھی انسان جو مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے زندگی کو بوجھ سمجھ بیٹھے

ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ میرے عمل اور تعویذ
محبت کی برکت سے حیرت انگیز طور پر صرف دو
دن میں محبت میں ناکامی اور سنگدل محبوب غلام
ہوتا ہے۔ تین دن میں دلپسند شادی میں تمام
رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ سات دن میں ہر قسم کی
پریشانیاں الجھنیں ختم اور خواہشیں پوری ہوتی
ہیں۔ آپ بھی خط لکھ کر تعویذ کی تجلی آب منگوا
کر مشکلات سے نجات پائیں اور سکھ کی زندگی بسر
کریں۔ خط میں اپنا مقصد نام والدہ کا نام ہمراہ جوابی
لفافہ بھیجیں۔ آستانہ عالیہ [illegible] پوسٹ بکس نمبر
99 [illegible] جی پی او۔

4- تمام عاملوں سے بد ظن اور مایوس ہر کام
میں گھر بیٹھے ہی حیرت انگیز کامیابی صرف تین یوم
میں پہلے کوئی ہدیہ نہیں۔ مقصد میں مکمل کامیابی
کے بعد حسب توفیق ہدیہ ہوگا۔ اگر آپ جگہ جگہ
کے تعویذ لے کر مایوس ہو چکے ہیں تو ایک بار مجھ
جیسے عاجز کو آزمائیں۔ انشاء اللہ آپ کی ہر مشکل
آسان ہوگی۔ مثلاً امتحان میں کامیابی' کاروبار میں
برکت' بری عادات سے چھٹکارا' اولاد نہ ہونا' من
پسند شادی اور سنگدل سے سنگدل محبوب مطیع
ہوگا۔ ہم خود پڑھائی کر کے نقشے تیار کرتے ہیں۔
آپ کو پڑھائی وغیرہ نہیں کرنی پڑے گی۔ خط میں
اپنا اپنی والدہ کا نام اور دلی مقصد لکھیں۔ جوابی لفافہ
ضروری بھیجیں۔ خط وکتابت صیغہ راز میں رہے
گی پوسٹ بکس نمبر 2165 لاہور۔

5- نقش قلندری برائے حل مشکلات فی
سبیل اللہ۔ جو لوگ مالی پریشانی' مقصد میں ناکامی
اور سنگدل محبوب کی بیوفائی سے مایوس ہو چکے
ہوں تو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوں۔ میں سید
ہوں۔ صدیوں سے مشہور ولی کامل [illegible] مرشد
خاندان کی لڑی سے ہوں۔ مجھے ورثہ میں نقش
قلندری دکھی انسانوں میں تقسیم کرنے کا حکم ہوا
ہے جو میرے جدی پشتی بزرگ لوگوں کو خود
تقسیم کرتے تھے۔ سبحان اللہ کی برکت سے صرف
تین دن میں پتھر دل محبوب مطیع اور محبت میں
کامیابی ہوتی ہے۔ پانچ دن میں دل پسند شادی میں
ہر قسم کی رکاوٹیں ختم ہوتی ہیں۔ سات دن میں
تمام پریشانیاں گھریلو جھگڑے تعویذوں کا اثر دشمن
کو زیر کرنا' لاعلاج بیماری' اولاد کا نہ ہونا غرضیکہ ہر
مصیبت ختم اور تمنا پوری ہوتی ہے۔ ضرورت
مند جوابی لفافہ بھیج کر نقش مفت منگوا کر دعائیں
دیں۔ آستانہ عالیہ سیدی مرشدی پوسٹ بکس نمبر
281 جی پی او لاہور۔

فی سبیل اللہ اور بغیر ہدیہ کے نقش تعویذ دینے
کے دعویداروں کے کرتوت ملاحظہ فرمائیں وہ اپنے
خطوط میں کیا فرماتے ہیں۔ تمام دعویداروں نے
ایک ہی قسم کے خطوط پرنٹ کروا رکھے ہوئے ہیں
یہی خطوط ہر امیدوار کو بھیج دیے جاتے ہیں۔

مکرمی و محترمی چوہدری صفدر علی صاحب۔

السلام علیکم! آپ کا خط موصول ہوا بے حد
شکریہ۔

آپ کے کام کے بارے میں آگاہی ہوئی۔
آپ کے کام کے لیے حساب کیا گیا ہے اور حساب
سے یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کا کام انشاء اللہ
تعالیٰ ضرور ہو جائے گا۔ یہ بیان کرنا مناسب ہوگا
اگر کام ہونے والا ہو تو نقش تیار کیے جاتے ہیں۔

ورنہ معذرت کر لی جاتی ہے۔ ہم عبادت و ریاضت کے بعد نقش تیار کرکے بھیجتے ہیں۔ آپ کو خود پڑھائی وغیرہ نہیں کرنا پڑے گی' جس دن آپ کا امراہ خط موصول ہوگا اس کے ٹھیک دو تین دن کے بعد آپ کو نقش بمعہ طریقہ استعمال پہنچ جائے گا۔ آپ اس نقش کو ایک بار ضرور آزمائیں۔ آپ کی مراد انشاء اللہ ضرور پوری ہوگی۔ آپ ساری عمر دعائیں دیں گے۔ اللہ کے حکم سے آپ کا کام آپ کی سوچ سے بھی جلد ہو جائے گا۔ اگر معمولی خرچے سے آپ کو اپنے دلی مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے اور آپ کی پریشانیاں اور الجھنیں دور ہو سکتی ہیں تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوگی۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ جنگ اخبار میں ایک دن کا اشتہار 17009 روپے میں چھپتا ہے اس کے علاوہ زعفران' اگر بتی' لوبان' مشک اور زم زم آب خرچ وغیرہ پر بھی اخراجات آتے ہیں۔ (اخبار میں اشتہار دینا ضروری ہوتا ہے تاکہ آپ لوگوں سے رابطہ ہو سکے) لیکن اس وقت آپ سے صرف اخبار کے اشتہار اور نقش کی تیاری پر ہونے والے اخراجات لیے جا رہے ہیں۔ یہ انتہائی مجبوری ہے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہ سکے۔ نقش فی سبیل اللہ (بغیر ہدیہ) کے دیا جا رہا ہے۔ آپ کے کام پر مبلغ 2550 روپے کے اخراجات آئیں گے۔ آپ اپنے پوسٹ مین کو رقم دے کر نقش وصول کریں۔ اگر آپ پوسٹ مین کے آنے کے وقت اپنے پتے پر موجود نہیں رہ سکتے تو وی پی کی رقم کسی عزیز' رشتہ دار یا معرفت والے شخص کو دے دی جائے تاکہ وہ نقش وصول کرکے آپ کو دے دے۔ خدا آپ کو سدا خوش رکھے۔ ہمیشہ خوشیاں آپ کے قدم چومیں اور آپ کی مرادیں اور خواہشات پوری ہوں۔ آمین۔

والسلام' خط و کتاب کا پتہ

پوسٹ بکس نمبر 1240' جی پی او' لاہور۔

ایک دوسرے خط میں مجھ سے 1350 روپے طلب کیے گئے۔ یہ بھی زعفران' اگر بتی' لوبان' مشک صندل اور دیگر وغیرہ پر خرچ ہوا تھا اس خط میں میرے تمام کام ایک ہی نقش کی وجہ سے ہونے کی خوشخبری سنائی گئی۔ یہ نقش محمد اشرف مرادی معرفت پوسٹ بکس نمبر 2352 سے بھیجا گیا۔

تیسرے خط میں مجھ سے 1435 روپے طلب کیے گئے۔ نقش بذریعہ وی پی بھیجا گیا اور مجھے خوشخبری سنائی گئی کہ میرا کام 48 گھنٹوں میں ہو جائے گا کیونکہ بذریعہ عملیات پڑھائی کرا کر معلوم کر لیا گیا تھا کہ میرا کام ہو جائے گا۔ مجھے بتایا گیا جس وقت نقش ہاتھ میں آئے گا پہلے گھنٹوں میں کام ہونے کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں کام ہو چکا ہوگا۔

مجھے لکھا گیا کہ 1540 روپے تو خرچہ وصول کیا جا رہا ہے۔ اس لیے بذریعہ موکلات حاضرات پڑھائی کی گئی۔ عملیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ آپ کے مسئلے کا حل ہر طرح سے ممکن ہے۔ جس کی تصدیق موکلات سے بھی کرائی گئی ہے۔ آپ کا کام سو فیصد میرے بتائے ہوئے وقت میں ہوگا۔ نقش زبردست طاقت کا حامل اور تیز اثر ہے' جس وقت نقش ہاتھ میں آئے گا مسئلے کے حل میں ہو

بھی رکاوٹیں ہیں وہ دور ہونا شروع ہو جائیں گی اور دیکھتے ہی دیکھتے کام ہو جائے گا۔ آپ خود اور دوسرے لوگ حیران رہ جائیں گے کہ یہ کام کیسے ہوگیا۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اخبار میں اشتہار کا خرچہ، نقش ارسال کرنے کا ڈاک خرچ اور خاص کر آپ کے کام کے لیے عملیات کے دوران موکلات کی نیاز آپ کی طرف سے دینا بہت ضروری ہے تاکہ آپ کے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ چنانچہ آپ کے کام کے لیے کل اخراجات 1500 روپے ہوں میں آپ کے کام کے لیے اپنے پاس سے خرچ کر رہا ہوں تاکہ آپ کے کام میں کوئی دیر نہ ہو۔ میری طرف سے آپ کے مسئلے کے حل کے لیے عملیات پر کی گئی محنت عبادت و ریاضت فی سبیل اللہ ہے۔ جس دن آپ کو میرا خط موصول ہوگا اس کے ٹھیک دو یا تین دن بعد آپ کو نقش بمعہ طریقہ استعمال پہنچ جائے گا۔ آپ ڈاکیے کو مبلغ 1500 روپے دے کر نقش وصول کرلیں جونہی آپ نقش وصول کریں گے میرے عمل کا اثر آپ پر فوراً منتقل ہو جائے گا۔

☆ تمام جعلسازوں نے خوشخبری سنائی کہ کام ہو جائے گا۔

☆ تمام جعلسازوں نے بذریعہ وی پی نقش بھجوائے۔

☆ تمام جعلسازوں نے اپنا ایڈریس لکھنے کی بجائے صرف پوسٹ بکس نمبر لکھے۔

☆ تمام جعلسازوں نے اپنے فرضی نام لکھے۔

☆ ایک جعلساز نے لکھا ہے کہ میں جس لڑکی سے محبت کرتا ہوں میری شادی اڑتالیس گھنٹوں میں ہو جائے گی۔ میں نے جعلساز کو لکھا کہ میں آپ کی صاحبزادی سے محبت کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکی اور اس کی والدہ کا نام آپ سے بہتر کون جانتا ہے اس لیے فوری طور پر ایسا نقش روانہ کریں کہ میری شادی آپ کی صاحبزادی سے ہو جائے۔

میں نے یہ بھی لکھا کہ آپ نے جعلسازی کے جرم میں ایک نہ ایک دن جیل جانا ہے اس لیے جیل جانے سے پہلے پہلے صاحبزادی کے ہاتھ پیلے کر جاؤ مگر جعلساز نے میرے خط کا جواب نہ دیا۔

میں نے پوسٹ ماسٹر جنرل کو لکھا کہ مجھے ان جعلسازوں کے نام اور پتے درکار ہیں جو ضرورت رشتہ، ضرورت فنکار، نقش محبت، ضرورت ملازمین کے اشتہارات شائع کرا کر عوام کو لوٹ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے چند پوسٹ بکس نمبر بھی لکھے مگر پوسٹ ماسٹر جنرل نے مجھے مذکورہ پوسٹ بکس نمبر حاصل کر کے عوام کو لوٹنے والے جعلسازوں کے نام اور پتے نہ دیئے۔

عوام کو چاہیے کہ وہ بھی جعلسازوں کے خطوط پڑھ کر ہرگز خط نہ لکھا کریں۔ وہ یہ سوچیں کہ جو عامل، نجومی یا پیر دنیا جہاں کا ہر کام کروا سکتا ہے وہ اپنے کام کیوں نہیں کرواتا۔ وہ آپ سے دو ڈھائی ہزار روپے کیوں طلب کر رہا ہے۔

حکومت چاہیے کہ وہ تمام عاملوں، نجومیوں اور جعلی پیروں کا محاسبہ کرے۔ تعویذ محبت کے اشتہارات شائع کرانے والے تمام جعلسازوں کے نام اور پتے معلوم کر کے ان کے خلاف قانون کے تحت کارروائی کی جائے۔

ایسے بھی فرزانے

تحریر..... دوست محمد

میں اسے کئی دنوں سے یونہی آوارہ گھومتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ پاگل نہیں تھا۔ مگر حالات کے پے در پے حملوں نے اسے پاگل بنا دیا تھا۔۔۔ اس کی آنکھیں الجھی الجھی سی رہتی تھیں۔۔۔ آنکھوں میں حسرت و یاس کی پرچھائیاں اسے بے کس اور دنیا کا باغی بتا رہی تھیں۔۔۔ مگر اس کی اچھی شکل وصورت اور مضبوط جسم اس بات کی دلیل تھے کہ وہ پاگل نہیں ہے۔۔۔ وہ اکثر ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانہ میں پڑا رہتا تھا۔۔۔ کھانے کے لیے اسے کوئی بچا کھچا مل جاتا تو وہ پیٹ بھر لیتا ورنہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز اپنی دھن میں پڑا رہتا تھا۔۔۔ میں نے اسے مانگتے ہوئے عام بھکاریوں کی طرح کبھی نہیں دیکھا تھا اور اس کا یہی روپ دیکھ کر میرا جذبہ تجسس بڑھنے لگا تھا۔۔۔ میں اسے دیکھ کر سوچنے لگ جاتا تھا کہ اس سے پوچھوں وقت کے سنگدل ہاتھوں نے اس سے کیا چھین لیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ ہو گیا ہے۔۔۔ مگر اس سے بات کرنے کی ہمت پیدا نہ ہو سکی۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دے یا اپنے پاگل پن کی وجہ سے گلے کا ہار ہی بن جائے۔۔۔ کئی دنوں تک میں اسی کشمکش میں مبتلا رہا مگر ایک دن ہمت کر کے اس کے پاس چلا گیا۔۔۔ بابا لے لو۔۔۔ میں نے دس روپے کا نوٹ اس کی مٹھی میں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا کہ بابا نے بڑی حقارت کے ساتھ نوٹ کو پرے پھینک دیا اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگ گیا تھا۔۔۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی کیونکہ میرے حساب سے اسے دس روپے کا نوٹ قبول کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن اس نے دس روپے کا نوٹ دھتکار دیا تھا۔۔۔ دولت کی خاطر لوگ تو طرح طرح کے پاپڑ بیلتے ہیں مگر یہ فقیر دولت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔۔۔ اس بوڑھے کو زر و دولت سے نفرت تھی۔ عجیب قسم کے خیالات میرے دل میں انگڑائیاں لے رہے تھے۔۔۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا کہ وہ مجھے ابھی تک گھورے جا رہا تھا۔۔۔ میرے دل میں ایک ترکیب آئی اور میں نے بات کا رخ تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔ بابا، تمہارا کوئی بیٹا ہے۔۔۔ بیٹے کا نام سن کر وہ ایک دم چیخ پڑا تھا۔۔۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔۔۔ میرا بیٹا۔۔۔ اسی دن مر گیا تھا۔۔۔ جب اس نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔۔۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔۔۔ میرا بیٹا۔۔۔ اس پر اچانک پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔۔۔ اور وہ بڑی اونچی آواز میں واویلا کرنے لگ گیا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا تھا۔۔۔ لیکن تمام رات بابا کی



میری سوچوں کا محور رہا تھا۔ وہ میری ٹیم میں تھا ان کے
ہاتھوں مجبور ہو کر بابا جی کے پاس چلا گیا۔ میں نے
ہوٹل والے سے چائے منگوائی اور بابا جی کو پیش کی
تھوڑی سی پس و پیش کے بعد چائے انہوں نے پیالی
اور تشکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے ان کی
آنکھوں میں میرے لیے شناسائی کا ہلکا سا تاثر ابھرا
میں نے ان سے پوچھا بابا جی آپ کے ساتھ یہ
ٹریجڈی ہوئی ہے۔ آپ کس شہر اور گاؤں کے ہو

کردار مختلف رہتے ہیں۔ لوگ آپ کو پاگل کہتے
ہیں بابا۔ آپ پاگل لگتے ہیں۔ بابا جی آپ سے
ساتھ ایسا کیوں ہوا آپ نے ہمیشہ [illegible] آپ
اپنے دکھوں کی [illegible] دیکھتے اس طرح آپ
کے اس [illegible] ہو جاتا ہے۔

ہاں بابا! ہم تھک گئے ہو کسی سے دل کا حال کہہ
دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ کوئی
کے دل کا بوجھ [illegible]

گا۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا مگر میری باتوں کا تمسخر مت اڑانا۔ میں پہلے ہی حالات کے ہاتھوں بہت زیادہ زخم خوردہ ہوں یادوں کا دھواں کرچیاں بن کر مجھے تباہ و برباد کر رہا ہے۔ میں نے ایک ایسے گھرانے میں جنم لیا تھا جہاں ہر طرف پیسے کی ریل پیل تھی مگر گھر کا سربراہ نہایت جاگیردار اور ڈکٹیٹر قسم کا انسان تھا۔ میرا باپ اپنے پورے گھرانے پر ڈکٹیٹر کی طرح حکومت کرتا تھا۔ ایسی حکومت جس میں میرے باپ کے سامنے کسی کو بات کی جرات نہ تھی۔۔۔ ہم بدی پشتی نواب تھے۔ میرا باپ اپنے آپ کو لکھنوی نواب کہلوانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ اس کے نوابوں جیسے ٹھاٹھ باٹھ ہوا کرتے تھے مگر اس کے برعکس ان کی آمرانہ طبیعت نے گھر کے سارے سکون کو تلپٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ امی بے چاری تو سارا سارا دن میرے باپ کے نوابی مہمانوں کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرتی رہتی تھی اور ہم سب بہن بھائی باپ کی سخت طبیعت کی وجہ سے سہمے سہمے رہتے تھے۔ بات بات پر ہمارا باپ ہمیں مارنے لگ جایا کرتا تھا۔ وقت کا پہیہ چلتا رہا۔ ہم سب بہن بھائی جوان ہو گئے مگر پھر بھی کسی نہ کسی بہانے ہمارا باپ ہمیں ڈانٹتا رہتا تھا۔ سب سے زیادہ تنگی اور ڈانٹ ڈپٹ مجھے ہی پڑا کرتی تھی۔ کالج میں ہر ایک کے ساتھ لڑتا رہتا تھا اس لیے لڑکے مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ مجھے بہت کم ملتے تھے۔ میں دوسرے لڑکوں کو اکٹھے چلتے پھرتے دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتا رہتا تھا زندگی کے دن میرے لیے عذاب بنے ہوئے تھے۔ کالج سے واپس آتا تو گھر میں وہی خشک ماحول میرا منتظر ہوتا تھا۔ دن گزرتے رہے باپ کی سختیاں بڑھتی گئیں۔ میرا کوئی دوست نہ تھا۔۔۔ والدہ وہ بھی کمزور تھی اس کی بھی [illegible] سب سے الگ تھلگ

رہتا تھا۔ میری امی کے میرے بارے کیا جذبات تھے میں بالکل نہ جان سکا تھا۔ گھر کے خشک ماحول کی وجہ سے وہ بھی احساس کمتری میں مبتلا رہتی تھیں۔ اول تو انہیں گھر کے کاموں سے فرصت ہی بہت کم ملتی تھی اگر کچھ لمحات انہیں میسر آتے تھے تو وہ تھک ہار کر چارپائی پر لیٹ جاتی تھیں وہ اکثر و بیشتر خاموش رہتی تھیں۔ مجھے سکون کی ضرورت تھی مجھے قرار چاہیے تھا۔ چنانچہ سکون کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ کبھی رسالوں کا سہارا لیتا تھا اور کبھی کبھار دن کے ٹائم گھر والوں سے چھپ چھپ کر فلمیں دیکھتا تھا۔ کہتے ہیں انسان برائی کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے آہستہ آہستہ فلموں کی طرف میری رغبت زیادہ ہوتی گئی اور میں ہر ہفتے نئی فلم دیکھنے لگا تھا۔ ایک فلم میں دوسرے کرداروں کے علاوہ طوائف کا کردار بھی تھا۔ میں نے وہ فلم دیکھ کر اندازہ لگایا تھا۔ طوائف مظلوم ہوتی ہے۔ مجبور ہوتی ہے۔ اس پر معاشرے کے لوگ بہت زیادہ ظلم کرتے ہیں۔ میں طوائف پر ظلم اور زیادتی دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال ابھر آیا میں ایسے کسی کردار سے ملوں اور زندگی میں اس کے لیے کچھ کر سکوں۔ اس مقصد کے لیے میں ایک بار طوائفوں کے بازار چلا گیا لیکن میری شرافت نے مجھے کسی طوائف سے بات نہ کرنے دی وجہ یہ تھی کہ میں احساس کمتری کا شکار تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس دن میرا دل بہت خوش تھا جیسے مجھے قاروں کا خزانہ مل گیا تھا اب میں اکثر چھپ چھپ کر بازار حسن کے چکر کاٹنے لگ گیا تھا۔ میں ان مجبور طوائفوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا تھا۔ ایک دن کسی نے میرے باپ کو بتا دیا کہ میں بازار حسن میں گھومتا رہتا ہوں۔ اس روز میری شامت آ گئی میرے باپ نے مجھے کرخت آواز میں پوچھا۔ تم کہاں گئے

تھے۔ میں نے کہا کالج میں۔۔۔ بس پھر کیا تھا میرے
باپ نے لاتوں اور گھونسوں کی مجھ پر بارش کر دی۔ امی
بے چاری سہم کر مجھے مار کھاتے دیکھ رہی تھیں مگر وہ
میرے باپ کو منع نہیں کر سکتی تھیں۔ یہ خبر گھر سے
نکل کر محلے اور میرے رشتہ داروں تک جا پہنچی اور پھر
میری جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہو گیا۔
میرے باپ نے نہایت عجلت میں میری شادی ایک
ان پڑھ لڑکی سے کر دی۔ میں ایک حد تک پڑھا لکھا تھا
اور میری دلی تمنا تھی کہ میری شریک حیات پڑھی
لکھی اور خوبصورت ہو مگر میری خواہش کو روند دیا گیا
بلکہ برادری کی ایک ان پڑھ اور نہایت ہی بدصورت لڑکی
سے میری شادی کر دی گئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت
زیادہ دکھ ہوا تھا میرے باپ نے میرے ہی جذبوں کا
استحصال کر دیا تھا لیکن میں نے پھر بھی نصیبوں کی ہرزہ
سرائی سمجھ کر اسے قبول کر لیا تھا اگرچہ ہماری طبیعتوں
میں زمین و آسمان کا فرق حائل تھا مگر وہ حد سے زیادہ
کم عقل تھی۔ میں چاہتا تھا وہ مجھ سے پیار کی باتیں کرے
کچھ میری سنے اور کچھ اپنی کہے مجھ سے میری ساری
عمر کی محرومیاں چھین لے مجھے ڈھیر سارا پیار کرے مگر
وہ ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ میں کوئی بات کرتا تو
وہ اونچی آواز سے چیخنے چلانے لگ جاتی تھی۔ وہ
ہر کام میری مرضی کے خلاف کرتی تھی حالانکہ میں
چاہتا تھا کہ وہ مجھے پڑھے جب میں گھر آؤں تو
وہ [illegible] مسکراتے چہرے کے ساتھ خوش آمدید کہے مگر وہ
ان سب باتوں سے بے نیاز تھی۔ میں ہر وقت اس کی
یہ حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ اسی عرصے میں میرے
باپ کا انتقال ہو گیا۔ میرے رشتہ داروں نے اپنی اپنی
ہمدردیاں جتانا شروع کر دی تھیں کیونکہ میں اپنے
باپ کی ساری جائیداد کا واحد وارث تھا اتنی ساری
دولت [illegible] سے ہاتھ [illegible] آ گئی تھی۔ مجھے تو

صرف سکون چاہئے تھا۔ بے لوث محبت چاہئے تھی۔
زخم خوردہ دل کا قرار چاہئے تھا۔ مگر محبت کے چند لمحے
میرے نصیب میں نہ تھے مجھے محبت کی ضرورت تھی
مگر مجھے محبت کا انمول خزانہ کہیں سے نہیں مل رہا
تھا۔ میری جیب میں باپ کی وفات کے بعد پیسے آ گئے
تھے اس لئے میں یہ سمجھتا تھا ہر کوئی میری راہوں میں
آنکھیں بچھا رہا تھا۔ میں سکون کی خاطر پھر سے بازار
حسن جانے لگا تھا۔ اب مجھے کوئی روک ٹوک کرنے
والا نہیں تھا۔ مجھے کوئی فکر نہیں تھی مجھے کسی کا ڈر
نہیں تھا دن گزرتے جا رہے تھے اور میں گناہوں کی
بستی میں بالا مست ہو رہا تھا۔ میں خوش تھا کیونکہ میری
جیب میں پیسے دیکھ کر ہر والی مجھ سے محبت کر رہی
تھی۔ پیسے کے عوض وقتی طور پر مجھے کسی کی چاہت
مل رہی تھی۔ کوئی مجھ سے محبت کر رہا تھا کوئی مجھے چاہ
رہا تھا۔ میں اپنی دنیا میں مگن تھا میرے شب و روز
بازار حسن کی نازنینوں کے سائے تلے گزر رہے تھے کہ
قضا نے مجھے پکارا۔ بیٹی کی پیدائش پر میں نے گھر
کے خوشیاں منائی تھیں کیونکہ میرے گھر میں پیسے کی
ریل پیل تھی۔۔۔ اور پیسے کے ہوتے ہوئے میں
دل سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔ کئی دنوں تک گھر
میں مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مہمان
چلے گئے تو کئی دنوں بعد میں بازار حسن کی طرف چلا گیا
کئی راتوں کی تشنگی دل مٹانا چاہتی تھی۔ میں وہاں پہنچا تو
رقص و سرود کی محفل جمی ہوئی تھی اور [illegible] میرے
میرے منتظر تھے۔ میں جب ان سے ملا تو گویا مجھے
سکون مل گیا تھا۔ میری بیوی بیٹی کی کم اوقات نظر
انداز کر گئی تھی اب تو اس [illegible] بیٹی کی طرف
چلا گیا تھا میرے [illegible] اور [illegible] کی
زہر [illegible] آ گئی تھی۔ میری بیوی نے ابھی میری دل جوئی
نہیں کی تھی [illegible] نہیں پائے تھے۔ میرے

غم بانٹنے کی بھی کوشش نہ کی تھی۔ وہ میرے دل کی خوشیوں کی قاتل تھی۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد اس کی بے رخی مزید بڑھ گئی تھی میں زیادہ تر وقت بازار حسن میں گزارنے لگا تھا۔ بازار حسن کی یوں تو سبھی طوائفوں کو مجھ سے محبت تھی مگر پروین بولی کو مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی میرے دل میں بھی اس کے لئے محبت کے دریا اپنی جولانیوں پر تھے وہ میری آنکھوں کے ذریعے دل میں اتر گئی تھی اس کی من موہنی صورت ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے محو رقصاں رہتی تھی اس کی ایک دن کی جدائی میرے لئے بار گراں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے اسے اپنا دکھ بتایا تو وہ تڑپ کر رہ گئی تھی وہ میرے زخموں کا مسیحا بن کر میرا دکھ درد بانٹ رہی تھی۔ مجھے بھی اس کی قربت میں بہت زیادہ سکون ملتا تھا۔ میں اس کی چاہتوں کی شدت کو دیکھ کر اپنے آپ کو خوش نصیب تصور کرتا تھا۔

جب اس نے اپنے دل پر لگے زخموں کا بخیہ چاک کر کے دکھایا تو میں لرز کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی خواہشات کی صلیب پر لٹک رہی تھی۔ اسے جسم فروشی کے دھندے سے نفرت تھی مگر ماں کی سختیاں اسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ وہ گناہ کی اس بستی سے نکل کر شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھی مگر اسے کوئی ایسا مہربان نہیں مل رہا تھا جو اسے گناہوں کی بستی سے نکال کر شریفوں کے محلے میں لے جاتا اور وہ زندگی کے باقی ماندہ دن اس کے آسمان کی چھت کے نیچے گزار دیتی۔ میں نے پروین بولی سے وعدہ کر لیا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں اس گناہ آلود زندگی سے دور لے جاؤں گا مگر میری ایک شرط ہوگی تم زندگی کے ہر مشکل مقام پر میرا ساتھ دوگی۔ اس نے میرے ساتھ جینے مرنے کا وعدہ کر لیا تو جب اس نے میرا بھرپور ساتھ دینے کا مصمم وعدہ کیا تو میں جذباتی سا ہو گیا تھا کیونکہ زندگی میں پہلی بار مجھے وہ چیز مل رہی تھی جس کی میں نے خواہش کی تھی ورنہ میرے ماضی میں تو ہر قدم پر میری خواہشات کا بت پاش پاش ہوتا رہا تھا۔ خوشی سے خیالات کا سمندر میرے دل کے پاتال میں کروٹیں لینے لگا تھا پروین بولی میری زندگی میں ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند آ رہی تھی۔ ایک رات میں نے پروین بولی کی ماں سے بات کی تو پروین کی ماں نے اس کی قیمت بیس ہزار روپے لگائی میں حیران و پریشان ہو کر رہ گیا کیونکہ اس زمانے میں بیس ہزار کی حیثیت بہت زیادہ تھی۔ میں بیس ہزار کا نام سن کر کچھ دیر کے لئے سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا تھا مگر جب میں نے پروین کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹ گیا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے التجا کی تھی خدا کے لئے مجھے ان گناہوں کی زندگی سے نکال لے جائیں ورنہ میرا ایمان پر دم گھٹ جائے گا اور میں حرام کی موت مر جاؤں گی۔ میں نے پروین بولی کی ماں سے کچھ دنوں کی مہلت لی تاکہ رقم کا بندوبست کر سکوں۔ یہ میں ہی جانتا تھا کہ میں نے بیس ہزار روپے کس طرح اکٹھے کئے تھے۔ پروین بولی کی محبت پانے کی خاطر میں نے کیا بیچا تھا اور کیا کھویا تھا مگر دل کی تسکین کی خاطر میں نے سب گوارا کر لیا تھا حسب وعدہ میں بیس ہزار روپے لے کر اپنے محبوب کے در پر پہنچ گیا تھا اس کی ماں نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر میرے آگے بچھی جا رہی تھی۔ جب میں نے بیس ہزار روپے اس کے حوالے کئے تو وہ میری ممنون نظر آ رہی تھی اس کی ماں نے میرے سر کی بلائیں لی تھیں اور میں تمام رات پروین بولی کے زرخیز جسم سے اپنے دل کی تشنگی کم کرتا رہا تھا۔ اس کا خوبصورت جسم تمام رات میرے رنگین جذبوں کو تقویت دیتا رہا

تھا۔ پروین بولی نے بھی اس رات دل کھول کر اپنے
پیار کی بارش مجھ سوختہ جان پر کر دی تھی۔ اس رات
مجھے جتنا سرور ملا تھا میں نے زندگی میں اس کا کبھی تصور
بھی نہیں کیا تھا۔ صبح جانے سے پہلے میں نے پروین
بولی کو حوصلہ دیا کہ میں بہت جلد تمہاری رہائش کا
بندوبست کر کے لوٹ آؤں گا۔ الوداع ہوتے ہوئے
جب میں نے اس کے مرمریں چہرے پر اپنے پیار کی
الوداعی مہر ثبت کی تو اس نے وفور جذبات سے مغلوب
ہو کر مجھے اپنے سے لگا لیا تھا حالانکہ میں پوری رات
اس کے جسم سے کھیلتا رہا تھا مگر اس لمحے وارفتگی کے
عالم میں مجھے جو کیف ملا تھا اس کی کیفیت بیان کرنے
سے میں قاصر ہوں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے
محبوب کو الوداع کہہ کر کوٹھے کی سیڑھیاں اتر گیا تھا۔
تمام راستہ اس کے پیار کی باتیں میرے دل کو تڑپاتی
رہی تھیں۔ میں جلد از جلد ایک مکان لے کر پروین کو
لے آنا چاہتا تھا۔ میرے دل پر مدتوں کی جو ویرانی
چھائی ہوئی تھی میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ
لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ایک بے غیرت
انسان تھا جو اپنی بیوی کی موجودگی میں طوائف کے
دامن میں سکون تلاش کرتا تھا۔ میں نے شروع میں بتا
دیا تھا کہ میں اپنی بیوی سے جس پیار اور محبت کا متلاشی
تھا اس سے وہ پیار مجھے کبھی بھی حاصل نہیں ہوا تھا
میرے دل بے قرار پر اپنے پیار کی بارش کی جائے وہ
مجھے بیوی کے ہاں نوازشات میں تڑپاتی تھی۔ اس
نے کبھی بھی اپنے پیار کا چھینٹا میرے دل پر نہیں رکھا
تھا۔ میں جوان ہونے کے ناطے تمناؤں کی آگ میں جلتا
رہتا تھا۔ نجانے اس کا خمیر کس مٹی سے بنا ہوا تھا وہ
دل کے تمام جذبوں سے عاری تھی۔ اسے میری
ضرورتوں کا بھی خیال نہیں رہتا تھا۔ میں بچپن سے ہی
محرومیوں کا شکار تھا۔ اس لئے میں عارضی سہاروں کی

تلاش میں اس بازار میں چلا گیا تھا اور اس بازار کی ایک
بازاری عورت نے میرے دل کی تشنہ لبی کو سیراب کر
دیا تھا۔ اس کا پیار پا کر میرے دل کے ویرانے میں بہار آ
گئی تھی اور خوشی سے مخمور میری آنکھوں کے سامنے
ستارے ناچنے لگے تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے
شریفوں کے محلے میں ایک مکان حاصل کر لیا اور
ضروریات زندگی کا تمام سامان اس میں سجا دیا تھا۔ میں
دل ہی دل میں آسمان کی رفعتوں میں اڑا جا رہا تھا کہ
اب میں اپنے دل کی دھڑکن کو عیش کے لئے لوگوں کی
غلیظ نگاہوں سے بچا کر اپنی اس چھوٹی سی دنیا میں لے
آؤں گا۔ پھر میرا محبوب ہوگا۔ اس کی رفاقتیں ہوں
گی۔ اس کی قربتیں ہوں گی۔ زندگی کے دن کتنے پر
کیف اور حسین ہو جائیں گے۔ میں اس لمحے کا سوچ
سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا جب کسی سہانی صبح ہوگی
پروین بولی میرے اس خوشیوں کے حسین آنگن
میں اپنا پہلا قدم رکھے گی۔ اور پھر وقت کی تیز رفتار
تھم جائے گی۔

میں خوشی کے ان سرشار لمحوں میں کھو کر جب
کوٹھے پر پہنچا تو میرا محبوب مجھے نظر نہیں آ رہا تھا جب
پروین کی ماں سے میرا سامنا ہوا تو میں نے پروین کے
متعلق پوچھا۔ اس نے بڑی بے رخی سے کہا۔ اندر
ہے۔ میں اندر کی طرف لپکا تو دیکھا کہ دروازہ
اندر سے بند تھا اور اندر سے شیطانی قہقہوں کی
آوازیں آ رہی تھیں۔ میں غصے سے پاگل ہو گیا اور
میرے اندر کا خون کھول اٹھا تھا۔ میں نے دروازہ پیٹنا
شروع کیا تو اس کی ماں نے ہاتھ روک لیا اور بڑی
ڈھٹائی کے ساتھ کہنے لگی چند منٹ ٹھہرو۔ پروین
فارغ ہونے والی ہے۔ میرے پیار کی قیمت لگنے
لگی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں پر نگاہ ڈالی تھیں میں
خون رو پڑے تھے۔ میں آگے نہ جا سکا تھا

آنکھیں دکھاتا ہے۔ دشمن نکلتے پروین کی ماں مجھ پر برس پڑی تھی اور میں بے نقابوں کی طرح اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو میری راہ میں اپنی آنکھیں بچھایا کرتی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو پروین تیر کی طرح اندر سے باہر آئی۔ تو میں نے اس سے پوچھا پروین یہ کیا ڈرامہ ہے۔ تم تو میرے پیار میں پاگل تھی اور میں تمہاری چاہت میں دیوانہ تھا۔ اس نے عجیب سا منہ بناتے ہوئے کہا۔۔۔ اوہ۔۔۔ کون پاگل اور کون دیوانہ۔۔۔ سامنے سٹرھی یہ طوائفوں کا کوٹھا ہے۔ یہاں ہر چیز وقت اور حالات کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ میرے بھی حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ میری منگنی ہو گئی ہے۔ شریف لوگوں سے مجھے ازلی نفرت ہے۔ بھلا میں شریفوں کے محلے میں جا کر کیا کروں گی۔ میں نے کہا پروین تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔ میں نے تمہاری ماں کو تمہاری قیمت بھی ادا کر دی ہے۔ آؤ چلیں اس گندے ماحول سے بہت دور میں نے شریفوں کے محلے میں تمہارے رہنے کے لئے مکان بھی لے لیا ہے۔ اس نے بڑی نفرت کے ساتھ میرے چہرے پر تھوک دیا تھا۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ان کے پالتو غنڈوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ زخموں سے چور چور ہو کر میں بڑی مشکل سے بچ کر آیا تھا۔ جیسے تم میرے جسم سے تھے اور یہ میری روح کو تڑپاتے تھے۔ میں خاندانی شریف تھا اس لئے خاموش ہو گیا تھا۔ طوائف زادی کا نام سن کر میری آنکھیں کھل گئی تھیں اس نے میرے ساتھ جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ میں نے اس چنچل اور جھوٹی عورت پر اعتبار کرتے ہوئے دل کے تمام دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر اس کی نظروں میں تو صرف پیسہ تھا اس نے میرے اعتبار کی دھجیاں اڑا دی

تھیں حالانکہ میں اس کے نام اپنی آدھی جائیداد کرنے کا سوچ رہا تھا۔ مگر ان بے ہودہ لوگوں کی ذہنیت کا بہت جلد پتا چل گیا۔ پروین جیسی حسین اور اس کی ماں عورت کے نام پر ایک دھبہ تھیں۔ وہ ناگن ڈائن اور چڑیل تھیں انہوں نے پیسے کے ساتھ ساتھ میرے دل کا سکون بھی لوٹ لیا تھا۔ اس دن کی تذلیل کے بعد میں نے پھر کبھی اس بازار کا رخ نہیں کیا تھا۔ خوبصورت چہروں کے پیچھے وہاں کے باسی بہت سفاک اور منافق تھے۔ نہ جانے مجھ جیسے کتنے سادہ دل لوگ ان کے ہاتھوں برباد ہو گئے ہوں گے۔ وہاں کی رہنے والیوں نے اپنی چالوں کی بدولت کتنے لوگوں کو لوٹ لیا ہو گا۔ محبت کا فرضی ڈرامہ رچا کر کتنے ہی شریف لوگوں کو ڈس لیا ہو گا۔ ان کی زہریلی مسکراہٹوں سے کتنے دلوں کا سکون غارت ہوا ہو گا۔ میں جتنا ان لوگوں کے متعلق سوچتا میرا دماغ پاگل ہونے لگتا تھا۔ اس دن کی چوٹ کھانے کے بعد میں نے پھر کبھی اس بازار کا رخ نہیں کیا تھا۔ میں کئی دنوں تک پروین کے ناروا سلوک پر تڑپتا اور سسکتا رہا تھا۔ زندگی کے دن بے مزہ اور بے رنگ سے گزرنے لگے۔ میں توبہ کر لی تھی۔ اب میری طبیعت سنبھل گئی تو میں نے اپنی تمام توجہ اپنے کاروبار پر مرکوز کر دی تھی۔ میں ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتا تھا۔ مگر میری ہوس کے دن بیت گئے تھے۔ میں سنبھل گیا تھا۔ میرے دل پر جو زخم لگے تھے ان کے درد کی شدت نے میری روح کو گھائل کر دیا تھا۔ میں چاہتا تھا میری شریک سفر میرے درد کا مداوا کرے میرے بانٹ لے مگر والدین کی دنیا نہ تھی۔ اب کے کام کاج میں ایسی رہتی تھی۔ میں رات کے کسی پہر اٹھ جاتا دیکھتے تھی۔ شرم کریں جلدی سو رہا ہے۔ اس کی ایسی ہی باتیں سن کر میں غصے سے پاگل ہو جاتا

تھا۔ مگر بیٹے کی موجودگی میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کئی بار سوچا۔ بیوی کو طلاق دے دوں۔ مگر پھر اپنی نرم خوئی کی وجہ سے خاموش ہو جاتا تھا۔ میرے دل کی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی تھی۔ دل و دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں مگر میں زندہ تھا صرف بیٹے کی خوشیوں کی خاطر ورنہ میرے دل کی خوشیوں کا سورج تو ڈوب گیا تھا۔ وقت کا پنڈولم جوں جوں آگے کی طرف بڑھ رہا تھا میرا بیٹا بھی جوانی کی طرف بھاگے جا رہا تھا۔ اسی دوران میری بیوی ایک موذی مرض یرقان میں مبتلا ہو گئی۔ اس کی حالت دن بدن بگڑتی چلی گئی میں نے اس کے علاج معالجے پر بھرپور توجہ دی مگر ایک رات بڑی خاموشی کے ساتھ اس نے دم توڑ دیا۔ بیوی کے مرنے کے بعد میرا گھر خالی ہو کر رہ گیا تھا میری کوئی رشتہ دار عورت ہمارے گھر آنے پر رضا مند نہ تھی اس لئے ہم دونوں باپ بیٹا ہوٹل سے کھانا کھانے لگے۔ بیوی کی اچانک موت نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ جیسی بھی تھی گھر کو اس نے سنبھال رکھا تھا۔ ایک دن میں نے بیٹے سے پوچھا۔ میں تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ گھر کے اندھیروں میں کچھ روشنی ہو سکے میرا بیٹا کہنے لگا۔

ابا جی جیسے آپ کی مرضی۔ بیٹے کی رضا مندی پا کر مجھے بڑا سکون ملا میں نے اپنے رشتہ داروں میں لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دی۔ اب ہر شام میں کسی نہ کسی رشتہ دار کے گھر چلا جاتا تھا اور اس گھر میں لڑکیوں کے سراپے کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ فاخرہ میرے تایا زاد کی بیٹی تھی۔ بڑی خوبصورت اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ ہر بات بڑی سلیقے سے کرتی تھی۔ اس لئے فاخرہ مجھے پسند آ گئی تھی۔ ویسے تو میرا فاروق بیٹا بھی ماشاء اللہ خوبصورت تھا مگر فاخرہ فاروق سے زیادہ خوبصورت تھی۔ میں فاخرہ کو پسند کر کے خوشی خوشی گھر آیا اور بیٹے سے کہا۔ میں نے تمہارے لئے دلہن کا انتخاب کر لیا ہے۔ کسی دن تم فاخرہ کو جا کر دیکھ لینا میرا بیٹا کمال فرمانبرداری سے کہنے لگا تھا۔

ابا جی۔ آپ کی پسند میری پسند ہے یہ تو فاخرہ ہے اگر آپ کسی بدصورت لڑکی کا انتخاب کر لیتے تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔ میں بیٹے کے جذبات سن کر خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔ میرا بیٹا میرے جذبوں کا پاس کر رہا تھا۔

میں جب فاخرہ کے گھر بیٹے کا رشتہ لے کر گیا تو انہوں نے انکار کر دیا مگر ان کے انکار کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی حالانکہ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں تھا میری زندگی کا لیا بھروسہ تھا اب میری زندگی کا چراغ بجھ جاتا۔ میں نے جب تایا زاد بھائی پر دوسرے رشتہ داروں کے ذریعہ دباؤ ڈالا تو ان کی یہ نئی شرط یہ تھی کہ میری جتنی جائیداد ہے اس کی مالک ہماری بیٹی ہو گی۔ میں نے ان سے کہا میرے مرنے کے بعد تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کے فاخرہ اور فاروق ہی وارث ہوں گے۔ لیکن ان کی ضد تھی فاروق کی بجائے تمام جائیداد ہماری بیٹی کے نام منتقل کر دیں تو ہم رشتہ دینے کے لیے تیار ہیں ورنہ ہماری طرف سے انکار سمجھیں۔

میں ان کی اس بات پر کئی دنوں تک پریشانی کی گرداب میں الجھا رہا مگر میری سوچ کا ہر پہلو ان کا ایسا رویہ دیکھ کر الجھ گیا تھا۔ کئی روز تک دل اداس رہا طبیعت پریشان رہی لڑکی کے نام جائیداد کر دینا میرے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ بے دین بیوی کو میں بیزار ہو کر سکھ رسوائیوں کی دلدل کے دلدوز چہرے دیکھ چکا تھا۔ اس کی ساری تلخیاں سراپے میں کر دی تھیں وہ میرے بیٹے کی خوشی کا ہاتھ تھا۔ میں وہ حاصل کرنے کی خاطر پیچھے نہیں ہٹ سکا۔

جب اس کا مطلب نکل گیا تو وہ وفا کی دیوی سے سنگدل طوائف بن گئی تھی۔ ماضی کا تمام سراپا میری نگاہوں کے سامنے تھا میں اب کوئی ایسا کھیل نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس سے میرے دل کو اذیت کے خون خوار لمحوں سے دست و گریبان ہونا پڑے۔ میں کئی دنوں تک اسی نہج پر سوچتا مگر میرے سامنے ہاں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ہاں کا لفظ ہی میرے لئے خوشیوں کا راستہ تھا میں نے بیٹے کے بہتر مستقبل کے لئے جائیداد والی شرط مان لی تھی۔ قانونی کارروائی مکمل ہونے کے بعد میں بیٹے کو ایک سادہ سی تقریب میں بیاہ دیا۔ میرا بیٹا تو بہو کو پاکر بہت زیادہ خوش تھا اس کی نس نس سے خوشیوں کی پھوار برس رہی تھی۔ بیٹے کو خوش پاکر میری درماندہ زندگی میں بھی سکون کے لمحے آگئے تھے۔ ان دونوں میاں بیوی میں بہت انڈر سٹینڈنگ تھی دراصل وہ دونوں پڑھے لکھے تھے۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا میں جس محبت کے پیچھے تمام عمر بھٹکتا رہا تھا میرے بیٹے کو پہلی رات حاصل ہو گئی تھی یہ تو اپنے اپنے نصیبوں کی بات تھی۔ شادی کے چند دن بعد وہ دونوں کراچی چلے گئے تھے وہاں پر فاخرہ کی خالہ جان رہتی تھی۔ یہ دو ہفتے تک وہ بہت پرسکون انداز سے رہے تھے دراصل بڑی مدت کے بعد مجھے سوچنے کے لئے کچھ تنہائی کے لمحوں کی فرصت ملی تھی۔ ان دونوں کے واپس آنے سے زندگی کا کارواں خوشی کی منزل پر دوبارہ جھوم اٹھا تھا۔ وقت پر لگا کے اڑتا رہا۔۔۔ میرے بیٹے کے آنگن میں ایک پھول کھلنے والا تھا اس پر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا میں نے اس کا نام انتظار ہی رکھا تھا۔ کیونکہ مجھے بہو کے رویے سے اپنے کھلونے کا پہلے دن سے انتظار تھا انتظار کی گھڑیاں بہت زیادہ طویل ہو گئی تھیں وہ بات کو اپنی اس کے بجائے میرے ساتھ ہوتا تھا۔ دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے میری بہو میرے اعتماد پر پوری اتر رہی تھی۔ کئی ماہ اور سال بیت گئے میں پہلے سے کچھ زیادہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ میرے بیٹے کے گھر ایک اور کلی کا اضافہ ہو گیا۔ لیکن اب بہو کے رویہ میں تبدیلی آتی جارہی تھی مگر میں خاموش تھا کیونکہ میں عمر کی اس دہلیز تک پہنچ گیا تھا جہاں پر انسان کا خود اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ مجھے اپنے بیٹے کی خوشیاں عزیز تھیں اس لئے میں رضا بہ رغبت بہو کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتا رہا لیکن میری خاموشی کا وہ غلط مطلب اخذ کرتی رہی اور ایک دن یہ کہہ کر اس نے میرے جذبوں پر آگ برسا دی کہ اس گھر میں اگر یہ بوڑھا رہا تو میں نہیں رہوں گی۔ اسے وہم کا مرض لاحق ہے۔ یہ بوڑھا ساری ساری رات کھانستا رہتا ہے نہ خود سوتا ہے نہ کسی دوسرے کو سونے دیتا ہے۔ اگر میں کہیں جاتی ہوں تو میری نگرانی کرتا ہے۔ بہو کے الفاظ تھے کہ سنسناتے ہوئے تیر لفظوں کی چبھن سے میرا تمام جسم جھلس گیا تھا اس نے بے شمار قسم کے الزامات لگا کر میری ذات پر کیچڑ اچھالا تھا۔ میرے بیٹے نے دوسرے دن مجھے ایک سرونٹ کوارٹر میں شفٹ کر دیا۔ وہی بیٹا جس کی خوشیوں کی خاطر میں نے اپنی تمام جائیداد اس کی بیوی کے نام کر دی اور وہ جوانی جس کو میں نے زبردستی آگ پہ جلایا تھا اپنی برادری کی لڑکیوں کو ٹھکرا کر اپنے بیٹے کی زندگی کا رشتہ بنایا تھا کیونکہ اس سے میرا خون کا رشتہ تھا مگر اس کم ظرف نے میری تمام باتوں اور جذبوں کو پس پشت ڈال کر مجھے ردی میں بجھتے تنکے کی طرح دربدر کر دیا تھا میں نے دوسرے دن اپنی اس [illegible] بہو کو [illegible] دیا۔ میرے بیٹے نے میری [illegible] تھی [illegible] میرے بڑھاپے سے تنگ پڑا تھا اس [illegible] سے

مگر آج تک میں دربدر بھٹک رہا ہوں کبھی کسی شہر اور کبھی کسی گاؤں میری کوئی منزل ہے نہ ہی کوئی ٹھکانہ ہے۔ کھانے کو مل جاتا ہے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبر شکر کا گھونٹ پی کر سو جاتا ہوں۔ بابا اپنی داستان الم سنا کر خاموش ہو گیا تھا۔ مگر میری سوچیں سماج کے ایسے بے رحم انسانوں کی طرف دوڑنے لگی تھیں۔ جن کی مہربانی نے اپنے محسن کو دربدر کا بھکاری بنا دیا تھا۔ بیٹا اتنا کٹھور دل ہو سکتا ہے اس کا باپ فقیروں جیسی زندگی کے شب و روز بسر کرے۔ میں جتنا اس المیے کے متعلق سوچنے لگتا میرا دل خون کے آنسو رونے لگتا تھا۔ آج کا انسان ماڈرن اور پڑھا لکھا بن گیا ہے مگر وہ خونی رشتوں کا تقدس اور اس کی پہچان بھول چکا ہے۔ نفسانفسی کے اس عالم میں خلوص اور محبت ناپید ہو گئی ہے۔ نفرتوں کی تند و تیز آندھی نے محبت اور اخوت کے سب چراغ بجھا دیئے ہیں۔ میں اس بیٹے کے لئے کیا سزا تجویز کروں جو اپنی رنگین دنیا کی چکا چوند روشنیوں میں کھو کر اپنے بوڑھے باپ کو بھول گیا ہے۔ شائد قارئین ہی میرے اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں؟

دل نہ توڑنا انکار مت کرنا

مرسلہ..... محمد ظفر

یہ واقعہ میں آپ سب بہن بھائیوں کو سنانے لگا ہوں میرے بہت ہی قریب پیش آیا بلکہ یوں سمجھیں کہ چار سال پرانا ہے۔ مگر مجھے حقیقت اب معلوم ہوئی ہے کہ محلہ میں اس مائی کو اکثر کوئی نہ کوئی چیز دینے جاتا ہوں۔ وہ بھی مجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہے۔ مگر میں اکثر سنتا تھا کہ اس کے چار جوان بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں جو کہ اب اس دنیا میں نہیں تھے۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ مائی بیچاری اکیلی کس طرح ہوئی۔ سات جوان بچے یکے بعد دیگرے کیسے مر گئے۔ ایک دن میں نے پوچھ ہی لیا۔ اس نے آج تک جو بات ہر ایک سے چھپائی تھی مجھے بتادی اور رونے لگی۔ بیٹے یہ جو سزا مجھے ملی ہے مجھے تو اس سے بھی زیادہ سزا ملنی چاہیے کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ بیٹے یہ چار سال پرانی بات ہے اسی محلے میں فاروق صاحب رہتے تھے بہت شریف لوگ تھے

ان کے دو بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی بڑا بیٹا بینک میں آفیسر تھا چھوٹا بیٹا بی۔ اے کرنے کے بعد کپڑے کی دکان چلا رہا تھا۔ خوشحال گھرانہ تھا تمام لوگوں کا بھی کافی آنا جانا تھا۔ وہ لوگ بہت اچھے نفیس اور ملنسار تھے۔ میری بڑی بیٹی سیما کو ان کے چھوٹے بیٹے نے کہیں دیکھ لیا اس نے ماں سے بات کی۔

اس کے ماں باپ ان کے گھر آئے پھر اس کی ماں نے میرے آگے جھولی پھیلائی کہ میں سیما کو بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا کہ میں ان کے ابو سے بات کروں گی۔ بیٹی کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگی ماں تو ہاں کردے۔ اس میں میری بھی خوشی ہے مگر میں نے کہا کہ تجھے پتہ ہے کہ ہم لوگ غیر ذات برادری میں رشتے نہیں کرتے وہ بے چاری تو چپ ہوگئی میں نے اس کے ابو کو بتائے بغیر انکار کردیا۔



بیٹی کی اداس آنکھیں بھی مجھے متاثر نہ کرسکیں۔ میں یہ بھول گئی کہ ہم اپنے بچوں کے والدین ہیں خدا نہیں ہیں۔ خدا تو بس ایک ہے یہ ذاتیں۔ یہ برادریاں' یہ رسمیں تو ہم لوگوں نے اس لیے بنائی ہیں کہ یہ قیامت کی نشانیاں ہیں ورنہ سب برابر ہیں۔ حضرت آدم کی نسل میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کلام پاک اذان دے کر اسے مسلمان کرتے ہیں پھر یہ ذاتیں کیا اہمیت رکھتی ہیں دوسرے روز اس لڑکے کی ماں پھر آئی میں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اپنی ذات خاندان میں نہیں کوئی۔ اس نے بہت منتیں کیں مگر میرا یہی جواب تھا کہ ہم باہر رشتے نہیں کرتے پھر کئی دن گزر گئے میری بیٹی بھی کھوئی کھوئی سی رہنے لگی۔ مگر میرا دل پتھر ہی رہا۔ پھر اس لڑکے کے ماں اور باپ دونوں آئے کہ ہماری سب کی خوشی ہے ہم آپ لوگوں کو کبھی بھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ آپ ایک مرتبہ ہاں تو کریں مگر میں نے انکار کردیا مجھے تو بس خاندان اور لوگوں کی فکر تھی کہ کیا کہیں گے۔ پھر اللہ جانے کیا ہوا کہ اس لڑکے کی ماں مقدس کتاب قرآن پاک لے آئی میں اور میری بیٹیاں گھر میں موجود تھیں اس اللہ کی بندی نے قرآن پاک میری جھولی میں ڈال دیا کہ اس مقدس کتاب قرآن پاک کے واسطے اپنی بیٹی مجھے دے دو۔ اور ویسے بھی میرے بیٹے میں کوئی خرابی نہیں ہے اگر کوئی خرابی ہوتی تو میں کبھی بھی نہ آتی۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میری جھولی میں پڑی تھی۔ اس پاک کتاب کے واسطے تو ہمارے بزرگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دے دیے اپنی اولادیں قربان کردیں۔ اپنا سب کچھ لٹا دیا اور پھر یہاں تو ایک بیٹی کا سوال تھا اور اس بیٹی کا سوال تھا کہ جو نہ کسی نے گھر میں رکھنی ہے جو ہوتی ہی پرایا دھن ہے' امانت ہوتی ہے جس کو ایک نہ ایک دن بابل کی دہلیز کو چھوڑنا ہوتا ہے۔ مگر میں نے بھی تو بیٹی کسی نہ کسی کو دینی ہی تھی کیونکہ یہ بیٹیاں کوئی بھی تو آج تک گھر نہیں رکھ سکا اور نہ ہی رکھ سکتا ہے۔ مگر میں نے پھر بھی قرآن پاک اٹھایا۔ چوما سینے سے لگایا اور اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ بہن مجھے معاف کردینا ہم لوگ مجبور ہیں اگر رشتہ دیں تو لوگ باتیں کریں گے طرح طرح کی باتیں بنائیں گے وہ تو قرآن پاک لے کر خاموشی سے چلی گئی مگر میری بیٹی تڑپتی ہوئی آئی اور کہنے لگی ماں یہ تو نے کیا کیا اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کو واپس کردیا۔

کیا میں قرآن پاک سے زیادہ اہمیت رکھتی ہوں ماں تو نے اچھا نہیں کیا اگر تو مسلمان ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرتی۔ میں نے کہا بیٹی میں نے جو کیا ہے ٹھیک کیا ہے ویسے بھی کونسا کسی کو اس بات کا علم ہے بیٹی کہنے لگی ماں اللہ تعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے وہ سمجھو کہ تمام عرش والوں کو معلوم ہے پھر کہنے لگی ماں اگر میں مرجاؤں تو بھی تو برداشت کرتی رہے گی۔ اگر تم اب بھی ہاں کردو تو کوئی باتیں نہیں بنائے گا۔ مگر میں اپنا کام کرنے لگی اور اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تین دن خیریت سے گزر گئے وہ لوگ دوبارہ نہیں آئے۔ چوتھی رات کو اچانک میرے شوہر کے پیٹ میں درد ہوا اور صبح تک اس نے دم توڑ دیا۔ میں تو ٹوٹ گئی کہ یہ کیا ہوگیا ہے ایک بات تو میں آپ کو بتانا بھول گئی کہ میں نے قرآن پاک والی بات اپنے شوہر اور بیٹے سے کی تھی مگر دونوں نے یہی کہا تھا کہ ہم غیر ذات میں رشتہ نہیں کریں گے۔ شوہر کی موت کا زخم ابھی تازہ تھا کہ میرا چھوٹا بیٹا بخار میں تین دن مبتلا رہنے کے بعد چل بسا جوان بیٹے کی موت نے مجھے بالکل

رکھ دیا پھر چھوٹی بیٹی چل بسی۔ میں حیران و پریشان تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے میں فاروقی صاحب کے گھر گئی تو وہ لوگ کہیں اور جا چکے تھے۔

چوتھے روز بڑا بیٹا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا کہ ماں میرے پیٹ میں آگ سی جل رہی ہے ڈاکٹر کو بلایا۔ دوائیں دیں مگر وہ بھی چل بسا۔ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ دل میں سوچا کہ قرآن پاک پڑھ کر پانی پر دم کر کے دوسرے بچوں کو پلاؤں مگر میں جب بھی قرآن پاک اٹھاؤں آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جائے یا چھا جاتا نہ جانے پھر دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہے میں نے بہت رو رو کر دعائیں کیں مگر تین ہفتوں میں ہمارا بچے بھی فوت ہو گئے جوان سات بچوں کی موت نے مجھے کتنے دنوں تک بے ہوش رکھا بلکہ ہوش سے بیگانہ رکھا۔ ہوش میں آئی تو بچوں کی معصوم صورتیں ویسے ہی نظر آتیں۔ کہ ماں تم نے یہ کیا کیا ہمارا کیا قصور تھا۔ میں بے اختیار رونے لگتی۔ محلے والے کھانا دے جاتے۔

جس خاندان کی خاطر میں نے رشتے سے جواب دیا کہ خاندان والے باتیں بنائیں گے انہوں نے آکر پوچھا بھی نہیں کہ تم کس حال میں ہو۔ کس حال میں زندہ ہو۔ اب میں بہت پچھتا رہی ہوں۔ کیونکہ اگر میں اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیتی تو میرے سب بچے میرے پاس اور خوش و خرم رہتے۔ میں بھی خوش رہتی۔

قصور میرا تھا میں نے بیٹی کو قرآن پاک سے زیادہ اہم جانا قرآن پاک سے زیادہ اہمیت بیٹی کو دی۔ اور ان لوگوں کا دل بھی توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا دل توڑ دیا واقعی دل توڑنا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے سے سزا تو ضرور ملتی ہے چاہے جلد ملے یا دیر سے۔ ہوا یہ کہ مجھے سزا جلد مل گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹی کی بات یاد آرہی ہے کہ اگر ماں میں مرجاؤں تو بھی آپ برداشت کریں گی ناں۔ واقعی یہ بات ٹھیک ہی نکلی۔ کہ میں ایک بیٹی کے بدلے بھرا ہوا گھر لٹا بیٹھی اگر میں قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھتی تو کبھی بھی انکار نہ کرتی۔ میں نے واقعی اچھا نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے افسوس ہے کہ ہم پڑھ تو لیتے ہیں۔ تلاوت تو کرلیتے ہیں مگر اس پاک کتاب قرآن پاک کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں میں تمام لوگوں سے التجا کرتی ہوں کہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن پاک کا مسئلہ ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام پر یا خدا کے واسطے اچھا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن پاک پر سب کچھ قربان کردینا میری طرح بھی انکار مت کرنا ورنہ میری طرح پچھتاؤ گے اور میری طرح سب کچھ نہ لٹا بیٹھنا میری طرح قرآن پاک کو خالی مت لوٹانا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت بھی خراب۔

ہم مسلمان ہیں ہمیں تو قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے پیاری کتاب کی تو غیر مسلم بھی عزت کرتے ہیں، احترام کرتے ہیں۔ پھر ہم تو مسلمان ہیں بس اس مقدس کتاب کی عزت کرو ورنہ میرے جیسا انجام ہو گا خدا کا خوف کرو اس مقدس کتاب قرآن پاک کی اہمیت کو سمجھو۔ ماسی نے روتے ہوئے اپنی کہانی ختم کی۔ آپ سب سے التجا ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے شوہر اور بچوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ (آمین ثم آمین)

چترلیکھا

بھیجی ...... لتادیوی

چترلیکھا نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی لیکن ماں باپ' بھائی بہن پر بوجھ بننے کے بجائے ضلع تھانہ کے اگور اسپتال میں بطور نرس نوکری کر لی۔ وہاں کی انچارج ڈاکٹر کلپنا پٹھارے کو چترلیکھا پر بڑا ترس آیا تھا چنانچہ وہ اس پر بڑی مہربان رہتی تھیں۔

دونوں ایک دوسرے کی راز دار سہیلی بن گئیں اور ڈاکٹر کلپنا پٹھارے کی وجہ سے ہی چترلیکھا پچھلے دس سال سے ایک ہی اسپتال سے وابستہ تھی۔

چترلیکھا کا چودہ سالہ لڑکا سینٹ اگنیشیئس ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہ اسے زیادہ سے زیادہ تعلیم دلانا چاہتی تھی تاکہ وہ دنیا میں کچھ کر سکے۔ چترلیکھا کی ایک بہن سریکھا اور ایک بھائی سریندر سنگھ تھا۔ سریندر سنگھ اپنی بہنوں کو بہت چاہتا تھا اور خاص کر چترلیکھا کو۔

یہ بات 84ء کی ہے۔ اگور اسپتال میں آر ایم او کے عہدے پر ڈاکٹر محمد علی دسی کا تقرر ہوا۔ ڈاکٹر دسی تقریباً بے حد شرمیلے اور کم گو انسان تھے۔ وہ کسی سے زیادہ ہنستے بولتے نہیں تھے لیکن وہ ایک وجیہہ اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ صنف نازک کے لئے ان میں ایک خاص کشش تھی۔

لہٰذا چترلیکھا بھی جانے انجانے طور پر ان کی طرف مائل ہوتی چلی گئی پھر ڈاکٹر دسی کرنے بھی چترلیکھا میں دلچسپی لینا شروع کر دی اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ پھر وہ اتنے قریب آ گئے کہ ان کے درمیان مذہب ذات پات' خاندان قبیلے کی کوئی رکاوٹ ہی نہیں رہی۔

ان دونوں کی از حد قربتوں کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ڈاکٹر دسی کرنے بھی اپنی بیوی کو طلاق دے رکھی تھی۔ چنانچہ دونوں کی نجی زندگی یکساں تھی چترلیکھا نے شوہر کو چھوڑ رکھا تھا تو ڈاکٹر دسی کرنے بیوی کو۔

چترلیکھا طلاق کے بعد سے ہی اپنے مائیکے میں رہنے لگی تھی۔ باپ انتقال سے پہلے ہی اپنا مکان اپنی بیوی کے نام کر گیا تھا۔ چترلیکھا نے گھر والوں کی اور خاص کر ماں کی خوب خدمت کی۔ ساری کمائی لا کر ماں کو دے دیتی۔ ماں اس سے کافی خوش تھی جب اس کی آخری گھڑی آئی تو وہ اپنا گھر زمین بھی چترلیکھا کو دے گئی۔

اس طرح چترلیکھا مکان مالک بن گئی۔ چونکہ وہ شروع سے ماں باپ کی لاڈلی تھی اس لئے اس کی نجی زندگی میں مداخلت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ اور جب وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو گئی اور خود مختار بن گئی تو بھلا اسے کون ٹوکتا۔

یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر دسی کرتے اس کے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے۔ جب کہ ڈاکٹر دسی کر مسلمان تھے اور چترلیکھا ہندو۔ چترلیکھا دسی کر کے ساتھ خوش تھی۔ اس کے گھر والوں کو اس کی خوشی کے علاوہ اور کیا چاہئے



تھا۔

اس طرح وقت گزرتا رہا۔ اب ڈاکٹر دستی کر، چتر لیکھا کے ہی گھر میں بالائی منزل پر رہنے لگے۔ نچلے حصے میں چتر لیکھا کا بھائی سریندر اپنی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ کئی سال گزر گئے چتر لیکھا اور ڈاکٹر دستی کر نے شادی نہیں کی لیکن وہ آپس میں ازدواجی زندگی ہی گزار رہے تھے۔

4 جولائی 90ء کی صبح چتر لیکھا حسب معمول تیار ہو کر ڈاکٹر دستی کر کے ساتھ کلینک کھولنے نکلی دونوں بے حد خوش تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چتر لیکھا واپس آ گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو بتایا کہ اس کے پیٹ میں شدید درد ہے جو برداشت سے باہر تھا۔

وہ بالائی منزل پر جانے کے لئے زینہ بھی طے نہیں کر پائی اور نچلے حصے میں ہی اپنے بھائی کی لیٹرین میں چلی گئی۔ اس کی کراہیں باہر بھی سنی جا رہی تھیں۔ سریندر اور اس کی بیوی ہیتا باہر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور چتر لیکھا کے لیٹرین سے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔

18 جولائی 90ء کو دوپہر کے ڈھائی بجے سریکھا رشی کانت اوپیکر اپنے بھائی سریندر بیٹکے کے ساتھ نوپاڑہ پولیس اسٹیشن پہنچی اور اپنی بتیس سالہ بہن چتر لیکھا کے لاپتہ ہونے کی اطلاع سینئر پولیس انسپکٹر اشوک چندھارے کو دی۔ مسٹر چندھارے نے فی الفور گمشدگی کے اس معاملے میں کارروائی شروع کرا دی۔

انہوں نے سب انسپکٹر ستک پوار، اسسٹنٹ سب انسپکٹر کھومرے اور ہیڈ کانسٹیبل ایم آر سارنت کو ممبئی کے مختلف حصوں میں بھیج دیا۔ سریکھا نے اپنی بہن کے حالات زندگی کے بارے میں پوری تفصیل سے پولیس کو بتایا۔ سریندر بہن کی گمشدگی سے بے حد نڈھال ہو رہا تھا اور پولیس والے اسے دلاسہ دے رہے تھے۔

انسپکٹر چندھارے نے پوچھا۔

چار جولائی کو صبح کیا گھر میں کسی سے چتر لیکھا کی نوک جھونک ہوئی تھی؟

سریندر گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔

نہیں صاحب وہ تو روز کی طرح خوش و خرم ڈاکٹر دستی کر کے ہمراہ گھر سے نکلی تھی۔ لیکن شاید راستے میں چتر لیکھا کے پیٹ میں درد ہوا اور وہ واپس گھر آ گئی۔ پھر جب اس کی حالت سنبھلی اور گھر سے گئی تو پھر واپس نہیں آئی۔

آج کچھ ہی دیر پہلے اس نے فون پر اپنی انچارج ڈاکٹر پٹھارے کو فون پر مطلع کیا کہ اس نے کسی عبداللہ نام کے آدمی سے شادی کر لی ہے اور اب وہ کام پر نہیں آ سکے گی۔

ڈاکٹر پٹھارے کو اس فون پر یقین نہیں ہوا اور انہوں نے خود آ کر کے اس بارے میں بتایا۔

یہ کہہ کر سریندر سسکنے لگا۔ اس کی بہن سریکھا بھی آنسو بہا رہی تھی۔

بہرحال چتر لیکھا کے ملنے کے جہاں بھی امکان تھے نوپاڑہ پولیس نے انسپکٹر چندھارے کی قیادت اور ہدایت کے تحت اچھی طرح چھان بین کر لی لیکن چتر لیکھا کا کہیں سراغ نہیں ملا۔

دو دن اور گزر گئے۔ بیس جولائی کو چتر لیکھا کے پڑوسی کو ایک شخص نے اس کے مکان کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

یہ چتر لیکھا نے بھیجی ہے میں جلدی سے آیا ہوں۔ چتر لیکھا نے کہلوایا ہے کہ اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ وہ جہاں بھی ہے خوش ہے۔

یہ کہہ کر وہ اجنبی چلا گیا۔ اور چابی دینے والا اس

سے کچھ پوچھ بھی نہ سکے۔ اس واقعہ کی اطلاع بھی انسپکٹر چندھارے کو دی گئی۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ چترلیکھا جنا میں ہے۔

اس پر سریندر نے کہا۔

جی ہاں سر! ڈاکٹر مسی کر کی ڈسپنسری بھی جنا میں ہے۔

اس انکشاف پر انسپکٹر چندھارے نے ایک طویل سانس لی۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔

انہوں نے سریندر سے کہا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے خاص ہدایت کے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل ساونت کو جنا روانہ کیا۔ ساونت کو ڈاکٹر مسی کر کی سرگرمیوں اور حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کی ہدایت بھی دی گئی تھی۔

بیس دن بعد ساونت نے انسپکٹر چندھارے کو جو رپورٹ بھیجی اس سے ڈاکٹر مسی کر پر ہونے والے شک وشبہ کو کوئی تقویت نہیں ملی۔ ڈاکٹر مسی کر ہمیشہ کی طرح اپنی پریکٹس میں مصروف تھے اور ان کا آنا جانا کہیں بھی نہیں تھا۔ تاہم ڈاکٹر مسی کر کی نگرانی جاری رہی۔

اچانک انسپکٹر چندھارے کے ذہن میں ایک خیال کوندا کہ جب ڈاکٹر مسی کر کھلے عام چترلیکھا کے ساتھ رہ رہے تھے تو انہیں چوری چھپے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی کہیں ایسا تو نہیں کہ چترلیکھا کسی اور کو چاہتی ہو اور معاملہ رقابت کا بنتا چلا گیا ہو۔

اس دوران انکور اسپتال سے ڈاکٹر کلپنا چھارے کا روز ہی فون آتا رہا۔ پولیس چترلیکھا کی تلاش میں مصروف تھی مگر اتنے عرصے میں بھی اسے کوئی کامیابی نہیں ملی تھی۔

پچیس جولائی کو صبح اچھی خاصی بارش ہوئی تھی۔ صبح چھ بجے بھی پھواریں پڑ رہی تھیں اور آسمان کالی گھٹاؤں سے پٹا ہوا تھا۔ جب ضلع تھانہ کے تحت پولیس اسٹیشن رہالے کے سینئر پولیس انسپکٹر مہیش ابھنکیا کی جیپ کیچڑ سے ہوتی ہوئی پوری رفتار سے شیماٹا گاؤں کی طرف جا رہی تھی۔

اس وقت انسپکٹر ابھنکیا اپنے تحت آنے والے پولیس علاقوں کا گشت کر کے جیسے ہی اپنے کیبن میں بیٹھے کہ شیماٹا گاؤں کے پولیس مخبر سکھارام پاٹل نے آکر اطلاع دی کہ گاؤں کے پاس بہنے والے نالے میں ایک مہیلا کی ننگی لاش پڑی ہے۔

یہ سن کر انسپکٹر ابھنکیا چونک پڑے۔ کیونکہ وہ تو ان علاقوں کا دورہ کر کے آئے تھے۔

لاش کی شناخت ہوئی ہے یا نہیں؟

انہوں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پاٹل سے پوچھا۔

جناب کیا صرف دھڑ سے شناخت ہو سکتی ہے؟

پاٹل کے اس جواب پر انسپکٹر ابھنکیا سنجیدہ ہو گئے۔

کیا مطلب۔۔۔۔؟

اس لاش کا نہ سر ہے نہ ہاتھ پیر۔

پاٹل نے بتایا اور انسپکٹر ابھنکیا کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ انہوں نے "آناً فاناً" میں اپنے ساتھ پولیس کا عملہ لیا اور موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب پولیس وہاں پہنچی تو اس وقت تک علاقے میں لاش کی خبر سے سنسنی پھیل چکی تھی۔ لوگ وہاں جمع تھے لیکن پولیس کی جیپ دیکھتے ہی پیچھے ہٹنے لگے۔ انسپکٹر ابھنکیا نے لاش کو دیکھا اور پھر جائے واردات کا معائنہ کیا اور اس کی اطلاع وائرلیس کے ذریعہ پولیس

ہیڈکوارٹر کو دے دی۔

ابھی وہ لوگوں سے پوچھ تاچھ کر ہی رہے تھے کہ پولیس ڈپٹی کمشنر الماس جوشی اور اسسٹنٹ پولیس کمشنر سریش ایہرے لیڈی پولیس انسپکٹر پاٹھک کراڑے وغیرہ بھی آپہنچے۔

لوگوں نے پولیس افسران کو بتایا کہ یہ لاش نالے میں بہہ کر آئی ہے۔ اس پر پولیس افسران نے آپس میں تبادلہ خیال کیا کہ اگر ایسا ہے تو اس لاش کا تعلق ترے تھانے سے ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ عورت بھی ممبئی کی ہے لیکن پولیس کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔

اسی دوران ترے پولیس اسٹیشن کے سینئر انسپکٹر بھی اطلاع ملتے ہی موقعہ پر پہنچ گئے۔

صبح کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ سبھی پولیس اسٹیشنوں کو وائرلیس کے ذریعہ اس پراسرار لاش کی اطلاع بھیج دی گئی تھی۔

ادھر ڈاکٹر مستی کرپے نظر رکھنے والے نوپاڑہ تھانے کے ہیڈ کانسٹیبل ساونت وائرلیس سیٹ پر ہی تھے اور اس وقت بارش بھی ہلکی ہلکی ہو رہی تھی کہ وائرلیس سیٹ نے ربالے پولیس اسٹیشن کو مانگنا شروع کر دیا۔

ساونت نے اپنی توجہ وائرلیس پیغام کی طرف مبذول کر دی۔ اس پیغام کے مطابق ربالے پولیس اسٹیشن کے تحت جنگل کے علاقے میں ایک 32 اور 35 سال کی عورت کی لاش ملی ہے صرف دھڑ ہے۔ باقی اعضا غائب ہیں۔ لاش ترے تھانے کے علاقہ میں برآمد ہوئی ہے۔ پیغام میں کہا گیا کہ اپنے علاقے کے گمشدہ لوگوں کے خاندان والوں سے رابطہ قائم کیا جائے۔

یہ پیغام سن کر ساونت نے انسپکٹر بیدھارے کو پوری بات بتائی۔ اسی وقت چترلیکھا کے بھائی سریندر سنگھ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ اس کے بعد چترلیکھا کے سبھی ملنے جلنے والوں کو تھانے بلایا گیا۔

لاش کی شناخت کرنے کے لئے چترلیکھا کے بھائی سریندر سنگھ اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو ربالے پولیس اسٹیشن لایا گیا۔

پولیس نے لاش کو دکھایا۔ لیکن لاش کی پہچان نہیں ہوئی کیونکہ ایک تو لاش پانی میں رہنے کی وجہ سے کافی پھول چکی تھی دوسرے لاش کم از کم ایک ہفتہ پہلے کی تھی۔ جس سے وہ کافی خستہ ہو چکی تھی۔ عورتوں کو لاش کے پاس نہیں جانے دیا گیا۔

پھر متوفیہ کی ساڑھی بلاؤز وغیرہ بھی سریندر اور ڈاکٹر مستی کر کو دکھایا گیا لیکن دونوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا کیونکہ کپڑوں میں اتنا زیادہ خون لگا تھا کہ پہچاننا مشکل تھا۔

پولیس نے اس معاملے میں عورتوں کی مدد لینا مناسب سمجھا کیونکہ عورتیں کپڑے وغیرہ پر زیادہ دھیان رکھتی ہیں۔ اس طرح پولیس نے چترلیکھا کی چھوٹی بہن روپا اور ماں کو ساڑھی دکھائی تو دونوں دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔

"یہ تو میری بہن کے کپڑے ہیں۔"

پھر تو رونا دھونا بھی شروع ہو گئی۔ تھانہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ سریندر سنگھ تو دھاڑیں مار رہا تھا۔ ڈاکٹر مستی کر بھی ایک کونے میں کھڑے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس وقت وہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔

ربالے تھانہ اور نوپاڑہ تھانہ کے ساتھ ساتھ ضلع تھانہ پولیس ہیڈکوارٹر کے کئی اعلیٰ افسران موجود تھے۔ لاش کا تعلق تین پولیس اسٹیشنوں سے تھا کیونکہ متوفیہ کا تعلق نوپاڑہ سے تھا اور لاش ربالے پولیس اسٹیشن سے ملی تھی۔ اس کی وجہ سے اس کی تحقیق دونوں پولیس اسٹیشنوں کو سونپی گئی۔

پولیس کے سامنے کئی باتیں واضح ہو چکی تھیں۔ اور لاش کی شناخت ہو جانے کے بعد تو پولیس نے راحت کی سانس لی تھی۔

اب مرحلہ تھا ملزمون تک پہنچنے کا۔ پولیس کی نظر میں ڈاکٹر مستی کر اس پوری کہانی کا مرکزی کردار لگے۔ کیونکہ چترلیکھا سے ان کے ناجائز تعلقات تھے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ پھر چترلیکھا کا کسی اور سے شادی کر لینا' جیسا کہ فون پر اطلاع ملی تھی کافی اہمیت رکھتا تھا۔ پولیس نے سوچا کہ ممکن ہے ڈاکٹر مستی کر اپنی محبوبہ کی اس بے وفائی کو برداشت نہ کر سکے ہوں اور چترلیکھا کا صفایا کر دیا۔ چترا چودھری کو اپنے ہوئی تھی اور آخری بار ڈاکٹر مستی کر کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔

پولیس نے معاملے کے دیگر پہلوؤں پر بھی غور کیا۔ مثلاً "ڈاکٹر مستی کر اور چترلیکھا دونوں ہی طلاق شدہ تھے تو کہیں اس قتل میں چترلیکھا کے سابق سسرال والوں کا تو ہاتھ نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ چترلیکھا کا سابق شوہر کوپل ناتھ داکل نے اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔

دوسری طرف اعلیٰ پولیس افسران نے یہ بھی سوچا کہ کہیں ڈاکٹر مستی کر کے سسرال والوں نے یہ ارتکاب جرم کیا ہو کیونکہ ڈاکٹر مستی کر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی ممکن ہے چترلیکھا کی وجہ سے ہی اسے طلاق دی گئی ہو جس کا انتقام ان لوگوں نے چترلیکھا سے لیا۔

اس طرح پولیس کی دو ٹیمیں بنائی گئیں ایک کو ڈاکٹر مستی کر کی سسرال کی طرف روانہ کیا گیا اور دوسری ٹیم کو چترلیکھا کی سسرال بھیجا گیا۔

انسپکٹر انگیا ڈاکٹر مستی کر اور مرحدر سنگھ سے پوچھ تاچھ کر رہے تھے تو دوسری طرف نواڑہ کے سینئر انسپکٹر بندھارے نے چترلیکھا کے پڑوسیوں سے پوچھ تاچھ شروع کر دی اس طرح دونوں ذہین پولیس افسروں کی کوششوں کا نتیجہ سامنے آگیا وہ جب قاتل کی تلاش میں تھے تب بھولی بھالی صورت والا وہ شخص شروع دن سے ہی ان لوگوں کے ہی ساتھ ساتھ تھا لیکن وہ کتنا چالاک اور کتنا بڑا اداکار تھا کہ پولیس کو اتنے دنوں میں اس پر ذرا بھی شک نہیں ہوا لیکن اس تک پہنچنے کے لئے پولیس کو بڑی محنت کرنی پڑی اور ڈرامے رچانے پڑے۔

اس نے جرم کا ارتکاب اس خوبصورتی سے کیا تھا کہ کوئی بے قصور پھانسی کے پھندے تک پہنچ سکتا تھا لیکن پولیس نے اصلی ملزم کو قانون کے شکنجے میں لے کر عدالت کے دروازے تک پہنچا دیا۔

پوچھ تاچھ کے دوران انسپکٹر انگیا کے دماغ میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ انہوں نے چترلیکھا کے بھائی مرحدر سنگھ کو غور سے دیکھا اور معنی خیز انداز میں پوچھا۔

اشوک پوار تو تمہارا گہرا دوست ہے وہ اب تک کیوں نہیں آیا جب کہ سارے لوگ آگئے۔ تمہاری بہن کی لاش ملنے پر بھی وہ نہیں آیا۔

اس سوال پر مرحدر چونکا پھر سنبھل کر جواب دیتے ہوئے اشوک پوار کا پتہ بتا دیا۔

تھوڑی دیر میں پولیس والے اشوک پوار کو تھانے لے آئے۔ انسپکٹر انگیا نے اس کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

تم نے چترلیکھا کا قتل کیوں کیا تھا؟

اس اچانک سوال پر اشوک گڑبڑا گیا اسے علم بھی نہیں تھا کہ ایسے خطرناک سوال کئے جائیں گے۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میں کیوں کرنے لگا کسی کا قتل صاحب۔

تو کیا یہ قتل سریندر بھنگے نے کیا ہے؟

انسپکٹر نے جھینپتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اس طرح کئی سوال کیے گئے لیکن پولیس کو تسلی بخش جواب نہیں ملا۔

پھر انسپکٹر ابنگیا نے ایک اسکیم تیار کی۔ انہوں نے سریندر کو الگ کمرے میں رکھا اور اشوک کو الگ کمرے میں۔ اب تک پولیس نے کسی کے ساتھ ذرا بھی سختی نہیں کی تھی۔ اور انسپکٹر ابنگیا نے تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ اذیت دیئے بغیر ہی جرم قبول کرائیں گے۔

انہوں نے ایک پولیس افسر کو سمجھایا کہ وہ دس پندرہ منٹ کے بعد آکر کہے کہ اشوک ٹوٹ گیا اور اس نے گناہ قبول کر لیا ہے۔ یہ بات سریندر بھنگے کے سامنے کہی جانے چنانچہ پولیس افسر نے ویسا ہی کہا۔

انسپکٹر ابنگیا سریندر کے پاس تھے۔ وہ نرمی سے باتیں کر رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ کمرے میں ایک پولیس افسر نے آکر گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔

سر اشوک نے سب کچھ بتا دیا اور اس نے اقبالِ جرم کر لیا ہے۔

یہ جملہ سریندر کے لئے دھماکہ ثابت ہوا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ کانپنے لگا۔ اس کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی لیکن پولیس اپنی چال میں کامیاب ہو چکی تھی۔

اسی طرح اشوک پوار کے کمرے میں کہا گیا جہاں ایک پولیس افسر نے یہ کہا کہ سریندر ٹوٹ گیا اور اس نے اقبالِ جرم کر لیا اس فقرے نے بھی ایک دھماکے کا کام کیا۔ اس طرح اشوک اور سریندر نے واقعی اقبالِ جرم کر لیا اور پوری روداد پولیس کے سامنے بیان کر دی۔

چترلیکھا چھ بہنیں تھیں اور ایک بھائی سریندر بھنگے۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ ماں باپ کی آنکھ کا تارہ تھا۔ وہ بچپن سے ہی ضدی اور اوباش قسم کا تھا۔ اس کا باپ شورام بھنگے فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد حیدر آباد میں ریلوے ڈرائیور کے عہدے پر تھا۔

اسی ملازمت کے دوران ہی شورام نے ضلع تھانہ کے پانچ پاکھڑائی محلے میں دیواشی سوسائٹی میں اپنے خاندان کے لئے ایک مکان خرید لیا تھا۔ ماں باپ کے زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے سریندر غلط سوسائٹی میں پڑ گیا۔ اس کے بگڑنے کا صدمہ ہی شورام کی موت کا سبب تھا۔

پھر چترلیکھا کی طلاق نے بھی شورام کو بالکل توڑ دیا لیکن چترلیکھا نے جس ثابت قدمی کا ثبوت دیا اس سے بوڑھے ماں باپ کو کافی سہارا ملا۔ اس نے نرس کی نوکری کر کے پورے گھر کو سنبھال لیا۔ یہی وجہ تھی کہ ماں نے مرتے وقت دیواشی سوسائٹی والا مکان چترلیکھا کے نام کر دیا تھا۔

اشوک پوار سریندر کا گہرا دوست تھا اور جرائم پیشہ ذہنیت کا تھا۔ وہ اکثر سریندر کے ساتھ ہی رہتا تھا اور اشوک کے کردار کی وجہ سے ہی پولیس کو سریندر پر شک ہوا جو بعد میں یقین میں بدل گیا۔

چودہ جولائی کی صبح چترلیکھا ڈاکٹر مسی کر کے ساتھ حسبِ معمول تیار ہو کر ڈسپنسری کے لئے نکلی لیکن ساڑھے آٹھ بجے گھر واپس آگئی کیونکہ اس کے پیٹ میں شدید درد تھا۔

وہ بالائی منزل پر جا کر سریندر کے باتھ روم میں چلی گئی اور سریندر اسے ختم کرنے کی تاک میں بہت پہلے سے لگے ہوئے تھا لیکن ڈاکٹر مسی کر کی وجہ سے اسے موقع نہیں ملتا تھا لیکن چودہ جولائی کی صبح اسے وہ موقع مل گیا۔

جب چترلیکھا باتھ روم سے باہر نکلی تو سریندر نے ایک تیز دھار ہتھیار سے اس کے سر پر زوردار وار کیا۔ چترلیکھا ایک زوردار چیخ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ چترلیکھا کی چیخ پڑوسن نے سن لی تھی وہ دوڑی ہوئی آئی مگر سریندر کی بیوی منیشا نے اسے برآمدے میں روک لیا اور بہانہ بنا کر واپس کر دیا۔

اب میرے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا لاش کا۔ سریندر نے اپنی سگی بہن چترلیکھا کو قتل کرنے کی روداد سناتے ہوئے پولیس سے کہا۔

میں نے اپنے ایک واقف کار سے دوسرے دن صبح کار مانگنے کا پلان کیا۔ پوری لاش نکال نہیں جا سکتی تھی اس لیے میرے دوست اشوک نے اس کا سر، ہاتھ پیر کاٹ کر الگ کر دیے۔ میرے باتھ روم کا پائپ ٹوٹا ہوا ہے۔ اس لیے ہم نے لیٹرین میں لاش کے ٹکڑے کیے کیونکہ باتھ روم سے خون باہر چلا جاتا۔

ہم نے لاش کے ٹکڑوں کو نل کے نیچے رکھ دیا تاکہ خون پانی میں بہہ کر چلا جائے۔ تقریباً چار گھنٹے میں ہم نے پورا انتظام کر لیا۔ اس کے بعد پورے گھر کو دھویا تاکہ کہیں خون کا دھبہ نہ رہ جائے۔

لاش کو دو بوریوں میں بھر کر کار کے ذریعے میں اشوک کے ساتھ سورج نکلنے سے پہلے ہی نکل پڑا اور تسبھانا گاؤں کی پہاڑی کے پیچھے لاش کو پھینک دیا۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ لاش نو دن بعد سامنے آ کر ملے گی۔

آخر تم نے اپنی بہن کو اس بے دردی سے کیوں مار دیا؟؟

پولیس افسر کے اس سوال پر سریندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر مسی کر کے ساتھ اس کے تعلقات گھر سے باہر تھے اس وقت تک ہم نے کچھ نہیں کہا مگر جب

قاتل

کہ جسے قتل کرنے کی سزا ہونا تھا سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔ سزائے موت دینے سے پہلے جج نے پوچھا کیا تمہاری کوئی آخری خواہش ہے؟

قاتل نے قریب کھڑے پولیس افسر کو دیکھا، کہنے لگا ایک آخری خواہش ہے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی اسے پورا نہیں کر سکتا۔

اس سے دوبارہ پوچھا گیا تم اپنی آخری خواہش بیان کرو، ممکن ہے پوری کر دی جائے۔

قاتل نے جواب دیا۔ ”میں چند دن کے لیے حکومت کرنا چاہتا ہوں!“

جلاد نے جواب دیا: ”تمہاری یہ خواہش خلاف توقع نہیں ہے کیونکہ عام طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوشش کی جائے جتنا ہو سکے جیا جائے!“

ماں کی موت کے بعد ڈاکٹر مسی کر میرے ہی گھر میں آ کر رہنے لگے تو مجھے غصہ آیا۔ میری دو جوان کنواری بہنیں ہیں۔ ان پر کیا اثر پڑتا اور ایسے گھر کی لڑکی سے شادی کون کرتا۔

ڈاکٹر مسی کر اور چترلیکھا کھلے عام بغیر شادی بیاہ کے میاں بیوی کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بھی میرے گھر پر۔ میں نے سوچا اس میں ڈاکٹر کا کیا قصور ہے اگر اپنا ہی سکہ کھوٹا ہے تو دوسرے کو کیوں قصوروار ٹھہرایا جائے۔

مگر پولیس کا کہنا ہے کہ یہ سب محض باتیں ہیں۔ سریندر نے چترلیکھا کا قتل اس حسد سے کیا کہ چترلیکھا اس جائیداد کی مالک بن گئی تھی جس کا اصلی حقدار سریندر تھا۔

چترلیکھا کی موجودگی میں سریندر کو اپنا مستقبل خطرے میں لگا اور انجام کار اس نے بہن کو راستے سے ہٹانے کی پلاننگ کی۔ اگر ڈاکٹر مسی کر کی وجہ سے اس نے قتل کیا تو جب چترلیکھا سے ڈاکٹر کے تعلقات دس سال پرانے تھے اس عرصے میں سریندر نے کبھی ڈاکٹر مسی کر یا چترلیکھا سے اس بارے میں کچھ پوچھا تک نہیں۔

لالچی سسر کے ہاتھوں قتل ہونے والے
ایک شخص کی کہانی جو بے موت مارا گیا

تاریک خوشیاں

تحریر ..... اسرار خان

شمائلہ کی پرورش اس کی نانی نے کی وہ دس سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا' جوان سال ماں نے بیٹی کی زندگی کو رستہ کی بجائے محمد حسین سے نکاح کر لیا' محمد حسین قریبی گاؤں کروڑہ میں رہتا تھا' شکیل کے انتقال کے بعد نانی ہوا نے یہ سوچ کر شمائلہ کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا کہیں ایسا نہ ہو کم سن نواسی سوتیلے باپ کی لاپرواہی کی بھینٹ چڑھ جائے' ویسے بھی حسنی بیگم کو بائیں ہاتھ سے محروم ہونے کی وجہ سے ایک سہارے کی ضرورت تھی۔

شمائلہ کے نانا ناظم اور اس کے والد شکیل احمد خان دونوں ہی ضلع بلند شہر کے قصبہ سیونہ کے محلہ قاضی گلی میں بہت بناسے کی بھٹی چلاتے تھے' آمدنی معقول تھی دونوں گھروں کا خرچ با آسانی چل جاتا تھا' ناظم خان نے اپنی بیٹی کا نکاح شکیل احمد سے کر کے انہیں اپنے ہی قریب میں ایک مکان بنا کر دے دیا تھا۔ شکیل کے انتقال کے بعد اکیلے ناظم خان سے بھٹی کا کام نہیں سنبھل رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے رمضان کو بھی اپنے ساتھ بھٹی پر رکھ لیا اور اپنے داماد محمد حسین کو بھی ساتھ کر لیا لیکن ناظم خان کے نصیب میں تاریکیاں مقدر ہو چکی تھیں' اچانک ان کی آنکھیں بے نور ہو گئیں اور شکیل کے انتقال کے بعد بھی نانی کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔

شمائلہ نے جیسے ہی جوانی کے آنگن میں قدم رکھا' اس کی شادی ضلع غازی آباد کی تحصیل ہاپوڑ کے گاؤں بچھرولا گاؤں کے رہنے والے اسماعیل خان کے صاحب زادے جاوید خان سے کر دی گئی۔

22 سالہ جاوید خان ایک خوبرو نوجوان تھا' لیکن باپ کی رحلت کے بعد وہ معاشی بحران کا شکار ہو گیا تھا' گھر کا سارا بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پر ہی آ پڑا تھا' چھ بہنوں اور دو بھائیوں کے علاوہ ایک بیوہ ماں پر مشتمل اپنی خاندان کے نان و نفقہ کا انتظام وہ محض ایک بیٹری پالش کے کاروبار سے کسی طرح کر رہا تھا لیکن بہنوں کی شادیاں تو اسماعیل خان اپنی زندگی میں ہی کر گئے تھے۔

10 جون کو جب شمائلہ سہاگ کے جوڑے میں سج دھج کر جاوید خان کے گھر آئی تو جاوید خان کو لگا کہ جیسے اس کے خوابوں کی تعبیر اسے مل گئی ہو' شمائلہ حسین ہونے کے ساتھ ایک سلیقہ مند اور نیک لڑکی تھی۔ اور پھر جلد ہی شمائلہ کی گود بھی ہری ہو گئی۔ بچی کو دیکھ کر سبھی کے چہروں پر مسرت تھی۔ بڑے دھوم دھام سے عقیقہ کی تقریب منائی گئی اس کے بعد جاوید خان شمائلہ کو لے کر اس کے مائکہ پہنچا' تاکہ وہ کچھ دن وہاں بھی رہ سکے۔

شام کے وقت محفل جمی تھی' سسرال والے



بڑے شیریں لہجے میں جاوید کو مخاطب کیا۔ "بیٹے کی موت سے رنج تھے بیٹا جب تک تم زندہ تھے تو ہم خاموش تھے لیکن اب ماشاء اللہ ایک بچی کے باپ بن گئے ہو تمہیں اس کے مستقبل کے بارے میں ابھی سے سوچنا چاہیے۔ اب بھی اگر بھائی بہنوں کے گھر کے ساتھ رہو گے تو کماتے کماتے مر جاؤ گے اور اولاد کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہ بچا سکو گے۔"

یہ سن کر جاوید خان کے ذہن کی گرہ کھل گئی۔ وہ پریشانی میں ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے کہا۔

"چاہتے یہ ہیں کہ تم اپنے گھر والوں سے الگ ہو جاؤ تم تمہیں حق ملے گا، اگر تم پسند کرو تو ہمیں یہاں اپنے بیٹے کا کاروبار دلوا دیں گے۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے کہ تم اپنے گھر والوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھو گے۔"

جاوید کا ضمیر چیخ اٹھا تو کیا باپ کے انتقال کے بعد میں اپنی اس ماں کو تنہا چھوڑ دوں' جس نے اپنا خون جگر پلا کر مجھے جوان کیا' ان بہنوں کے حقوق سے دستبردار ہو جاؤں جن سے میرا خون کا رشتہ ہے' میں اتنا بے غیرت بن جاؤں کہ اپنے عزیز از جان بھائیوں کو سرراہ کاسہ گدائی لئے بھٹکتا چھوڑ دوں۔

شمانہ جس کے لبوں پر اب تک مہر سکوت تھی' اچانک بول اٹھی۔

"میں اپنی مہربان ماں اور بہنوں سے بڑھ کر قربان جانے والی نندوں سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی' ان کے ساتھ رہ کر مجھے ساری تکلیفیں منظور ہیں۔ بہتر یہی ہے کوئی بھی ہمارے خانگی مسائل میں دخل اندازی نہ کرے' اللہ کا شکر ہے ہم اپنے گھر میں بہت خوش ہیں۔"

"خاموش! باپ کے سامنے زبان درازی کرتے تجھے شرم نہیں آتی' کیا تیری آنکھوں کا بھی پانی مر گیا۔ اور آج جاوید میاں نے بھی منہ زوری کر کے اور ہمارے فیصلہ کو رد کر کے اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ اسے بدتمیزی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا' اور ایک بات کان کھول کر سن لو شمانہ' اب تم اس وقت تک جاوید کے ساتھ نہیں جاؤ گی جب تک وہ ہمارے حکم کے آگے گھٹنے نہ ٹیک دے' اور بیٹا اب اپنی نانی کے گھر جا کر سو جاؤ' لیکن جاوید تو اپنے سسر کی بچتے آنگن میں پڑے چھپر کے نیچے سا بابا محمد حسین نے اپنی بات دار آواز سے شمانہ کو مرعوب کرتے ہوئے کہا .... جاوید نے محمد حسین کے آخری جملے سن لئے تھے' اس نے غصہ سے بے قابو ہوتے ہوئے سسر سے کہا۔

"رات تو فٹ پاتھ پر بھی بسر ہو جاتی ہے' آپ چھپر کی زحمت نہ فرمائیں۔"

شمانہ بڑی مشکل سے منا کر جاوید کو نانی کے گھر لے گئی' اس نے جاوید سے اپنے ہی ساتھ گھر میں سونے کی التجا کی لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ وہ چھپر کے نیچے ہی سونے پر بضد تھا' وفادار بیوی کو یہ کب گوارا تھا کہ شوہر سردی کے موسم میں تنہا چھپر کے نیچے تنہا سوئے۔ اس نے بھی اپنا بستر وہیں لگایا' رات گئے تک دونوں باتیں کرتے کرتے سو گئے' صبح کو جاوید نے شمانہ سے کہا کہ تمہارے والد جھگڑے پر آمادہ ہیں اس لئے میں تمہیں پندرہ دن بعد آ کر لے جاؤں گا' یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

شمانہ اپنے والدین سے سخت نالاں تھی' اس نے اپنے اس سوتیلے باپ سے کوئی واسطہ نہ رکھا جو اس کے گھر میں بے غیرتی کی دیوار اٹھانا چاہتا تھا' 15 دن گزر گئے لیکن جاوید خان نہیں آیا' شمانہ بے چین تھی' لیکن وہ آتا بھی کیسے' شمانہ کے باپ نے جاوید خان کو اپنی فیکٹری کے کارندوں سے خوب پٹوایا تھا' اس کے جسم پر لاٹھیوں سے ضربیں لگائی تھیں' جب جاوید بے دم ہو گیا تو اسے سڑک پر ڈلوا دیا۔

بڑی مشکل سے یہ بے چارہ کسی طرح بابوڑا پہنچا۔ پوشیدہ زخم اسے جان لیوا لگے کہ جاوید کا دماغی توازن برقرار نہ رہ سکا' گھر والوں نے اس سے واقعہ کی تفصیل معلوم کرنا چاہی لیکن وہ نقاہت سے اس قدر بے دم تھا کہ کچھ نہ بتا سکا' اس کے چھوٹے بھائی احمد جتوئی محمد اور مسعود خان اسے بابوڑے کے ہسپتال لے گئے۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ سر اور سینے پر شدید ضربیں لگائی گئی ہیں۔ جگہ جگہ اندرونی اندر خون جم گیا ہے جس کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہو گئی ہے' اچھا ہوا کہ بروقت انہیں طبی امداد مل گئی ورنہ کیس قابو سے باہر ہو جاتا۔

ماں نے جاوید کو سمجھایا' بیٹا کسی کے بہکاوے پر تو

نکلا ہوتا نہیں' میں نے تو شمانہ کو یتیم سمجھا تھا اور اس کی عادات و اطوار مجھے پسند تھے' لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا' کوئی وحشی اس کا باپ بن کر میرے جگر پارے کو ظلم کا نشانہ بنائے گا۔ بیٹا تم سسر کی بات مان لو' میں خوشی سے تمہیں الگ ہونے کی اجازت دے رہی ہوں۔ مجھے تو بس تمہاری جان عزیز ہے' میں نہیں چاہتی کہ تم کسی سازش کا شکار ہو کر اپنی جان گنوا بیٹھو' تم ہی سوچو تمہاری ننھی بچی کا کیا ہوگا۔

جاوید کی حالت جیسے ہی کچھ اور بہتر ہوئی وہ ہاپوڑ کے لئے روانہ ہو گیا' تین فروری کی شام چھ بجے وہ اپنی سسرال پہنچا تو سب سے پہلے اس کی ملاقات اپنی ساس سے ہوئی۔ وہ کچھ مزاحیہ مزاج کی تھیں۔ جاوید نے جاتے ہی سوال کیا "شمانہ کہاں ہے میں اسے لے جانے آیا ہوں۔"

جاوید نے ساس کے چہرے کا جائزہ لیا' لیکن اس کے چہرے پر تصنع کا شائبہ تک نہ تھا' تو اس نے کہا مجھ پر کیا کیا مظالم ڈھائے گئے' کیا یہ بھی نہیں معلوم' یہ سن کر ساس متفکر ہو گئی' کیا ہوا مجھے تو ذرا بھی خبر نہیں۔

جاوید نے محمد حسین کے اشارے پر بیکری والوں کے مظالم کی داستان سنائی تو اس کی ساس زار و قطار رونے لگی۔ آخر وہ اس کی بیٹی کا شوہر تھا' دل کا غبار جب کچھ حد تک آنکھوں کے راستے بہہ کر کم ہو گیا تو اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"بیٹا میں تو تمہارا برا کبھی نہ چاہوں گی' جس دن شمانہ کے ابا نے تمہیں علیحدگی پر مجبور کرنا چاہا تھا' میں اس دن ان کے ساتھ شریک ضرور تھی لیکن صرف ان کی دھمکیوں کے ڈر سے' ورنہ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تم اپنی ماں اور بہن کو بے سہارا چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ تم خوشی سے شمانہ کو ساتھ لے جاؤ' وہ کب سے تمہارے لئے چشم براہ ہے' اسے کیا معلوم کہ اس کے سرتاج پر کیا کیا مظالم ڈھائے گئے' شمانہ اپنی نانی بوا کے یہاں ہے تم وہیں چلے جاؤ۔" جیسے ہی شمانہ کو خبر لگی کہ جاوید آیا ہے تو وہ دوڑتی ہوئی آئی اور آ کر اپنے جاوید سے لپٹ گئی' جیسے کئی صدیوں بعد وہ اپنے ساجن سے ملی ہو۔

جاوید کی آمد سے شمانہ کے بدن میں بجلیاں سی بھر گئی تھیں۔ وہ گھر بھر میں بھاگی بھاگی پھر رہی تھی۔ اسے یوں مست و سرشار' تیاری میں مصروف دیکھ کر اس کی نانی بوا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹی' ابھی ایسی کیا جلدی ہے کہ آج ہی جاؤ گی' چھوٹی بچی ساتھ ہے' موسم سرد ہے کل چلی جانا بیٹی۔" پھر وہ جاوید کو سمجھانے لگیں۔

"بیٹا تم محمد حسین سے خفا ہو میں جانتی ہوں' اس نے تم سے انتہائی غلط قسم کا مطالبہ کیا' مجھے تم پر اور تمہاری محبت قدری پر فخر ہے' لیکن بیٹے شمانہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے' میں نے اسے بچپن سے پالا ہے میرا بھی کچھ حق ہے' میری تو یہی رائے ہے کہ تم لوگ کل چلے جاؤ۔"

جاوید کو نانی کے حکم کے سامنے سرخم کرنا پڑا' لیکن اس نے محمد حسین کے ظلم کے بارے میں نہ تو نانی کو بتایا اور نہ شمانہ ہی کو' رات کو وہ دونوں چھپر کے ہی نیچے بستر لگا کر سو گئے' رات کافی گزر چکی تھی' ایک چارپائی پر شمانہ اپنی بچی کے ساتھ لحاف ڈھانپے محو خواب تھی اور ایک چارپائی پر جاوید سویا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے جھٹکے سے اس کا لحاف کھینچا' اس سے پہلے کہ جاوید کچھ سمجھ پاتا' ایک چاقو اندھیرے میں چمکا اور اس کے پیٹ میں اترتا چلا گیا' وار نہایت کاری تھا۔

جاوید کی چیخ نکل گئی اس کا پیٹ کافی کٹ گیا تھا' آنتیں باہر کو آ رہی تھیں۔ اس نے ہمت سے کام لے کر حملہ آور کو پچھاڑنا چاہا تو دوسرا وار اس کی گردن پر ہوا' وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا' لیکن پھر بھی ہمت کر کے اس نے شمانہ کے بستر کی طرف دیکھا تو وہ بھی بچی کے ساتھ لہو میں ڈوبی پڑی تھی' ایک طرف گہرے زخم دوسری طرف بیٹی اور بیوی کی لاشیں۔ وہ کراہ کر بے ہوش ہو گیا' حملہ آور فرار ہو گئے۔

نانی ہوا اور نانا الگ کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔ انہیں اس خونریزی کی بھنک بھی نہ لگی صبح کو چار بجے حسب عادت جب نانی ہوا کی آنکھ کھلی تو انہوں نے شمانہ کو آوازیں لگانی شروع کیں' جواب نہ پا کر وہ سمجھیں کہ آج رات دیر سے سوئی ہوگی اس لئے بے خبر سو رہی ہے' انہوں نے خاموشی اختیار کر لی لیکن پھر جب کافی دیر تک وہ نہ اٹھی تو نانی ہوا شمانہ کو اٹھانے کے لئے اس کے پاس آ رہی تھیں' لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی۔

وہ فوراً باہر بھاگیں تو شدت غم سے گر پڑیں۔ نانی کی چیخ سن کر ڈبل روٹی کارخانے کے ملازمین اور شمانہ کے ماموں رمضان خاں بھی دوڑتے ہوئے آئے تو دیکھا نانی ہوا زمین پر پڑی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا ہو گیا تو نانی نے چھپر کی طرف اشارہ کر دیا' رمضان خاں اور ملازمین سب چھپر تک پہنچے تو وہ حیران رہ گئے' پورے پلنگ پر خون پھیلا ہوا تھا' جاوید خاں زمین پر پڑا ہوا تھا' شمانہ آدھی پلنگ اور آدھی زمین پر پڑی تھی' بچی شمانہ کے بازو پر مردہ پڑی تھی۔

رمضان خاں نے ہوش و حواس پر قابو پاتے ہوئے تینوں کی نبضیں دیکھیں۔ جاوید کی نبض بڑی سست رفتاری سے چل رہی تھی۔ لیکن شمانہ اور اس کی بچی اب اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے محمد حسین کو بلوایا وہ گھر پر ہی تھا' آ کر اس نے دیکھا' لیکن اس کے چہرے پر سفاکی کے علاوہ کچھ نہ تھا اس نے کہا۔

"مرجانے دو حرام زادے کو' اسی نے سب کو مارا ہے۔" رمضان خاں نے غضبناک ہو کر محمد حسین کو ڈانٹا' ایک شخص موت سے لڑ رہا ہے اور تم اس پر الزام لگا رہے ہو' اس نے کاریگر کو بھیج کر ڈبل روٹی بھرنے والا ٹھیہ منگوایا اور اس میں جاوید کو ڈال کر سرکاری ہسپتال لے گیا' لیکن ڈاکٹر نے فرسٹ ایڈ دے کر کہا کہ یہ پولیس کیس ہے۔ آپ لوگ رپورٹ درج کرائیے میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

رپورٹ لکھانے محمد حسین نے بڑی تیزی دکھائی اور اپنی ساس حسین بیگم کو ساتھ لے جا کر اپنے منصوبے کے مطابق رپورٹ درج کرا دی' حسین بیگم سیدھی سادی عمر رسیدہ عورت تھی۔ محمد حسین نے اس کی طرف سے رپورٹ اس طرح لکھائی۔

میری نواسی شمانہ کی شادی جاوید خاں بن محمد اسماعیل ساکن محلہ چھپر والا کنواں قصبہ باپوڑ کے ساتھ ہوئی۔ دو فروری کو جاوید اپنی بیوی کو لینے میرے گھر آیا' کیونکہ شمانہ میرے پاس ہی رہتی تھی' بیماری اور کچھ گھریلو کام کاج کی وجہ سے بچی نے جاوید سے کہا کہ چند دن بعد لے جانا۔ اس پر وہ کافی خفگی کر کے چلا گیا' پھر تین فروری کو شام کو دوبارہ آیا اور کھانا کھانے کے بعد میری نواسی اور جاوید کمرے کی بجائے چھپر میں سو گئے میں کمرے میں سوتی تھی۔ پانچ بجے جب میری آنکھ کھلی تو میں باہر آئی تو دیکھا جاوید اپنے ہاتھوں میں استرا لئے میری نواسی اور اس کی بچی پر حملہ کر رہا ہے میں نے شور مچایا تو بیچ کارخانے کے ملازم کلیم خاں --- اور میرا داماد محمد حسین ولد فضلو خاں وغیرہ آ

گئے۔

انہوں نے جب جاوید کے سر پر خون سوار دیکھا تو اسے پکڑنے کے لئے دوڑے لیکن اس نے موقع دیئے بغیر خودکشی کے ارادے سے اپنے پیٹ اور گلے پر استرے سے وار کرنے شروع کر دیئے جاوید زندہ ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔ چھپر کے نیچے میری نواسی اور اس کی بچی کی لاش پڑی ہے فوراً معاملہ کی چھان بین اور کارروائی کی جائے۔ حسین بیگم زوجہ ناظم خان۔

محرر نے مقدمہ جرم نمبر 17 زیر دفعہ 302-309 کے تحت درج کر لیا اور تفتیش کا کام ایس آئی نے اپنے ذمہ لے لیا اور فوراً جائے واردات پر جا پہنچے، پھر ہسپتال جا کر جاوید کا بیان قلمبند کرنا چاہا لیکن ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ بول نہیں سکتا کیونکہ اس کا پیٹ اور گلا بری طرح کٹا ہوا ہے۔

محمد حسین نے ایک چال اور چلی وہ ایک سادہ کاغذ لے کر جاوید کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ اس پر دستخط کر دو، ہم اس پر بیان لکھ دیں گے کہ تم نے شبانہ اور بچی کو قتل نہیں کیا، ہم تمہیں بچالیں گے۔

جاوید نے رمضان خان کے اشارے پر منع کر دیا، اس نے اشارے سے کہا کہ وہ انگوٹھا لگا سکتا ہے، محمد حسین نے اس کا انگوٹھا کاغذ پر لگوا لیا۔

جاوید کی والدہ کو جب اس دل سوز حادثہ کی خبر ملی تو وہ بھی روتی پیٹتی آ پہنچیں اور جاوید کو میڈیکل کالج کے ایمرجنسی وارڈ میں بھرتی کروایا جاوید کی والدہ کو ان کے وکیل نے مشورہ دیا کہ وہ بھی اپنی رپورٹ درج کرا دیں، جاوید خان کی والدہ نے رپورٹ تیار کر کے کوتوالی سیانہ جا کر رپورٹ درج کرانی چاہی لیکن وہاں کے کوتوال نے اس معاملے میں ٹال مٹول سے کام لیا اور رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا۔

رپورٹ کا مضمون اس طرح تھا۔

میرا لڑکا جاوید خان تین فروری کو اپنی بیوی کو لینے سیانہ اپنی سسرال گیا تھا، چار فروری کو مجھے خبر ملی کہ جاوید۔ اس کی بیوی اور بچی کو کسی نے قتل کر دیا ہے، میں فوراً سیانہ پہنچی وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ میری بہو اور بچی مر چکے ہیں اور میرا بیٹا جاوید بری طرح زخمی حالت میں ہسپتال میں موت و حیات کے درمیان ہچکولے کھا رہا ہے۔

میرے بیٹے کا سسر محمد حسین سوتیلا ہے وہ جاوید کی بیوی شبانہ کی جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے بہت دنوں سے انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا، اس نے ایک مرتبہ کسی چھوٹی بات پر ناراض ہو کر میرے بیٹے پر قاتلانہ حملہ بھی کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ میری بہو اور پوتی کا قاتل محمد حسین ہی ہے، میری قانون سے استدعا ہے کہ اس وحشیانہ خونریزی کی تفتیش کر کے قاتل کو بے نقاب کیا جائے اور اسے عبرتناک سزا دی جائے۔ اختری بیگم زوجہ اسماعیل خان مرحوم۔

سیانہ کا کوتوال ظفر پالا چیئرمین مسعود خان کے دباؤ میں تھا اس لئے اس نے جاوید کی ماں کی رپورٹ درج نہیں کی، مجبور ہو کر ایک ٹیلیگرام کے ذریعے مذکورہ مضمون کی رپورٹ ایس پی بلند شہر کی خدمت میں بھیجی گئی۔

اسی دوران شبانہ اور اس کی بچی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی آ گئی، جس سے محمد حسین کا یہ جھوٹ سامنے آ گیا کہ جاوید نے پانچ بجے شبانہ پر حملہ کر دیا تھا کیونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق شبانہ کے معدہ میں پایا جانے والا کھانا نیم ہضم تھا اور بچی کے کھانے پر ابھی مکمل ہضم شروع بھی نہ ہوا تھا جس سے ثابت ہو گیا کہ قتل کی واردات ایک بجے سے دو بجے کے درمیان واقع ہوئی۔ قاتل نے جاوید کو اس لئے زخمی

کیا گیا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ اس نے خود اپنی بیوی اور بچی کو قتل کر کے خود بھی خودکشی کی کوشش کی تھی۔ بیان میں یہ الزام بھی تھا کہ جاوید نے اپنی بیوی بیٹی کو قتل کیا ہے۔

جاوید خان کو پیٹ میں ساتھ لگا تھا اور گردن بھی دو انچ کٹ گئی تھی لیکن ڈاکٹروں کی مسلسل اور پوری توجہ سے اس کی زندگی بچالی گئی مگر بولنے کی اجازت صرف ایک ماہ کی زبان بندی کے بعد ہی ملی تو پھر جاوید کا بیان قلم بند کیا گیا۔

"میں نے زور دیا کہ اپنی بیوی شمانہ کو لیتے سسرال گیا تھا مجھ سے میرے سسر نے اگلے دن لے جانے کو کہا میں نے ان کی بات مان لی اور پھر میں اپنی اہلیہ کے ساتھ اس کی بچی کے ساتھ کمرے میں پڑے پچھے کے نیچے سو گیا۔ رات تقریباً تین بجے میری آنکھ کھلی تو دیکھا میرا سسر محمد حسین اور دو اجنبی شخص میری بیوی اور بچی پر چاقو سے حملے کر رہے ہیں میں برداشت نہ کر سکا اور اسے بچانے کے لئے جیسے ہی اٹھا تو محمد حسین نے میرے پیٹ پر حملہ کیا۔

میری آنکھیں باہر نکل آئیں میں نے اندھیرے وقت کی روشنی میں ان لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کی اتنے میں دوسرا حملہ میری گردن پر کیا گیا میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تو یہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر بھاگ گئے ہوں گے۔"

میڈیکل کورٹ سے ڈسچارج ہونے کے بعد سب کو جاوید کو ایک ماہ تک جلد عدالتی جیل میں رہنا پڑا پھر ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

سگے باپ محمد حسین نے شمانہ اور اس کی معصوم بچی کو قتل کیوں کیا یہ حقیقت بھی سامنے آ گئی ہے۔ بات یہ تھی کہ حسین بیگم کو شمانہ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ دو سال کی عمر سے وہ انہیں کے سائے تلے پروان چڑھی



تھی۔ حسین بیگم اپنی ساری جائیداد شمانہ کے نام کرنا چاہتی تھیں۔ وہ گھر میں بارہا اس کا اعلان بھی کر چکی تھیں اور اب کچھ دنوں سے مستقل بیمار رہنے کی وجہ سے وصیت بھی کرانے والی تھیں۔ شمانہ محمد حسین کی حقیقی بیٹی نہیں تھی لیکن شمانہ کی ماں اب اس کے نکاح میں تھی۔ محمد حسین کی دو لڑکیاں اس کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں اور اب وہ جوان ہو چکی تھیں۔ محمد حسین شمانہ کو راستے سے ہٹا کر نانی کی جائیداد اپنی بیٹیوں کے نام کرانا چاہتا تھا اسی لالچ کے لئے اس نے یہ خونی کھیل کھیلا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

شمانہ کی جوان موت ایسا جانکاہ حادثہ تھی کہ اس کی نانی برداشت نہ کر سکیں اور چھ ماہ تک اس غم میں گھٹ گھٹ کر اس فرسودہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی ہے جاوید کی معاشی حالت اب اور خستہ ہو گئی ہے اس لئے وہ اپنے حق کے لئے قانونی چارہ جوئی کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ تین جوان جانوں کی قاتل ٹولی پریشان گھوم رہی ہے اس لئے قاتل جیل کی سلاخوں سے باہر آزاد گھوم رہے ہیں اور جاوید سے کیس ختم کرنے کا مطالبہ بھی کیا جا رہا ہے۔

تاہم تحریر محمد حسین اور کسی دوسرے شخص کی کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آ سکی۔



عائشہ کے ٹوٹکے

انچارج۔ عائشہ جبیں

اس عنوان کے تحت ہمیں "گھریلو ٹوٹکے" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کریں گے۔ اس کالم میں مرد حضرات بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی ٹوٹکے شائع کروا سکتی ہیں۔

لکھیے: عائشہ کے ٹوٹکے۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

برتنوں کی چمک بحال کریں

کبھی برتن اندر سے اچھی طرح صاف نہیں ہوتے ہیں اور ان کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ ایسے میں برتنوں میں گرم پانی ڈالیں اور ان میں دو ٹیبل اسپون سرکہ ڈال کر رات بھر اسی حالت میں چھوڑ دیں مگر اس سے قبل اسے ڈھکنا نہ بھولیں۔ صبح اچھی طرح صفائی کریں برتنوں کے اندر کے سارے داغ دھل جائیں گے اور برتنوں میں چمک آ جائے گی۔

☆ طاہرہ رفیق۔ کوئٹہ

ڈسٹمپر کی بو ختم کریں

اگر کمرے میں تازہ تازہ ڈسٹمپر ہوا ہو تو اس میں کچھ خشک گھاس رکھ دیں۔ یہ عمل کرنے سے 24 گھنٹے کے اندر اندر پینٹ کی بو ختم ہو جائے گی۔

☆ سمیرہ۔ رحیم یار خان

آلوؤں میں سفید ڈنڈیاں نمودار نہ ہوں

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آلوؤں میں چھوٹی چھوٹی سفید ڈنڈیاں نمودار نہ ہوں تو ان آلوؤں کے درمیان ایک عدد سیب رکھ دیں۔

☆ حنا۔ ملتان

چاقو اور چھری تادیر تیز رکھیں

چاقو اور چھری کی تیزی کو تادیر برقرار رکھنے کے لیے انہیں روزانہ رات کو ڈیپ فریزر میں رکھ دیں اور صبح کے وقت نکال لیا کریں۔

☆ عائشہ۔ لاہور

بخار کم کریں

بخار بہت تیز ہو تو اسے نیچے لانے کے لیے تھوڑی سی کاٹن لیں اور اس پر ایک چمچ برانڈی ڈال دیں اور اس برانڈی سے بھیگے کاٹن کو بخار سے متاثرہ شخص کی ناف پر رکھ دیں۔ پانچ منٹ کے اندر اندر بخار اتر جائے گا۔

☆ بتول زہرہ۔ اسلام آباد

باتھ تاول کو جاذب نظر بنائیں

باتھ تاول کو اور زیادہ جاذب نظر بنانے کے لیے اسے کچھ دیر کے لیے نمک ملے پانی میں بھگو دیں۔

☆ نادیہ۔ سیالکوٹ

روشن خیال ایک شادی شدہ عورت کی حقیقت جس
نے اپنے آشنا کی لیے اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کی

عیار بیوی

سمیعہ ..... اگروال

مسز چترا آج شام سے ہی محسوس کر رہی تھی کہ اشوک کچھ چپ چپ سا ہے۔ آخر کیا بات ہو سکتی ہے؟ وہ دل میں سوچتی ہوئی تولیہ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئی۔

فریش ہونے کے بعد وہ بیڈ روم میں آئی تو دیکھا کہ اشوک اب بھی آرام کرسی پر نیم دراز اپنے خیالوں میں گم ہے۔

چترا نے عقب سے اس کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

کن حسین خوابوں میں ڈوبے ہوئے ہیں جناب؟

لیکن اشوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی بلکہ وہ اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے چترا کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔

چترا تم مجھے پیار تو کرتی ہو نا؟

ہاں۔ چترا حیرت سے بولی۔

کتنا.....؟

شوہر ایک بیوی جتنا پیار کر سکتی ہے اتنا ہی میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں۔ آپ ہی میرے سب کچھ ہیں۔ میری زندگی ہیں۔ آپ کے بغیر میری زندگی نامکمل ہے۔

چترا ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اشوک کو اس وقت یقین اور اعتماد کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اپنی بات کہہ کر وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔

کیا تم سچ کہہ رہی ہو چترا؟

ایک اضطراب کے عالم میں اشوک نے پوچھا اور پھر اس سے پہلے کہ چترا کچھ جواب دیتی اشوک بولا۔

آج یہی الفاظ تم نے نلن کے سامنے بھی ادا کیے تھے۔

نلن کا نام اشوک کے منہ سے سن کر چترا سناٹے میں رہ گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔

آج کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ نلن کا قصہ تو کب کا تمام ہو گیا۔ پھر آج کیوں ان صفحات کو پلٹ رہے ہیں؟

اس لیے کہ وہ کہانی ابھی ادھوری ہے' آخری باب ابھی لکھا جانا باقی ہے۔

اشوک اٹھ کھڑا ہوا اور چترا کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

پوچھا کہہ رہی تھی کہ آج بھری دوپہر میں تم نلن کے ساتھ اندر بیڈ روم میں.....!



اور تم نے سن لیا؟

بھلا وہ کیوں جھوٹ بولے گی۔ تمہاری چغلی کرنے میں اس کو کیا فائدہ ہے وہ جیسے میری بیٹی ہے ویسے ہی تمہاری بھی۔

دیکھو بچی بچوں کی بات پر میرے اوپر الزام مت لگاؤ۔

اشوک اس رات چاہ کر بھی نہیں سو پایا۔ تنگ آ کر کتاب لے کر بیٹھ گیا لیکن لاکھ کوشش کے باوجود اس کا دل کتاب میں نہیں لگا۔ آخر کار کتاب ایک طرف رکھ کر اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور اس کی بغل میں لیٹ گیا۔

پھر دل کے بھاگتے ہوئے گھوڑے کی لگام اس نے ڈھیلی چھوڑ دی۔ اسے یاد آنے لگی من کے ساتھ اپنی ایک ملاقات.....

پٹنہ گنگا باغ میں اشوک کے ایک دوست رام کمار رہتے تھے۔ انہوں نے بلبل نامی ایک خوبصورت لڑکی سے محبت کی شادی کی تھی۔ دوست ہونے کے ناطے رام کمار نے اشوک کو بھی اپنی شادی کے استقبالیہ میں مدعو کیا تھا۔ پنڈال میں رام کمار کے ساتھ بے تکلفی سے ایک لڑکی کو ہنستے دیکھ کر اشوک بے خودی میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ رام کمار نے اس لڑکی سے تعارف کراتے ہوئے کہا تھا۔

ان سے ملیے میری چھوٹی سالی صاحبہ مس چترا ہیں۔

اشوک نے ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا تو رام کمار اشوک سے بولا۔

تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو میں ذرا پارٹی دیکھتا ہوں۔

چترا سکڑی سمٹی سی اس کے ساتھ لان میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئی۔ اسمارٹ اور ہنس مکھ اشوک کی لچھے دار باتیں کسی بھی لڑکی کا دل جیتنے کے لیے کافی تھیں۔ اوپر سے وہ آئی اے ایس افسر گووند متہ کا بیٹا تھا۔ بہار سرکار کے سیکریٹری ہونے کے سبب گووند متہ کے نام سے پٹنہ کے تمام لوگ واقف تھے۔

بی ایس سی، ایل ایل بی اور ڈپلومہ انٹرنل ایڈمنسٹریشن کی لمبی چوڑی ڈگری لینے کے بعد اشوک متہ ان دنوں ہیوچلز کورٹ نامی ایک ہفتہ وار انگلش اخبار کی ادارت سے وابستہ تھا۔ یہی نہیں باپ کی مہربانی سے وہ پٹنہ اور نوادہ کے درمیان ایک بس بھی چلا رہا تھا۔

ویسے بھی نوادہ ضلع کے ایک گاؤں میں متہ خاندان کی کافی زمین تھی لیکن اشوک بچپن سے ہی اپنے پاپا کے پاس پٹنہ میں رہا تھا۔ دوست کی شادی کی تقریب میں چترا سے ہوئی اس کی ملاقات دھیرے دھیرے دوستی میں بدل گئی۔

اب پٹنہ کی سڑکوں پر چترا اشوک کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھی نظر آنے لگی تھی۔ چترا اکثر اشوک سے کہا کرتی۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے تب کیوں نہ اسے بھرپور خوشیوں کے ساتھ گزارا جائے۔ یہ دن کیا بار بار آتے ہیں؟

دو سال گزرتے گزرتے یہ ملاقاتیں اب ہوس بھرے پیار میں بدلنے لگیں۔ چترا اشوک کی بانہوں میں الجھ کر دھیرے دھیرے اپنی عقل بھی کھونے لگی۔

آخر کار سترہ اپریل 81ء کو چترا اور اشوک نے اپنے پیار کو سماجی بندھنوں میں باندھ کر سماجی طور پر اسے پائیدار بنا لیا۔ دونوں میاں بیوی بن گئے۔ اشوک کے والد جو اب تک ریٹائرڈ ہو چکے تھے کسی بھی قیمت پر اس شادی کے حق میں نہیں تھے۔ انہیں چترا کی بڑی بہن شیلا کی اصلیت کا علم ہو چکا تھا۔

ممبئی میں ایئر انڈیا کے انجینئر اجیت سین گپتا کی بیوی مسز شیلا کی پہلی شادی رنجیت کمار ہوم سے ہوئی تھی۔ رنجیت کمار رانچی بہار کے رہنے والے تھے اور رانچی میں ہی بہار سرکار کے پبلک ریلیشن محکمے میں فوٹوگرافر تھے۔ ان کی بیوی شیلا ڈھاکہ بنگلہ دیش کی رہنے والی تھیں۔

ان کی اور رنجیت کمار کی شادی دونوں گھرانوں کے ایک واقف کار کی معرفت ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ سالوں بعد ہی مسز شکلا تین بچوں کی ماں بن گئی۔ سب سے بڑی ببلی تھی اس کے بعد چترا اور پھر ایک بیٹا تھا پلو..... 75ء میں مسز شکلا اپنے شوہر رنجیت کمار سے لڑ کر پٹنہ آ گئی اور پٹنہ ایئرپورٹ میں ایک ریڈی میڈ گارمنٹ کے شوروم میں بطور سیلز گرل نوکری کر لی۔

بغیر پوچھے گھر چھوڑ کر بیوی کا نوکری کرنا رنجیت کمار کو پسند نہیں آیا۔ مسز شکلا کے رویے سے انہیں بڑا دکھ پہنچا اور ان کی ازدواجی زندگی میں دراڑ آ گئی۔ ماں تو ماں بچے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ کر ماں کے پاس پٹنہ آ گئے۔ رنجیت کمار بیوی اور بچوں کی فرقت برداشت نہ کر سکے اور ایک دن دل کی حرکت بند ہو جانے سے ان کی موت ہو گئی۔

شوہر کی موت کے بعد مسز شکلا اور بھی آزاد ہو گئی۔ پٹنہ میں کتنے ہی لوگوں سے اس کی دوستی تھی۔ اسی دوران مسز شکلا کی بڑی بیٹی ببلی سے رام کمار نے محبت کی شادی کر لی اور مسز شکلا بھی اجیت سین گپتا کے ساتھ ازدواجی بندھن میں بندھ گئی۔

مسز سیوم سے مسز سین گپتا ہو گئی اور پٹنہ چھوڑ کر نئے شوہر کے ساتھ ماڈل ممبئی میں رہنے لگی۔ پلو ممبئی میں اپنے نئے باپ اجیت سین گپتا کے ساتھ تھا جبکہ چترا پٹنہ میں اپنے بہنوئی رام کمار کے یہاں ببلی کے ساتھ رہ رہی تھی۔

اب چترا گووند مہتہ کی چھوٹی بہو کی طرح اشوک کے ساتھ ان کے لاجندر نگر میں واقع مکان میں رہ رہی تھی۔ شادی کے کچھ برسوں بعد جب چترا پوجا اور پرینکا کی ماں بن گئی تب چترا کے بارے میں مہتہ کے خاندان میں اٹھتے بیٹھتے روز روز کے جھگڑے کے باعث اشوک کو چترا اور بچیوں کے ساتھ گھر چھوڑنا پڑا۔

پٹنہ میں ہی شنکر باغ میں دو کمروں کا ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے کر چترا اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ الگ سے گرہستی سنبھالنے لگی۔ وقت پر لگا کر اڑتا چلا گیا اور اسی دوران پوجا اور پرینکا کے بعد چترا ایک بیٹے کی ماں بھی بن گئی۔ اس کا نام رتن پریہ درشی رکھا گیا۔

اشوک مہتہ نے جوڑ توڑ کر کے پٹنہ کے شاندار موریہ لوک کمپلیکس میں دو دکانیں سی 150 اور سی 151 اپنے نام الاٹ کرا لیں۔ چترا کے کہنے پر اشوک نے ایک دکان میں یونی کیئر کے نام سے ایک بیوٹی پارلر کھول لیا۔ بیوٹی پارلر میں مرد اور عورت دونوں کے لیے الگ الگ مقام تھے۔

بیوٹی پارلر کا خواتین شعبہ چترا نے خود سنبھال لیا۔ چترا کی سوجھ بوجھ اور محنت سے جب یہ بیوٹی پارلر پٹنہ کی متوسط طبقے کی خواتین میں کافی مقبول ہو گیا۔ اشوک نے دوسری دکان میں ایک فاسٹ فوڈ کا ریستوران کھول لیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایک ہاٹ پوائنٹ ریستوران بھی کھول لیا جو لوگوں میں مشہور ہو گیا۔

ریستوران کے ساتھ ساتھ اشوک مہتہ نے ایک زیروکس کی مشین بھی لگا لی اور اس کے ساتھ ہی اس نے فریزر روڈ پر واقع شانتی دہار

اپارٹمنٹ کی چھٹی منزل میں ایک شاندار فلیٹ بھی خرید لیا اور تنگر باغ والا کرایہ کا فلیٹ چھوڑ کر اپنے نئے فلیٹ میں آ گیا۔

شانتی وہار کے فلیٹ کے علاوہ انہوں نے تلسی اپارٹمنٹ میں بھی ایک فلیٹ خرید لیا تھا اور ساتھ میں بھی ایک فلیٹ خرید لیا تھا اور ساتھ میں ہی چار مرلے کا ایک پلاٹ بھی۔ جنوری 92ء کے ابتدائی ہفتے کی بات ہے۔ خوشی سے چہکتے ہوئے چترا نے اپنے شوہر اشوک سے کہا۔

آج اوپر والے منتری جی کی فیملی میرے فلیٹ میں آئی تھی۔

مبارک ہو۔

اشوک نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا وہ جانتا تھا کہ اوپر والے منتری جی سے چترا کا مطلب موجود نگر وکاس راجیہ منتری مسٹر نارائن یادو سے ہے۔ مسٹر نارائن یادو کا بنگلہ سوریہ کمپلیکس میں ہوٹل کیفر کے اوپر پہلی منزل پر تھا۔

مسز یادو کو تو میرا کام بہت پسند آیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی ہے۔

ڈارلنگ تم ہو بہت خوش قسمت۔

اشوک نے خوشی سے جھوم کر کہا۔

دوسرے دن ہی منتری جی کی لال بتی والی سرکاری گاڑی شانتی وہار اپارٹمنٹ میں آئی اور چترا کو لے گئی۔ اس طرح سے چترا کا مسٹر نارائن یادو کے گھر میں آنا جانا شروع ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد ہی نارائن یادو کی نواسی کی سالگرہ تھی۔ گولڈی کی نانی یعنی منتری جی کی بیوی اپنے بیٹے سدانند عرف للن کے ساتھ گولڈی کی سالگرہ پارٹی کا دعوت کارڈ دینے آئی تھیں۔ چترا نے للن کا تعارف اپنے شوہر سے کراتے ہوئے کہا۔

ڈیئر ان سے ملو یہ ہیں منتری جی کے راجکمار سدانند جنہیں گھر میں سب للن کہتے ہیں۔

اشوک نے بڑی گرمجوشی سے للن سے ہاتھ ملایا۔ چترا مسز یادو کے ساتھ کافی لینے اندر کچن میں چلی گئی اشوک اور للن باہر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

گولڈی کی سالگرہ پارٹی میں للن نے خاص طور سے اشوک کا تعارف اپنے باپ نارائن یادو سے کروایا۔ منتری جی کی بیوی مسز یادو بات بات میں چترا کی تعریفوں کے پل باندھے جا رہی تھیں۔ بیوی کی تعریف سن کر اشوک اپنے دل میں فخر سا محسوس کرنے لگا۔

کچھ ہی دنوں بعد پوجا کی برتھ ڈے پارٹی تھی' چترا اور اشوک دونوں نے ایک ساتھ جا کر مسٹر نارائن یادو کے خاندان کو اپنی بیٹی کی برتھ ڈے پارٹی میں مدعو کیا تھا۔

چترا پارٹی کے لیے وقت سے پہلے ہی تیار تھی۔ سیاہ رنگ کی ساڑھی اس کے گورے بدن پر بہت ہی سج رہی تھی۔ اس دن چترا کی سج دھج دیکھ کر لگتا تھا کہ اس دن پارٹی اس کی بیٹی کی نہیں بلکہ خود اسی کی ہے۔

کیک کاٹنے کی رسم کے بعد للن نے اپنے ہاتھوں سے کیک کا ٹکڑا اٹھا کر چترا کے منہ میں ٹھونسا تو چترا بھی تھینکس کہے بغیر نہ رہ سکی۔

اس دن چترا کے ہاتھ سے آئس کریم لیکر

مخاطب ہوتے ہوئے اشوک سے کہا۔

کاش ہمارے للن کی بھی تمہاری جیسی حسین اور سمجھدار بیوی ہوتی۔

اب اشوک اور اس کی حسین ترین بیوی چترا کی منتری جی کے خاندان کے ساتھ خوب پٹنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ للن نے اپنے باپ مسٹر نارائن یادو سے کہہ کر اشوک کو پنڈ امپرومنٹ ٹرسٹ کا ممبر مقرر کروا دیا تھا۔

اب اکثر للن کی کار چترا کے بیوٹی کیئر کے سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی تھی۔ ایک دن اشوک کی بڑی بیٹی پوجا نے اپنے پاپا کو بتایا۔

پاپا ممی بڑی گندی ہیں۔ آج وہ للن انکل کے ساتھ بیڈ روم میں۔

بیٹی تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟

نہیں پاپا للن انکل نے پرینکا اور پریہ درشی کو ٹافیاں اشارہ دے کر نیچے کھیلنے بھیج دیا تھا۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ تبھی فون کی گھنٹی بجی۔ بلبل موسی کا فون تھا۔ میں ممی کو بتانے کے لیے ان کے کمرے میں گئی تو وہاں ممی للن کے ساتھ۔

پوجا کی بات سن کر اشوک پریشان ہو گیا۔ اس وقت چترا گھر پر نہیں تھی۔ شاید للن اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے لے گیا تھا۔ دیر رات گئے تک وہ چترا کے انتظار میں جاگتا رہا اور جب اس نے للن کے بارے میں چترا سے پوچھا تو اس نے ساری بات مذاق میں اڑا دی۔

لیکن ایک دن تو اشوک نے خود اپنی آنکھوں سے چترا کو للن کی آغوش میں دیکھ لیا۔ دونوں بے لباس تھے۔ اس وقت اپنی عزت کے لیے اسے خاموش رہ جانا پڑا۔ بعد میں سمجھا بجھا کر اشوک چترا کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کرتا رہا۔ پوجا، پرینکا اور پریہ درشی کا واسطہ دیا لیکن چترا للن سے کسی بھی قیمت پر دوستی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

تھک ہار کر اشوک نے اپنی ساس مسز شکلا سین گپتا کو ممبئی ایک خط لکھا۔

تم بچوں اور چترا کے ساتھ یہاں آ جاؤ میں اسے سمجھا دوں گی۔

جواب میں چترا کی ممی نے اشوک کو لکھا۔

اشوک نے جب چترا سے ممبئی چلنے کے لیے کہا تو چترا غصے سے بپھر کر بولی۔

ممبئی میری جوتی جائے تم نے ممی سے چغلی کی ہے، تم ہی وہاں جاؤ۔

چترا کے اس سلوک نے اشوک کو بری طرح سے توڑ دیا تھا، روز روز کے گھریلو جھگڑوں کے سبب بچوں پر بھی برا اثر پڑ رہا تھا۔ اس لیے اشوک، پوجا، پرینکا اور پریہ درشی کو کسی اچھے ہوسٹل میں داخل کرانے کے لیے سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔ چترا بھی یہی چاہتی تھی کہ بچے کسی بورڈنگ ہاؤس میں چلے جائیں جس سے کہ اس کی آزادی میں رکاوٹ نہ پڑے۔

للن نے کرنل براؤن اسکول دہرہ دون کی کافی تعریف کی تھی۔

ٹھیک ہے ہم کل ہی فلائیٹ سے دہلی چلتے ہیں۔ وہاں سے دہرہ دون جا کر ان بچوں کو کرنل براؤن سکول میں داخل کرا دیں گے۔

دبے لہجے میں اشوک نے حامی بھرلی۔

28 اپریل کو جب چترا اپنے شوہر اشوک اور تینوں بچوں کے ساتھ دہلی جانے کے لیے طیارے میں سوار ہوئی تب ایئرہوسٹس کا اعلان سن کر چونک پڑی' ایئرہوسٹس کہہ رہی تھی۔

سبھی لوگ اپنی اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور سگریٹ نوشی نہ کریں' ہمارا جہاز دو گھنٹے پندرہ منٹ کی پرواز کے بعد ممبئی پہنچے گا۔

اشوک تم نے پھر مجھے دھوکا دیا۔ دہلی کا نام لے کر دھوکے سے ممبئی لے جا رہے ہو۔

اپنی سیٹ بیلٹ باندھتے ہوئے چترا اشوک کو گھورتے ہوئے بولی لیکن اشوک مسکراتا رہا۔

ممبئی پہنچنے پر پتہ چلا کہ چترا کی ماں مسز شکلا تو ڈھاکہ گئی ہوئی ہیں گھر میں اس کا چھوٹا بھائی پلو اور اس کی بیوی تھی۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ اچانک چترا کے نانا کی موت کا ڈھاکہ سے تار آیا تھا اس لیے مسز شکلا کو بغیر کسی پروگرام کے ڈھاکہ جانا پڑا۔

رات کے کھانے کے وقت پلو اور اس کی بیوی نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ جھاڑ لیے۔

یہ تمہارا میاں بیوی کا جھگڑا ہے۔ ہم بھلا اس میں کیا کر سکتے ہیں؟

ممبئی میں بھی چترا فون پر کسی سے باتیں کرتا نہیں بھولتی تھی۔ یہ سب دیکھ کر اشوک ذہنی طور پر پریشان ہوتا جا رہا تھا۔

چودہ مئی کو پوجا نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی گھر کے سامنے آ کر رکی' ٹیکسی میں للن بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی ممی چترا ہاتھ میں اٹیچی لیے لپک کر ٹیکسی میں للن کی بغل میں جا کر بیٹھ گئی اور ٹیکسی تیزی سے ایک سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

اس وقت اشوک اندر باتھ روم میں نہا رہا تھا۔ رات بھر سب لوگ چترا کے لوٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ پلو اور اس کی بیوی خاموش تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ لگتا تھا کہ انہیں پہلے ہی سے پتہ تھا کہ چترا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے للن پٹنہ سے ممبئی آیا ہوا ہے۔

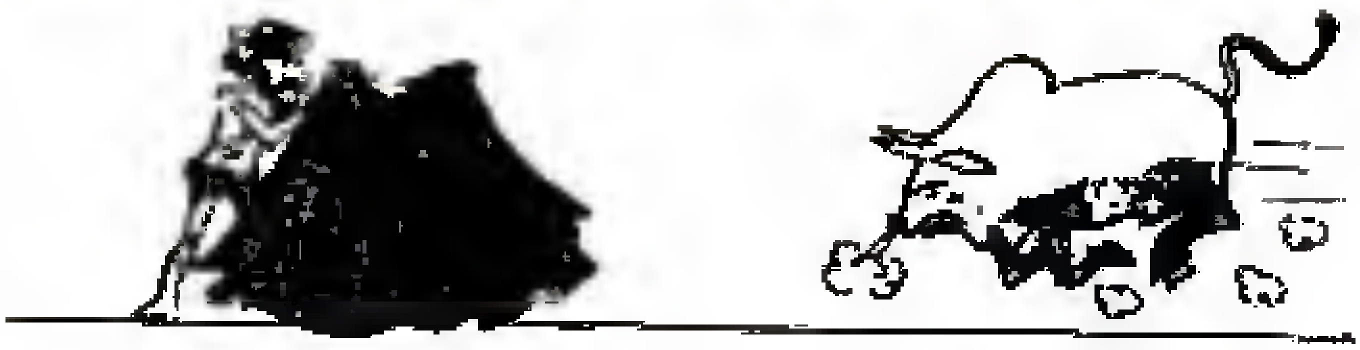
رات بھر چترا کا انتظار کرنے کے بعد پندرہ مئی کی صبح اشوک نے ملاڈ تھانے میں اپنی بیوی کے غائب ہونے کی رپورٹ درج کرائی اور دیکھی ممبئی سے اپنے تینوں بچوں کو لے کر واپس پٹنہ آ گیا۔

پٹنہ لوٹ کر اشوک للن کے پتاجی تارنی سے ملا تو وہ بولے۔

مسٹر تم میرے بیٹے پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو نہیں تو میں وہ کیپکس میں تمہاری بھی ہڈیوں کا ڈھانچہ تڑوا کر ان سب پر چترا کا قبضہ کرا دیا جائے گا۔

منتری جی کی دھمکی سن کر اشوک سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ اس کی جائیداد کو بھی ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس نے پٹنہ کے منصف مجسٹریٹ کے یہاں دفعہ 497 کے تحت منتری جی کے بیٹے سدانند عرف للن کے اوپر مقدمہ قائم کر دیا۔

منصف مجسٹریٹ نے اشوک کا بیان قلمبند کرنے کے بعد للن کے نام سمن جاری کر دیا۔ للن نے اشوک کے ذریعہ دائر کیا ہوا مقدمہ نمبری 92/326 میں ضمانت کرا لی۔ لیکن بات یہیں تک





نہیں رکی۔

چھبیس مئی کو چترا نے بھی اپنے شوہر کے خلاف طلاق کی درخواست دائر کرتے ہوئے کہا کہ میرے شوہر اپنے مقصد کے لیے میرے جسم کا ناجائز استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ شادی کے بعد مجھے ملی شہرت سے جل کر وہ مجھ پر طرح طرح کے بے بنیاد الزام لگا رہے ہیں اس لیے میری ساری جائیداد مجھے دلانے کے ساتھ ساتھ ہماری طلاق بھی قبول کرلی جائے۔

معاملہ طول پکڑ چکا تھا۔ ستائیس مئی کو چترا نے پٹنہ کوالی تھانے میں درخواست دے کر اشوک متر پر الزام لگایا کہ اس کا شوہر کبھی بھی اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ پھر گیارہ جون کو چترا نے اشوک متر اور اس کے والد و بھائی کے خلاف معاملہ درج کروایا کہ سبھی مل کر اسے ستا رہے ہیں۔

چترا کا یہ بھی الزام تھا کہ اشوک اپنی کاروباری ترقی کے لیے پچھلے کئی برسوں سے اس کا استحصال کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور جب اس نے مخالفت کی تو حالت یہاں تک آ پہنچی۔

منی سے اپنے تعلقات کے بارے میں چترا نے کئی بیان بدلے۔ ابتدا میں چترا نے کہا کہ منی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بعد میں ایک بیان میں چترا نے کہا کہ منی سے اس کا تعلق صرف دوستی تک محدود ہے اور یہ دوستی اس کے شوہر اشوک متر کے سبب ہوئی۔

منی نے بھی پہلے کہا کہ نہ تو وہ اشوک متر کے گھر گئے اور ناہی چترا متر سے کبھی اس کا تعارف رہا۔ لیکن بعد میں منی نے کہا کہ چترا کو وہ بھائی مانتے رہے ہیں۔

فروکاس منتری مسٹر نارائن یادو اس معاملے پر مسلسل خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ادھر چترا پٹنہ میں مسلسل چھپ کر رہ رہی ہے اور بار بار اپنی جان کو خطرہ ہونے کی دہائی دے رہی ہے۔

دلدل

مصنف عطاء الرحمٰن

ابو! ٹی وی پر فلم لگ چکی ہے۔ باجی بھاگ کر آؤ بڑا اچھا گانا لگا ہوا ہے۔ امی آپ ہمیشہ دیر سے ٹی وی روم میں پہنچتی ہیں۔ آج کی فلم پلیز مس نہ کرنا۔

نعمان جو کہ فلمی دوستی کا کالم بڑے غور سے پڑھ رہا تھا، چیختے ہوئے کہا پلیز شور نہ مچاؤ۔ مس شائلہ پوسٹ بکس نمبر 1757 کراچی بہت خوب اس کو ضرور خط لکھوں گا۔ مس لڑکی بن کر بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ ملتان فون نمبر 5331 پہ ندیم کو لڑکی بن کر فون کیا۔ آدھا گھنٹہ مس فائزہ بن کر باتیں کیں، پہچان بھی نہ پایا۔

سلیمان نعمان کا دوست ٹی وی روم میں داخل ہوتا ہے۔ نومی کیا سوچ رہے ہو۔ اتنی اچھی فلم لگی ہوئی ہے اور تم سوچوں میں گم ہو۔ کنول بھی اپنی امی کے ہمراہ فلم دیکھنے پہنچ گئی۔ سلیمان کنول صاحبہ ایف۔ اے کے پیپر کیسے ہوئے۔ پیپر تو اچھے ہوئے ہیں، اب رزلٹ دیکھیں کیا آتا ہے۔ کنول نے کہا جناب کے بھی تو بی۔ اے کے پیپر سر پر ہیں۔ کیسی تیاری ہے۔

پیپر کے بارے میں مجھے فکرمند ہونے کی کیا ضرورت، ابو جان کا پیسہ کب کام آئے گا۔ سیدھی بات ہے ہم تو پیسوں کے بل بوتے پر پاس ہوتے ہیں۔ نعمان اچھل پڑا۔ ابو یہ دیکھیں کتنا پیارا سین ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ہیرو ہیروئن سے حقیقی محبت کرتا ہے۔

بیٹا! آرام سے بیٹھو باقی افراد بھی تو فلم دیکھ رہے ہیں۔ ابو! آپ کنجوس ہیں معمولی سی داد بھی نہیں دے سکتے۔ فنکار کی فنکارانہ صلاحیتوں کو تسلیم کرنا چاہیے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ تمام افراد کیبل فلم میں اس قدر مصروف ہیں کہ مجبوراً شہنا جو کہ ایم۔ اے اردو کی تیاری کررہی تھی فون سننے کے لئے گئی۔ رات کے دو بج چکے ہیں، ابھی تک فلم دیکھی جارہی ہے۔

ہیلو! کھسر پھسر کی آواز سنائی دیتی ہے۔ شہنا نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ آپ کون بول رہے ہیں۔ جان من آہستہ بولو۔ کوئی اٹھ جائے گا۔

جی فرمائیے کیا حکم ہے؟ نیند نہیں آرہی تھی، میں نے سوچا چلو کسی سے گپ شپ ہوجائے۔

تمہیں شرم نہیں آتی رات کے دو بجے بھی تمہیں چین نہیں آتا۔

میرا دل تو تم نے چرالیا، مجھے نیند خاک آئے۔

کیسی فضول باتوں میں اپنی زندگی برباد کررہے ہو۔ خدا کا خوف کھاؤ۔ کیا تمہارے گھر ماں بہن نہیں۔

سوری! آپ برا مان گئیں۔ میں آصف بول رہا ہوں، عشق کرنا ہر فرد کا پیدائشی حق ہے۔ آپ مجھے



اس سے نہیں روک سکتیں کیونکہ پورا محلہ تمہاری حرکات سے واقف ہے۔ تمہاری چھوٹی بہن کنول میرے دوست پر مرتی ہے۔ مزید منہ نہ کھلواتا ورنہ ان دونوں کی ناقابل اعتراض تصاویر میرے پاس موجود ہیں۔ اگر سیدھی انگلیوں سے گھی نہ نکلا تو ہمیں دوسرا حربہ استعمال کرنا پڑے گا۔ تمہارا بھائی مس فائزہ بن کر کس سے آدھا گھنٹہ بات کرتا رہا۔

لمبی چوڑی تقریر کا میری ذات سے کیا تعلق جو تم نے مجھے پریشان کر دیا۔ شہنا نے تیز لہجے میں کہا۔

ہر لڑکی اچھی طرح سمجھتی ہے کہ کوئی لڑکا رات دو بجے فون کرے

اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اپنے ساتھ والے کمرے میں جھانک کر دیکھ سکتی ہو۔ مجھے کوئی معلوم نہیں شہنا نے مزید تیز لہجے میں ریسیور کو کریڈل پر دے مارا۔ لیکن تجسس نے اسے مجبور کیا کہ دیکھوں تو سہی کون سی قسم لگی ہوئی ہے۔ دروازے میں جھانکنے کی دیر تھی کہ اس کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ شہنا کی امی اور ابو کپڑوں سے آزاد شراب کے نشے میں۔۔۔ کنول اور سلیمان نے بھی اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ نعمان نشے میں دُھت ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ شراب سلیمان خصوصی طور پر اپنے دوست سے لایا تھا' اور کنول

نے کشمیری مشروب کہہ کر سب کو پلا دیا۔ ٹی وی پر فحش ترین فلم چل رہی تھی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

شہنا ہانپتی ہانپتی بیڈ پر گر گئی۔ اس قدر عریانی اس نے کبھی تصور میں بھی نہیں سوچا' لیکن جذبات تو ایک بہتا سمندر ہیں جن کو شہنا قابو میں لانے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن ناکام ہو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی پھر گھنٹی بجی۔ آصف نے دوبارہ فون کیا۔ شہنا نے ریسیور اٹھایا' بڑی مشکل سے ہیلو کہہ پائی۔

بس بس محترمہ زیادہ غصہ صحت کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔ کچھ ہمارے بھی حقوق ہیں۔ بہتی گنگا میں ہم بھی نہالوں گا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جذبات و احساسات کی ایک لہر نے شہنا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹیلی فون سمیت ٹی وی روم میں چلی گئی۔ سکرین پر تصاویر نے اس کو اندر سے توڑ دیا۔ چند لمحات بعد آصف نے ہلکی سی دستک دی۔ تم اس جگہ بھی پہنچ گئے۔ فون پر تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ خبردار اب گھر میں قدم رکھ چکا ہوں تو مایوس نہ بھیجنا۔ تمہارا کیا مطلب ہے' میں اپنی بربادی کا ایک باب رقم کر لوں۔ تمہاری چھوٹی بہن.... خبردار چھوٹی بہن کا کردار چھوٹی بہن کے ساتھ.... جیسے آئے ہو ویسے الٹے پاؤں چلے جاؤ ورنہ.... ورنہ تم میرا کیا کر لوگی۔ پولیس کو بلانے سے قبل تمہیں یہ سوچنا ہوگا کہ تمہاری ماں' بہن' بھائی اور باپ پر شراب نوشی کا مقدمہ بنے گا۔

ایک غیر لڑکے کا تمہارے گھر میں پایا جانا۔

آصف نے ایک قہقہہ بلند کرتے ہوئے کہا ذرا میں بھی وی سی آر تو دیکھوں طنز کا تیر شہنا کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ وہ دیوار بن کر کھڑی ہوئی' لیکن صنف نازک تھی' بازو کو ذرا جنبش دی اور شہنا زمین پر گر گئی۔

ٹی وی روم کا منظر چونکا دینے والا تھا۔ آصف نے فوراً کیمرہ نکالا اور تین عدد مختلف پوز سے تصاویر اتار لیں۔ کیمرہ لہراتے ہوئے شہنا کے پاس آیا' اس میں اب تمہاری عزت ہے۔ جب انکار کرو گی' تمہارے خاندان کی تصاویر چوک پر آویزاں کر دی جائیں گی۔ مسٹر آصف یاد رکھو تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکو گے' زبردستی کرو گے تو اس کا نقصان تمہیں اٹھانا پڑے گا۔ اسی لمحے سلیمان جس کا نشہ ہلکا ہوا تھا کمرے سے باہر آیا اور شہنا سے دست درازی کرنا شروع کر دی۔ نشہ عقل کا دشمن ہے۔ شہنا کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ آصف نے ایک اور فوٹو لیا' اور اپنے گھر کا فون نمبر دے کر واپس چلا گیا' اور یہ پیغام دے گیا کہ میں دو دن انتظار کروں گا۔ تیری عزت اب اس کیمرے کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ یاد رکھو آصف نے آج تک جس لڑکی کو پسند کیا ہے اس کو حاصل بھی کیا ہے۔

آصف اور سلیمان اکٹھے گھر سے نکلے' لیکن پولیس جو پہرہ دے رہی تھی اس نے دونوں کو آوارہ گردی کے کیس میں حراست میں لے لیا۔ اسی رات حلقے کے ایم این اے کے گھر چوری ہو گئی۔ دونوں دوست چوری اور ہیروئن فروشی کے الزام میں جیل کی چار دیواری میں پہنچ گئے۔ سلیمان پر شراب نوشی

کا بھی کیس بن گیا۔ کیمرہ پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پولیس انکوائری میں تصاویر تیار ہو کر عدالت کے حوالے کر دی گئیں۔ شہر کا معزز ترین آدمی اس حالت میں فوری طور پر پولیس نے پردہ ڈال دیا' لیکن اندرون خانہ پولیس نے مس کنول' مس شہنا اور ان کی والدہ سے مکمل نذرانہ وصول کیا۔ انکار کی صورت میں حوالات کا دروازہ انہیں صاف نظر آتا تھا۔

چار سال بعد دونوں دوست جیل سے باہر آئے تو دہشت گردوں کے آلہ کار بن چکے تھے' باہر آتے ہی انہوں نے لقمان کو اپنے گروپ میں شامل کر لیا۔ اسی دوران نعمان کی ملاقات ایک سیٹھ سے ہوگئی' جو کہ امریکہ جانے کے لئے ایئرپورٹ پر کھڑا تھا اور لقمان بھی امریکہ جانے کے لئے ایئرپورٹ پہنچا ہوا تھا۔ جہاز میں سامان لوڈ ہو چکا تھا اور مسافر کیبن سے اٹھ رہے تھے۔ سیٹھ نے لقمان کا بریف کیس جان بوجھ کر اٹھا لیا اور لقمان بے خبری میں سیٹھ کا' یہ سارا عمل سیٹھ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ کیا۔ لقمان جیسے ہی گیٹ پار کرنے لگا منشیات فروشی کے الزام میں لقمان کو پولیس نے گرفتار کر لیا۔

آج لقمان کی قسمت کا فیصلہ تھا' عدالت نے لقمان کو برسرعام پھانسی دینے کا حکم صادر فرمایا۔ عوام کی بھاری نفری چوک پر موجود تھی۔ آصف کے باس نے پوائنٹ 2 پر تخریبی کارروائی کرنے کا حکم دیا۔ آصف نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ چوک کی قریبی جگہ پر بم رکھنے لگا' لیکن بم ہاتھ میں پھٹ گیا۔ آصف کے جسم کے کئی حصے سڑک پر بکھر گئے۔



[illegible]

نعمان ہیروئن کے نشے کا عادی بن کر والدین کے لئے مزید رسوائی کا سبب بنا۔ کنول اپنے بوائے فرینڈ عنایت اللہ کے گھر سے فرار ہوگئی۔ شہنا کو نامعلوم افراد نے دن کے بارہ بجے بارونق بازار سے اغوا کر لیا اور اب وہ 6 لاکھ روپے تاوان مانگ رہے تھے۔

شہنا کا منگیتر یعقوب امریکہ میں پرائیویٹ فرم میں کام کرتا تھا' جب اس نے اغوا کی خبر سنی تو منگنی توڑ دی۔

مسز فردوس خان (کنول کی والدہ) کلب میں زیادہ مے نوشی کے سبب بے ہوش ہوگئی فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا' لیکن ڈاکٹر اس کی جان بچانے میں ناکام رہے' جبکہ ہسپتال کا انچارج ڈاکٹر نعیم اللہ خان کالج لائف میں مسز فردوس کا آئیڈیل فرینڈ تھا۔ مسز فردوس خان کی منگنی ہوگئی جس کی وجہ سے میڈیکل تعلیم ادھوری چھوڑ کر فردوس خان کی بیوی بقیہ زندگی بسر کرنے لگی' لیکن کلب جانا دوستوں سے میل ملاپ میں کوئی فرق نہ پڑا' لیکن آج یہ خاندان اس انجام کو پہنچ گیا۔

پیغامات

انچارج۔ ادارہ

اس عنوان کے تحت آپ اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو ماہنامہ سچی کہانی لاہور کے ذریعے سے مختصر پیغام دے سکتے ہیں۔ ہر پیغام کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ پیغام مختصر یعنی 10 لائن سے زیادہ نہ ہو۔ زیادہ لائن ہونے کی صورت میں 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر بھی شائع کروانا چاہتے ہیں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ قارئین اگر چاہیں تو اس کالم میں آپ خطوط بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

انچارج پیغامات۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

پیغام مسلم لیگ (ن) کی مرکزی قیادت کے نام

سندھ میں درجنوں مسلم لیگ (ن) کے ناراض سینئر اور قدیم رہنماؤں اور کارکنان کی کھیپ موجود ہے۔ جو اس بات پر برہم نظر آتی ہے کہ ان کا احساس محرومی اور تحفظات کو دور کرنے کے لیے ان سے قیادت نے رابطہ تک نہیں کیا۔ یہ رہنما اور کارکنان نامناسب حالات کے باوجود بھی پارٹی کے ساتھ وفادار اور مخلص رہے۔ جمہوری کلچر اسی وقت فروغ پاسکتا ہے جب وفاداری پارٹی کے آئین میں طے کردہ متعین مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔ اس سلسلہ میں قائداعظم محمد علی جناح کے کردار اور عمل کو مثال اور ماڈل بنایا جا سکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ پارٹی سے اختلاف رکھنے والوں کو فراخدلی اور تحمل مزاجی سے برداشت کیا بلکہ اگر کوئی ساتھی ناراض ہو کر چلا گیا تو اسے منانے کے لیے خود چل کر ان کے ہاں جانے سے بھی دریغ نہ کیا۔

ایک دفعہ نواب اسماعیل خان (عظیم لیگی رہنما) نے کسی مسئلہ پر اختلاف کیا اور ناراض ہو کر اپنے آبائی گھر میرٹھ چلے گئے۔ تو قائداعظم محمد علی جناح دہلی سے خود انہیں منانے کے لیے ان کے گھر میرٹھ تشریف لے گئے۔

اسی طرح ایک لیگی رہنما مولانا ظفر احمد انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر مذاکرات کے اختتام پر میڈیا کے سامنے قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا کہ۔

"میں نے مذاکرات میں طے پانے والے فیصلوں کی توثیق اس شرط کے ساتھ کی کہ اس کی منظوری آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی بھی دے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں منظوری کے لیے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو کمیٹی کے ایک رکن قاضی عیسیٰ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو خود اس سے اتفاق نہیں تھا..... ؟ اس پر میں نے بامساختہ جواب دیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں اس کی تائید ہی کیوں کرتا۔ میرے نوجوان ساتھی! تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ کوئی شخص عقل کل نہیں ہوتا اور ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر اس فیصلے میں کوئی کمی یا خامی موجود ہو تو اس کو دور کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کی جا سکے اور اہم بات یہ بھی ہے کہ اس جدوجہد میں جو لوگ شریک ہیں وہ برابر کے سٹیک ہولڈرز ہیں میرے ذاتی نوکر نہیں جن کا کام صرف میرے فیصلوں کی من وعن تائید کرنا ہو۔"

یاد رکھیے کہ قوم کے لیے اجتماعی فیصلے ہمیشہ اجتماعی دانش کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ان زریں اصولوں کے تناظر میں لیگی اعلیٰ قیادت کو کارکنان اور رہنماؤں کے تحفظات دور کرنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری
معرفت ذکریا شمس اولڈ بکسٹال انگ لوہاری گیٹ ملتان

شمع فروزاں

ہم میں سے زندہ وہی رہے گا جو دلوں میں زندہ رہے گا اور دلوں میں وہی زندہ رہتے ہیں جو خیر بانٹتے ہیں محبتیں بانٹتے ہیں اور آسانیاں بانٹتے ہیں..... !
ایک دن زندگی نے مجھ سے سوال کیا۔

" تم اپنے دوست کا ساتھ کب تک چاہتے ہو.....؟" میں نے ایک " آنسو" سمندر میں گرا دیا اور کہا۔
" جب تک تم اس کو ڈھونڈ نہ لو تب تک۔" اس پر سمندر رو پڑا اور کہا۔
" کاش! میرا بھی کوئی دوست ہوتا.....!"

دوستی سمندر ہے دوستی کنارہ ہے
دوستی ہی دنیا میں جینے کا سہارا ہے

دوستی کسی وجہ سے یا کسی مقصد کے لیے نہیں کی جاتی۔ مگر جب یہ ہو جاتی ہے تو زندگی کا مقصد اور جینے کی وجہ بن جاتی ہے۔

دوست' دوست نہیں دل کی دعا ہوتا ہے
محسوس تب ہوتا ہے جب یہ جدا ہوتا ہے
دوست کے بنا جینا ایک سزا ہوتا ہے
دوست آپ کے جیسا ہو تو جینے کا مزہ ہوتا ہے

پیارے قارئین! دوستی کے مذہب میں سب ایک ہیں۔ سب برابر ہیں۔ نہ کوئی بڑا نہ کوئی چھوٹا' نہ کوئی امیر نہ کوئی غریب' نہ کمزور نہ طاقتور دوستی رنگ' نسل' عمر' ذات پات اور مذہب کے تفرقات سے بالاتر اور پاک ہے۔ دوستی دراصل محبت اور محبت پوجا کا نام ہے۔ سنجیدہ مزاج لوگوں کو تاحیات ثابت قدم مخلصانہ دوستی کی دعوت عام ہے۔

☆ محسن بشیر موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

یمنیٰ زیدی کے نام

آپ ایک بہترین اور دل پسند فنکارہ ہیں۔ آپ کے بے شمار پرستار ہیں جو آپ کے پروگرام

بے حد شوق سے دیکھتے ہیں۔ آپ شوبزنس کے میدان میں کمال مہارت رکھتی ہیں۔ ڈرامہ میوزک اور میزبانی جو بھی پروگرام ہو آپ پرسیٹ ہو جاتا ہے۔ جیسے آپ اس رول کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں جو آپ کو دیا گیا ہے۔ آپ جیسی خوبصورت لب و لہجے والی آواز شاید کسی اور اداکارہ کی نہ ہو۔ پلیز! آپ ڈراموں وغیرہ میں نظر آئیں۔ آپ کی اداکاری اور آپ کی صلاحیتیں ہمیں بہت متاثر کرتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ آئندہ پروگراموں میں ضرور حصہ لیا کریں گی۔

چوہدری قمر جہاں علی پوری

معرفت ذکریا شمس اولڈ جسٹر انگلش لوہاری گیٹ ملتان

چوہدری وسیم افضل جوڑا ایڈووکیٹ

دکھی انسانیت کے مسیحا.....!

آج کے نفسانفسی کے دور میں بہت کم لوگ ہیں جو کسی مجبور یا ضرورت مند کے کام آتے ہیں۔ دولت کی ہوس اور لالچ نے آج کے انسان کو حقوق العباد سے غافل اور بے حس بنا دیا ہے۔ لیکن چوہدری وسیم افضل ایڈووکیٹ ایک عہد ساز شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں اور انہیں اگر میرٹ پر لایا جائے تو وہ دکھی انسانیت کے مسیحا ہیں۔ یاد رہے کہ جوڑا خاندان کو خدا نے بے پناہ طاقت، بے پناہ دولت اور غریبوں کی مدد کرنے کے لیے ایک بہت بڑا دل بھی عطا کیا ہے۔ کاش! اس ملک کا ہر بااثر انسان ایسا ہی نیک، رحم دل، مہربان اور دکھی انسانیت کا مسیحا بن جائے تو اس ملک سے غربت کا خاتمہ ممکن ہو سکے اور مستحقین کے چہرے پر بھی رونق نظر آ سکے۔ چوہدری وسیم افضل جوڑا ایڈووکیٹ کی صحت، سلامتی اور کامیابیوں کے لیے خدا سے دعا گو ہوں۔

محمد محسن بشیر موبائل نمبر 0321-6243546 گجرات

ایک بھائی کی ضرورت ہے

مجھے ایک پیارے سے بھائی کی ضرورت ہے۔ جس کی عمر 12 سے لے کر 15 سال ہو۔ مجھے فوراً SMS کرے۔

اے شہزاد موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن

مسافر کے نام

اے کاش میں آپ کا نام یا ایڈریس اسی وقت آپ سے پوچھ لیتا تو آج میں اتنا اداس نہ ہوتا کیونکہ آج بھی میں وہ حسین پل نہیں بھول سکا جو ملتان سے لے کر کراچی تک تیرے سنگ گیا مجھے آج بھی وہ منظر یاد ہے کہ پورے ستائیس منٹ گاڑی جنگل بیاباں میں کھڑی رہی۔ اے کاش کہ وہ وقت وہیں پر تھم جاتا اور ہم دونوں جدا نہ ہوتے۔

اگر یہ سطریں آپ کی نظر سے گزریں تو ہمیں یاد کر لینا۔

ایم نواز شاہین منگاوی

☆سکونِ قلبی چاہتا ہوں☆

☆محمد رشید ۔۔۔ لاہور☆

سوال= ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے بہت بڑا گھر ہے دولت ہے یوں کہہ لیں جو چیز چاہوں خرید سکتا ہوں مگر سکون نہیں ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب= محترم محمد رشید صاحب! آپ نے لکھا کہ میرے پاس بہت کچھ ہے مگر سکون نہیں ہے۔ اگر آپ سکون کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کی خدمت کریں۔ ایک اور بات ذہن میں رکھیں کہ خدمت کروانا بہت آسان ہے لیکن خدمت کرنا بہت مشکل ہے۔ خدمت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ خدمت کرنا بھی ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتا۔ محترم آپ! آج سے بلکہ ابھی سے اللہ کے بندوں کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں اور پابندی نماز کریں۔ آپ کو سکونِ قلبی نصیب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ☆

☆بہت جلد کامیابی ملی☆

☆محمد ایوب ۔۔۔ کراچی☆

سوال= عرصہ نو سال سے شادی شدہ تھا لیکن اولاد نہ تھی۔ دنیا جہان کے علاج کروائے بیوی سے ہر وقت لڑائی جھگڑا اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا تھا۔ ہمارے گھریلو حالات کشیدہ تھے اور نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی تھی۔ "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور محنت سے وہ تمام مشکل ترین عملیات خود کیے ۔۔۔۔ جو میں نہیں کر سکتا تھا۔ ان عملیات کی بدولت ہمیں اب امید بندھ گئی ہے تمام گھرانہ خوشیوں سے بھر گیا ہے۔ میں تو کیا تمام گھرانہ آپ کے لیے دن رات دعائیں کرتا ہے۔ میں اپنے جیسے دکھی بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ بے اولاد ہیں یا اولادِ نرینہ کے طالب ہیں تو وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب= محترم محمد ایوب صاحب! میں اس ذاتِ باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات اور بے اولادی کا خاتمہ ہوا۔ آپ اب صاحب اولاد ہونے والے ہیں اور گھریلو ماحول بھی خوشگوار ہو گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو نیک اور صالح بیٹا عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجرِ عظیم دے گا۔

☆ بے گھر' تنگدستی' قرض تلے دبے مجبور بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملایئے اور آزمایئے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ☆

انشاءاللہ تعالیٰ ..... ☆

☆☆نحوست اور پریشانیوں کی یلغار☆☆

☆خادم حسین ..... بہاولپور☆

سوال= چاروں اطراف سے نحوست اور پریشانیوں نے ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ پریشانیوں کا سلجھاؤ نہیں ملتا۔ دوسرا نحوست نے ہر طرف سے جکڑ رکھا ہے۔ ہر طرف سے پھنس گیا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب= منفی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ صدقہ بھی ادا کریں ساتھ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد"313 مرتبہ واللہ سمیع علیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 34) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل 41 روز تک جاری رکھیں ☆

☆سب کچھ برباد ہو چکا تھا☆

☆سجاد حسین ..... ملتان☆

سوال= میں نے عزیزوں رشتہ داروں سے قرض لے کر بڑے پیمانے پر کام شروع کیا' چند ماہ کام ٹھیک رہا پھر اس میں نفع کی بجائے نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا تھا..... قرض سر پر بہت چڑھ گیا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ میں بہت ہی زیادہ پریشان تھا۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص اور ہمدردی سے ہمارے لیے مشکل ترین عملیات خود کیے..... جو میں نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی بدولت میرا قرضہ بھی اترنا شروع ہو گیا ہے اور کاروبار بھی آہستہ آہستہ بہتری کی طرف جا رہا ہے میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب= محترم سجاد حسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا اور آپ کا قرضہ بھی اترنا شروع ہو گیا ہے۔ اب آپ ایک بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہے ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ..... ☆

☆ادارہ (خاص کر اوادرہ) کے لیے پریشان بہن بھائیوں سے آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے کامیابی یقینی طور پر ہوگی ☆

☆الجھنوں میں پھنس گیا ہوں☆

☆عابد علی .... جھنگ

سوال=میں الجھنوں سے چھٹکارا چاہتا ہوں۔اس کے لیے میں نے بہت سے وظائف کیے اور بہت سے تعویذات بھی لیے مگر ان کا الٹا اثر ہوا آپ کے بارے میں "ماہنامہ سچی کہانی" میں پڑھا اور بہت سے لوگوں سے سنا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب=بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "135 مرتبہ "ت"یا تواب یطلق عزرائیل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل پابندی 3 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں☆

☆میرے شوہر کانوں کے کچے تھے☆

☆زرینہ تبسم .... مردان

سوال=میرے شوہر کانوں کے کچے تھے۔جو کچھ ان کی ماں اور بہنیں کہتی تھیں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے تھے میری نہیں سنتے تھے۔ پہلے میری سنتے تھے لیکن اب جو میں کہتی اس کا الٹ کرتے تھے۔میری ساس اور میری نندیں مجھے تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔میں ذہنی طور پر میں مفلوج ہو چکی تھی۔"ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے تمام عملیات جو کہ مشکل ترین تھے وہ انھوں نے خود کیے......جن کی بدولت میرا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب میرے شوہر، ماں، بہنوں کی باتوں میں نہیں آتے۔اب مجھے ذہنی سکون ہے اور اب میرا شوہر ہم سب کا بہت خیال رکھتے ہیں میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں کہ اللہ آپ کا بھلا کرے (آمین) میں اپنی جیسی دکھی بہنوں کو یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب=بہن زرینہ تبسم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا ٹوٹتا ہوا گھر دوبارہ آباد ہو گیا ہے۔آپ کا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب بچوں اور آپ کا خیال رکھتا ہے۔دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ دونوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں اور ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ ......☆

☆صحت اور شفا نہیں ہو رہی☆

محمد ابراہیم .... اوکاڑہ

سوال = جوں جوں علاج کروا رہا ہوں مرض بڑھ رہا ہے تکلیف بہت زیادہ ہے اب تو کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ ہر قسم کے علاج کرائے مگر صحت اور شفاء نہیں ملی۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = منفی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں اور سورج طلوع ہونے سے پہلے "11 مرتبہ الم تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین ٥ الرحمن الرحیم الرحمن الرحیم" پڑھ کر پانی پر دم کرکے نہار منہ پئیں اور دعا کریں۔ مدت عمل 14 روز ہے☆

☆خونی لکیروں سے نجات ملی☆

محمد یعقوب .... تحصیل نکیال

سوال = پہلے بھی کبھار ایسا ہوتا تھا اب تقریباً روزانہ کا معمول بن چکا تھا کہ یعنی صحن کمروں میں خون کی بارش ہوتی تھی۔ جب سے ایسا ہو رہا تھا میرے تمام اہل خانہ وحشی اور پاگل بن جاتے تھے...... ایک دوسرے کو مارنے کے در پے تھے...... ایک دوسرے کا مرنے کی مرتبہ چھاڑ چکے تھے کسی وقت بھی کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا تھا بہت پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ نئی کرن" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے ہمارے گھر کو جادو ٹونے کے اثرات سے بچانے کے لیے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے...... جن کی بدولت آج وہی میرا گھرانہ ایک مثالی گھرانہ بن گیا ہے خدا گواہ ہے کہ ہم دن رات آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور میں اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = محترم محمد یعقوب صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپکے اور اہل خانہ پر کیے گئے جادو ٹونے کے اثرات کا خاتمہ ہوا۔ اب آپ تمام اہل خانہ آپس میں مل جل کر پیار اور محبت سے رہنے لگے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو سلامت رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب شاہ زکین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ......☆

☆کاروبار آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے☆

غلام حیدر .... سانگھڑ

سوال = کاروبار میں کوئی برکت نہیں ہے جو کماتے

روحانی علاج کا مستند ... فوراً حل ... آپ سے ایک فون کال کی دوری پر [illegible]

[illegible] ... فون ... کامیابی یقینی طور پر ...

ہیں وہی کھاتے ہیں اصل رقم جو "راس" ہے وہ آہستہ آہستہ ختم ہوتی جارہی ہے بہت سے سیانوں سے رابطہ کیا بہت سے تعویذات بھی لیے مگر ندارد۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ گوشت کا صدقہ بھی ادا کیا کریں ساتھ پابندی نماز کریں اور نماز عشاء کے بعد "100 مرتبہ **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** o یا ودود یا ودود یا ودود" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں۔ مدت عمل 40 روز ہے☆

☆ساس نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا☆

☆ذکیہ خانم — اسلام آباد

سوال = میری ساس بات بات پر مجھے خوب ذلیل و رسوا کرتی تھی ہر وقت میرے خلاف باتیں کرتی تھی اور اپنے بیٹے یعنی میرے خاوند کو ہر وقت کوئی نہ کوئی پٹی پڑھاتی رہتی تھی۔ میری ساس نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ میری زندگی حیوانوں کی طرح تھی۔ میری ساس کو مجھے اذیت دے کر سکون ملتا تھا۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بہت محنت اور خلوص سے تمام مشکل عملیات خود کیے۔ جن کی بدولت آج وہی میری ساس میری تعریفیں کرتی نہیں تھکتی اور مجھے بیٹی کہہ کر پکارتی ہے۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی ذکیہ خانم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ساس راہ راست پر آگئی ہے۔ اب آپ کی ساس آپ سے پیار اور آپ کی بہت عزت کرتی ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو اپنے گھر میں سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆میں بے خوابی کا مریض ہوں☆

☆خالد محمود — شکرگڑھ

سوال = مجھے رات کو نیند نہیں آتی' بہت سی دوائیں بھی لی ہیں مگر مسلسل دماغی کش مکش کی وجہ سے میں بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ میں نے بہت سے علاج کیے' تعویذات بھی لیے مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ آپ سے التماس ہے

☆ ادارہ کی ... سے ... آپ سے ایک فون کال کی دوری پر ... ہے ... طور پر ہوگی ☆

کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = فکر آلام خوف رنج' دماغی خشکی کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں اور نماز عشاء کے بعد" (سورۃ بقرۃ کی پہلی آیت مرتبہ الم ﴿ ذلک الکتاب لاریب فیہ سے یومنون " تک چند بار پڑھنے سے نیند کی میٹھی آغوش نصیب ہو جائے گی☆

☆میرے خاوند راہ راست پر آگئے☆

☆سعدیہ جبین .... کراچی☆

سوال = میرے خاوند دوسری عورتوں سے تعلقات رکھتے تھے کئی بار گھر میں اس وجہ سے لڑائی جھگڑا بھی ہوا ..... مگر میرے خاوند اپنی گندی اور اوچھی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ میرے سامنے دوسری عورتوں کو فون کرنا ان کا معمول تھا۔ میں بہت بے بسی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایک دن "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ مشکل ترین تھے انھوں نے میرے لیے خود کیے..... ان عملیات کی بدولت آج میرے خاوند راہ راست پر آگئے ہے اب میرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب تمام گندی اور اوچھی حرکتوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ میں تو دن رات آپ کو دعائیں دیتی ہوں اور اپنے جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی سعدیہ جبین صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا خاوند راہ راست پر آگیا ہے اور گندی حرکتوں سے باز آ گیا ہے اب آپ کا اور بچوں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ آپ کا گھر ایک مرتبہ پھر سے آباد ہو گیا ہے دعا ہے اللہ پاک! آپ کو سدا آباد اور شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب' جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......☆

☆گھریلو اختلاف' بیماری☆

☆محمد حسنین .... ٹوبہ ٹیک سنگھ☆

سوال = ہمارے گھر پر نحوست کے سایے ہیں جس کی وجہ سے گھریلو اختلاف' تنگدستی' پریشانی اور بیماری کا غلبہ ہے اس نحوست کی وجہ سے ہر وقت لڑائی رہتی ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی عمل تجویز فرمائیں؟

☆ کالا علم' جادو ٹونہ اور آسیب کے اثرات کی وجہ سے بے بسی کی زندگی بسر کرنے والے بہن بھائیوں میرے ساتھ رابطہ کریں۔ میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں۔ فون ملائیے اور آزمائیے۔ کامیابی یقینی طور پر ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ☆

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "313 مرتبہ واللہ غفور رحیم" (سورۃ آل عمران آیت نمبر 31) پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 2 تاریخ سے لے کر 22 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ مرادِ اولاد پیدا ہو لی تھی ☆

نرگس پروین .... فیصل آباد

سوال = میری شادی کو نو سال ہو چکے تھے ان نو سالوں کے دوران میرے ہاں پانچ بچے پیدا ہوئے تھے اور پانچوں ہی فوت ہو گئے تھے میں ذہنی طور پر بہت ہی زیادہ پریشان تھی کیونکہ میری ساس اور سسر میرے خاوند کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے بڑی محنت اور خلوص سے تمام عملیات خود کیے ...... جن کی بدولت آج میری گود میں بیٹا ہے اب میرے خاوند اور میرے سسرالی سب کے سب مجھ سے اور میرے بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی بہنوں کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح اپنے مسائل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بیٹی نرگس پروین صاحبہ! میں اس ذات باری کا دل چاہی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کو صحت مند اور زندگی والا بیٹا عطا ہوا۔ بچوں کا بار بار مرنا بہت خطرناک مرض ہوتا ہے اور اس موذی مرض سے آپ کو نجات ملی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا آباد و شاد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ...... ☆

☆ گھر کا سکون ختم ہو چکا ہے ☆

.... سیالکوٹ

سوال = گھریلو لڑائی جھگڑا اور بچوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون تباہ ہو چکا ہے ہر وقت گھر میں جھگڑا رہتا ہے بچوں کو ہم نے بہت سمجھایا مگر وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ وہ سمجھنے کی بجائے اس کی بے عزتی کرتے ہیں۔ آپ مدد فرمائیں اور کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = بد عملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "12

[illegible] ... آپ سے ایک فون کال کی ... [illegible] ... انشاءاللہ تعالیٰ

مرتبہ یا مجیب ۔۔۔ یا باسط یا باقی"
پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 5 تاریخ سے لے کر 25 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں ☆

☆ بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں ☆

ام فضل النساء ۔۔۔ حیدرآباد

سوال = میری دو بچیوں کی شادی نہیں ہو رہی تھی۔ بچیوں کی عمریں بڑھ رہی تھیں میری رات کی نیند اور دن کا چین چھن چکا تھا۔ کوئی بل سکون نہیں تھا بہت ہی زیادہ پریشانی تھی۔ میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے مجھے اپنی بہن سمجھتے ہوئے وہ تمام عملیات جو کہ بہت مشکل تھے جو میں نہیں کر سکتی تھی انھوں نے خود کیے ... جن کی بدولت میری ایک بیٹی کی شادی ہو گئی ہے اور دوسری کی نسبت طے ہو گئی ہے میں تو پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور اپنی جیسی دکھی پریشان بہنوں کو مشورہ دیتی ہوں کہ وہ بھی میری طرح اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں ☆

جواب = بہن ام فضل نساء صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی ایک بیٹی کی شادی اور دوسری بیٹی کی نسبت طے ہو گئی ہے ان پر جو "بندش شادی" تھی اس

کا خاتمہ ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک! سب کی بیٹیوں کو اپنے اپنے گھروں میں سکھی رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب جناب طاہر امین صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ..... ☆

☆ دوسرے کی بے عزتی کرتے ہیں ☆

حامد محمود ۔۔۔ لیہ

سوال = میرے گھر میں اتفاق نہیں ہے گھر کے تمام افراد اپنی اپنی بولی بول رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی بے عزتی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں ان کو سمجھا سمجھا کر تھک آ چکا ہوں۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = منفی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ تمام اہل خانہ پابندی نماز کریں اور ہر نماز کے بعد درود شریف کثرت سے پڑھیں اس کے بعد 100 مرتبہ "اللھم بینیدو کیتنا دوالیتنا اکبتنا" پڑھ کر تیلوں پر 40 روز تک دم کیا جائے۔ احتیاط لازمی ہے کہ ایک تکیہ دوسرا استعمال نہ کرے ☆

☆ کاروباری بدحالی تھی ☆

محمد یاسین ۔۔۔

سوال = کاروباری بدحالی نے ختم کر کے رکھ دیا تھا

کبھی کوئی مشینری ٹوٹ جاتی اور کبھی کوئی مشین خراب ہو جاتی۔ لاکھوں روپے کا قرضہ لے کر کاروبار میں شامل کر دیا تھا مگر سب کا سب تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا۔ فیکٹری چلنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ بہت پریشانی تھی میں نے "ماہنامہ سچی کہانی" پڑھ کر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انھوں نے نہایت خلوص سے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے ..... جن کی بدولت آج پھر میرا کاروبار آہستہ آہستہ چل پڑا ہے میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتا ہوں اور اپنے جیسے دکھی بہن بھائیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ بھی میری طرح کے اپنے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = محترم یاسین صاحب! میں اس ذات باری کا انتہائی شکرگزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کی مشکلات کا خاتمہ ہوا اور آپ کے کاروبار پر جو کالے علم کے اثرات تھے ان کا خاتمہ ہوا آپ کا کاروبار پھر سے چل پڑا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو مزید خوشیاں نصیب فرمائے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب اسم اعظم ساحب جناب طاہر شاہ صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ .....☆

☆ قرضہ اور بیماری جان نہیں چھوڑتی ☆

☆ نور الٰہی ..... لالہ موسیٰ ☆

سوال = بیماری جان نہیں چھوڑتی دوسرا قرضے نے پریشان کر رکھا ہے۔ قرضہ اٹھا اٹھا کر علاج کروائے مگر شفا نہیں ہو رہی اور قرضہ بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ بہت پریشانی ہے آپ سے التماس ہے کہ آپ کوئی روحانی عمل تجویز فرمائیں!

جواب = بدعملیات کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "134 مرتبہ یا صاحبا یا صمد بحق اسرافیل" پڑھیں اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف ضرور پڑھیں اور دعا کریں آپ یہ عمل چاند کی 9 تاریخ سے لے کر 29 دن تک جاری رکھیں آپ یہ عمل بعد از نماز عشاء سے شروع کریں☆

☆ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے ☆

☆ محمد حسین ..... ساہیوال ☆

سوال = میرے بچے تعلیم کی طرف دھیان نہیں دیتے ہر وقت اُدھم مچاتے رہتے ہیں ہر وقت بڑوں سے بدتمیزی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی ضد پر اڑ جاتے ہیں پڑھائی وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ بہت پریشانی ہے آپ سے عرض ہے کہ آپ کوئی روحانی حل تجویز فرمائیں؟

جواب = سفلی اثرات کی وجہ سے ایسا ہے آپ پابندی نماز کریں ہر نماز کے بعد "21 مرتبہ چاروں قل شریف" پڑھ کر پانی پر دم کر کے تمام بچوں کو پلائیں۔ ہر روز پانی پر دم کرنا اور پلانا ہے۔ مدت عمل 21 روز ہے☆

☆میرے شوہر کو عجیب بیماری تھی☆

﴿زوبیہ ارم ... اٹلی (ITALY)﴾

سوال = میرے شوہر کو وہم کی بیماری تھی۔ ہم پردیس میں رہتے ہوئے ان کی حرکتوں سے بہت پریشان تھے۔ میرے خاوند مجھ پر شک کرتے تھے اس وجہ سے میں ذہنی طور پر بہت پریشان تھی۔ پاکستان سے میری ایک سہیلی کے کہنے پر آپ (سید راحت علی شاہ صاحب) سے رابطہ کیا انہوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھتے ہوئے تمام مشکل ترین عملیات خود کیے..... جن کی بدولت آج میں بہترین زندگی بسر کر رہی ہوں اور میرے شوہر اب کوئی ایسی بات نہیں کرتے جس سے بدمزگی پیدا ہو۔ میں تو آپ کو دن رات دعائیں دیتی ہوں اور بیرون ملک میں رہنے والی میری طرح جو بھی پریشان ہیں ان کو مشورہ دینا چاہتی ہوں کہ وہ بھی اپنے

> **خصوصی اعلان**
>
> بیرون ممالک میں بھی آپ کی خدمت
>
> بیرون ممالک خصوصاً شارجہ، ابوظہبی، دبئی، سعودی عرب، امریکہ وغیرہ کے لوگ ایک فون کال پر اپنا مسئلہ گھر بیٹھے حل کروائیں ☆
>
> ☆ہزاروں میل دور ہو کر بھی بہن بھائیوں کی خدمت☆

ایسے مسائل کے حل کے لیے "آپ" سے رابطہ کریں☆

جواب = بیٹی زوبیہ ارم صاحبہ! میں اس ذات باری کا انتہائی شکر گزار ہوں جس کی رحمت سے آپ کا پیچیدہ مسئلہ حل ہو گیا ہے اور خاص کر آپ کا شوہر راہ راست پر آ گیا ہے اب وہ آپ پر کوئی شک وغیرہ نہیں کرتا۔ آپ اس وقت ایک بہترین اور مثالی زندگی بسر کر رہی ہیں دعا ہے کہ اللہ پاک! آپ کو سدا شاد و آباد رکھے (آمین) آپ سے التماس ہے کہ آپ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور نفل شکرانہ ادا کریں پھر ہر نماز کے بعد جناب ایم اے زاہد صاحب، جناب طاہر انجم صاحب اور اس حقیر کو اپنی مقدس دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ پاک! آپ کو اجر عظیم دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ..... ☆

آپ کا اپنا☆خادم انسانیت

(روحانی سکالر) سید راحت علی شاہ

شاہین چوک تلی روڈ گجرات

(0300-6493614)

☆☆

پرائز بانڈز کی دنیا

تحقیق: چاند بابا

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پہ توجہ دیں (ادارہ)

شہر فیصل آباد — قرعہ نمبر 58 — 02-06-2014 — 40000

00	002	021	101	200	500	550	68
01	11	15	21	1 0	34	42	61	71
02	12	18	24	0	36	44	55	78
04	14	20	31	2 1	41	48	61	91
10	0021	0250	1012	1248	2001	5500	94

شہر کوئٹہ — قرعہ نمبر 58 — 16-05-2014 — 200

00	010	037	112	211	387	523	58
01	10	17	21	1 0	26	41	49	70
02	11	19	24	1	39	42	50	74
05	12	20	25	0 2	40	45	[illegible]4	80
08	0100	0101	0102	1120	2110	7750	[illegible]

انعامی مبلہ

تحقیق بابا راز شاہ

کسی نقصان سے بچنے کی بجائے پرائز بانڈز کی خرید پر توجہ دیں (ادارہ)

40000	02-06-2014		ڈرا نمبر 58		شہر فیصل آباد		
00	043	070	200	277	373	772	74

01	07	20	28	0 — 7	40	48	54	77
02	10	22	31	7	41	50	70	80
04	14	27	35	2 — 0	43	53	72	83
05	0702	1246	2140	2521	2770	1720	88	

200	16-05-2014		ڈرا نمبر 58		شہر [illegible]		
02	005	143	250	341	344	443	56

03	16	27	31	1 — 4	34	43	46	63
10	22	28	32	4	40	44	48	70
13	26	30	33	3 — 3	41	45	49	76
14	0005	0400	1433	3413	3443	4431	90	

قسمت اپنی اپنی

[illegible]

40000	02-06-2014		58 [illegible]					
00	000	021	048	100	101	120	45	
01	05	11	15	0 1	24	28	39	58
02	07	12	20	2	25	33	40	71
03	10	13	21	0 1	27	36	41	72
04	0210	0211	1200	4500	7505	9002	83	

200	16-05-2014		58 [illegible]					
00	000	002	025	314	400	413	58	
01	05	11	18	4 4	31	39	43	62
02	07	13	21	1	33	40	44	68
03	10	14	30	3 3	34	41	53	76
05	1470	2000	3143	4133	4134	4305	82	

تحقیق ... شاہ

(illegible title)

شہر [illegible]		ڈرا نمبر 58			02-06-2014			40000	
00	005	012	051		052	150	250	40	
01	06	12	15	0 / 0	20	25	31	50
02	10	13	16	5	21	26	33	51
04	11	14	17	2 / 1	22	30	35	52
05	0000	0025	0512	0520	1502	2501		58

شہر [illegible]		ڈرا نمبر 58			16-05-2014		200	
00	052	055	101	250	434	550		53
01	05	12	22	0 / 0	28	40	50	55
02	07	17	25	5	30	42	51	61
03	10	20	26	2 / 5	31	45	52	70
04	0000	0520	0552	2505	4600	5502		71

بیوٹی کیئر

انچارج۔ فضہ ماہین

اس عنوان کے تحت ہمیں "بیوٹی ٹپس" ارسال کریں ہم اسے آپ کے نام سے شائع کردیں گے۔ خواتین چاہیں تو اپنی تصویر کے ساتھ بھی بیوٹی ٹپس شائع کرواسکتی ہیں۔

لکھیے: بیوٹی کیئر۔ ماہنامہ آنچل/حجاب 29 - بی بیگ بلڈنگ ایبٹ روڈ لاہور

جلد کی حفاظت کے نسخے

یہ معمولی اور آسان ٹوٹکے روزانہ کی بنیاد پر ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم بازار جاکر گورے ہونے کی کریم اور لوشن وغیرہ خرید کر لے آئیں اور ان سے اپنے آپ کو نکھارنے کی کوشش کرتے رہیں۔

لہٰذا یہاں چند ٹپس بتارہی ہوں جن پر آپ عمل کرلیں تو آپ کی جلد صاف، ہموار اور صحت مند رہے گی۔

☆ متوازن غذا استعمال کریں ...آپ جو کچھ بھی کھا رہی ہیں اس کے اثرات آپ کی جلد پر ہونے چاہئیں۔

☆ روزانہ تقریباً سات سے آٹھ گھنٹوں کی بھرپور نیند لیں ...نیند کی کمی کے اثرات آپ کی آنکھوں کے گرد حلقوں اور جھریوں کی صورت میں نمودار ہونے لگتے ہیں۔

☆ اپنی جلد کو نرم رکھنے کے لیے ...روزانہ سات سے آٹھ گلاس تازہ پانی ضرور پیا کریں۔

☆ روزانہ کی ورزش کو اپنا معمول بنالیں۔

☆ خوب تازہ ہوا لیں ... لیکن سرد اور گرم ہوا سے براہ راست لطف اندوز نہ ہوں بلکہ ان سے بچنے کی کوشش کریں۔

☆ دھوپ کی شدت سے بچیں کیونکہ آگے چل کر اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ الٹرا وائلٹ شعاعیں آپ کے لیے کسی طور مفید نہیں ہیں۔

☆ اپنی جلد سے مردہ خلیات کو ہفتے میں کم از کم دو بار صاف کرلیا کریں۔

☆ اپنے چہرے کو کسی صابن اور کلینزر سے صاف نہ کریں بلکہ صرف نیم گرم پانی سے دھولیا کریں۔

بہرحال ان تمام متوازن غذاؤں اور نسخوں کا لب لباب یہ ہے کہ آپ کی جلد خوبصورت، ہموار اور صحت مند دکھائی دیتی رہے۔

یاد رکھیں کہ آپ کا چہرہ آپ کے پورے جسم کی کھڑکی ہے۔ لہٰذا اس کھڑکی سے تازہ ہوا آنے دیں۔ اسے کریم، لوشن اور ایسی دوسری چیزوں سے بوجھل نہ کریں۔

☆ شازیہ انصاری۔ ساہیوال ضلع سرگودھا

☆☆

طب یونانی ' طب روحانی اور طب نبوی ﷺ سے علاج

حکیم شیخ محمد امین گولڈ میڈلسٹ ۔۔۔۔ موبائل نمبر 0333-520355 www.devapk.com

ہومیوپیتھک بانجھ پن کے خاتمے کے لیے بہترین طریقہ علاج

میرا طریقہ شریعت کے عین مطابق ہے

س=ڈاکٹر صاحب! کیا بانجھ پن کا خاتمہ ممکن ہے؟

جواب=ہومیو پیتھک اس دور میں ایک بہترین طریقہ علاج ہے۔ بیٹا یا بیٹی دینا یہ سب رب العزت کے اختیار میں ہے۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایسے لوگ جنہیں شادی کیے ہوئے طویل عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی اور وہ مسائل کا شکار ہیں۔ وہ ایک مرتبہ میرے پاس ضرور تشریف لائیں۔ میں نہ صرف ان کا کامیاب علاج کروں گا بلکہ ان کے بانجھ پن کے خاتمے کے لیے ایسی ادویات دوں گا۔ جن کے استعمال کے بعد اللہ تعالیٰ نہ صرف ان کو اولاد نرینہ عطا فرمائے گا بلکہ وہ خوشگوار ازدواجی زندگی بھی گزار سکیں گے۔ پاکستان کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں ہومیو پیتھک پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اب تک جو لوگ میرے پاس آئے اور انہیں بیٹے یا بیٹی کی خواہش تھی میرے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ میں نے ہومیو پیتھک پر جدید ریسرچ کی ہے جس کے نتیجے میں میرے پاس علاج کی غرض سے آنے والے ہزاروں لوگ جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو بیٹے کی خواہش لے کر آئے ...... بعض ایسے بھی تھے جن کے گھر میں 4 سے 5 بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے گھر میں بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے تنازعات جنم لے رہے تھے۔ میرے علاج کے بعد رب العزت نے انہیں اولاد نرینہ عطا کی۔ اس کے بعد وہ میرے علاج سے اس قدر مطمئن اور خوش ہوئے کہ بعد میں اپنے ہمراہ سینکڑوں ایسے جوڑے لے کر آئے جن کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ لوگ میرے پاس آئے اور مجھ سے کامیاب علاج کروانے کے بعد رب العزت نے انہیں بیٹے جیسی نعمت سے نوازا۔ ہمارے پاس Azosperor کا خاص طور پر علاج کیا جاتا ہے۔

س=ڈاکٹر صاحب! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے علاج کے بعد 90 فی صد جوڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا ...... لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا ایک بڑا طبقہ عامل اور پیروں فقیروں کے آستانوں کا رخ کرتا ہے۔ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن سے عوام الناس صحیح یا غلط میں تمیز کر سکتے ہیں؟

جواب=یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ متعدد لوگ ضعیف

اعتقادی کے باعث ایسے جعلسازوں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان میں تقریباً 90'000 سے زائد عامل وغیرہ کام کر رہے ہیں اور ان کے پاس جانے والے سائلوں کی تعداد پانچ لاکھ یومیہ سے کم نہیں...... آپ شہر کے کسی بھی گلی محلے' کوچے یا شہر کے کسی ویران کونے میں چلے جائیں وہاں آپ کو یہ عامل پیر فقیر ضرور دکھائی دیں گے اور سادہ لوح عوام خاص طور پر خواتین ان کا شکار بنتی ہیں۔

افسوس آج معاشرے میں ہر جگہ جادو ٹونے' تعویذ گنڈے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ کالے جادو اور دوسرے عملیات کا باقاعدہ الاعلان دعویٰ کیا جاتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں شرک اور منتر' غلط جھاڑ پھونک جو جادو کرنے والے ہیں وہ دوسرے افراد کو نقصان یا فائدہ پہنچانے کا کام جنات و شیاطین کے تعاون سے کرتے ہیں۔ جب یہ بدفطرت افراد شرک و کفر کرتے ہیں تو شیطان اس عامل کے ساتھ اس کام میں تعاون کرتا ہے کیونکہ یہ تعاون اس شرط پر ہوتا ہے کہ عوام الناس مرد یا عورت سے شرک کروایا جائے۔ غرض اخبارات میں دعوؤں سے مرعوب ہو کر پریشان حال لوگ ان عاملوں پر ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اکثریت خواتین اور لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کرتی ہے اور آستانے پر آنے والا ہر فرد اس امید کے ساتھ آتا ہے کہ یہاں براجمان عامل' پیر فقیر اس کے تمام مسائل کو منتروں سے حل کر دے گا۔

اس کے برعکس معاشرے میں کچھ ایسے عالم بھی ہیں جو لوگوں کے مسائل کے لیے قرآنی آیات وظائف دیتے ہیں اور وہ یہ کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور لوگ شفایاب بھی ہوتے ہیں لیکن ایسے بے غرض لوگ بہت کم ہیں۔

اچھا تو ایک اور بات یہاں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ہر انسان میں Perceptional Disorder ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو یہ زیادہ ہوتا ہے وہ مختلف چیزیں تصور کر لیتے ہیں کہ میرے آگے پیچھے کچھ لوگ پھر رہے ہیں یا فلاں چیز مجھے مار رہی ہے۔ سائنس کے مطابق بعض لوگوں کے Senscry Organs اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ کمرے کے دوسرے جانب یا شہر سے باہر ہونے والی چیزوں کو دیکھ یا سن سکتے ہیں۔ وہ صرف لاعلمی' جہالت اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے ان جعلی عاملوں اور پیروں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ان میں زیادہ تعداد خواتین کی ہے۔ لوگ ہسٹیریا جیسے مرض کا علاج جادو ٹونے سے کرواتے ہیں۔

س = ہسٹیریا ہے کیا......؟

جواب = ہسٹیریا کا مرض زیادہ تر خواتین کو ہوتا ہے۔ مردوں میں اس کا تناسب انتہائی کم ہے۔ ہسٹیریا ایک نفسیاتی مرض ہے۔ دراصل جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کی جنسی

جبلت بیدار ہو جاتی ہے۔ یہ جنسی بھی ہو سکتی ہیں۔ محبت میں کمی یا عدم توجہی بھی ہو سکتی ہے جب یہ خواہشات پوری نہیں ہو پاتیں تو مریض عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ مریض کو محسوس ہوتا ہے کہ گلے میں گولا آ کر اٹک گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں اکڑ جاتے ہیں۔ اس ہسٹیریا کے دورے کو لوگ جن یا آسیب کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب جہالت کے سوا کچھ نہیں.....

حالانکہ ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا لڑکی کے علاج میں خاص احتیاط برتنی چاہیے۔ جادو کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا ذکر قرآن شریف میں ملتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس قرآن شریف دنیا کی واحد عظیم ترین کتاب موجود ہے۔ جس میں بنیادی مسائل کا حل موجود ہے۔ ضرورت اس سے استفادہ ہونے کی ہے۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے مرض کا باقاعدہ علاج ہونا چاہیے۔ ہم مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ لہٰذا معاشرے میں بے چینی، خود غرضی اور توہم پرستی بڑھ رہی ہے۔

س= ڈاکٹر صاحب! یہ بتایئے کہ ازدواجی یا جنسی صحت کے حوالے سے کیا کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

جواب= بھرپور زندگی گزارنے کے لیے انسان کا ذہنی جسمانی اور جنسی طور پر صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جسم کے دیگر نظاموں کی طرح انسان کا جنسی و تولیدی نظام بھی اس کی توجہ کا طالب ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی جسمانی صحت پر موسم، جذبات، دوست و احباب، ثقافت، والدین اساتذہ وغیرہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ جنسی صحت پر بھی یہ تمام چیزیں اثر ڈالتی ہیں لیکن ان میں سب سے اہم خود ہم ہیں۔ ہم دوسروں کے رویے کا ذکر تو بڑی شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں مگر اپنے طرز عمل اور رویے کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ حالانکہ ہمارا کردار یا رویہ ہماری سوچ اپنے اور دوسروں کے بارے میں ہمارے خیالات کا عکاس ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی سوچ اور کردار کا ناقدانہ جائزہ لینا چاہیے۔

اس طرح ہماری سوچ اور رویے میں جو مثبت تبدیلی ہوگی وہ ذہنی، جسمانی اور جنسی صحت کی بہتری میں اہم سنگ میل ثابت ہوگی۔ ماہرین نفسیات کے مطابق ہر شخص کو فطری طور پر درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ازدواجی یا جنسی کے ضمن میں آخری نکتہ نہایت اہم ہے یعنی اپنے آپ سے محبت۔ اگر اپنے آپ سے محبت کا فن آپ سیکھ جائیں تو آپ کو زندگی میں اطمینان اور خوشی کا خزانہ مل جائے۔ واضح رہے کہ محبت سے مراد جنسی کشش نہیں ہے۔ یہ تو شہوت ہے۔ اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ محبت اصل میں نام ہے اس جذبے کا جس میں عزت و احترام اور قربت و لگن یکجا ہوتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ خیالات، جذبات کا احترام کرتے ہوں اور پرسکون، مطمئن ہوں۔ اپنے

آپ سے محبت کی یہ کیفیت پیدا ہونے کے بعد آدمی دوسروں کا احساس کرنے اور احترام کے قابل ہوتا ہے۔ دوسروں سے محبت وہی کر سکتا ہے جو اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔

اپنے آپ سے محبت کرنا سیکھئے

اپنے آپ سے محبت کرنا ایک فن ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی جنسی صحت اور ازدواجی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ فن اسی وقت آتا ہے کہ جب آدمی خود کو نظم و ضبط کا پابند بناتا ہے۔ نظم و ضبط کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے جو کام مفید ہیں انہیں کیجئے اور جو کام مضر ہیں انہیں ترک کر دیجئے۔ جنس ہماری زندگی کا ایک نہایت قوی جذبہ ہے۔ شاید سب سے قوی جذبہ یہی ہے چنانچہ خواہشات اور جنسی تقاضوں کے مقابلے میں خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے دیگر شعبوں میں کامیاب اور ڈسپلین کے پابند افراد جنس کے ہاتھوں بے بس ہو کر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تعلیم' کاروبار' معاشرتی تعلقات وغیرہ میں برے بھلے کی تمیز کر لیتے ہیں اور صحیح غلط کا فیصلہ کر کے عمل بھی کرتے ہیں مگر جنسی معاملات میں بے پرواہی اختیار کر کے جنسی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ ان کا غیر محتاط رویہ ان کی جنسی صحت کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ ایسے میں خاص طور پر نوجوان کف افسوس ملتے اور اپنے مستقبل کو تاریک رکھتے ہیں۔ یہ مایوسی ان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنس کی جانب سے بے پرواہی ان کی زندگی کے دیگر شعبوں کو بھی گہنا دیتی ہے۔

نہ کہنا سیکھئے

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ منظم اور مربوط زندگی کے لیے بعض کاموں سے انکار کرنا معذرت کر لینا بہت ضروری ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی کام نہ کیا اور معذرت کر لی تو یہ بد اخلاقی ہوگی بلکہ بعض افراد معذرت کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں مگر پست ہمتی کی وجہ سے "اس دفعہ اور" کہہ کر ہر بار معذرت سے فرار اختیار کرتے ہیں انہیں لوگوں سے معذرت اور "نہ" کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ لیکن اگر "نہ" کہنے کا سلیقہ آ جائے تو ہم گویا خود سے محبت کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ معذرت کر کے دیکھئے آپ کو ایک نئی حرارت و اعتماد کا احساس ہوگا۔

خوف دور مت ہوئیے

"معذرت" کرنے یا "نہ" کہنے کی جرأت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ "نہ" کہنے پر اس خوف میں رہتے ہیں کہ کہیں سامنے والا ناراض نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صاف گوئی کو منفی انداز میں لیتے ہیں۔ بہر حال صاف گو بنئے۔ صاف گوئی اپنے آپ سے محبت کرنے کی علامت ہے۔ والدین اپنی اولاد کو کتنی ہی بار مختلف کاموں سے منع کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل اولاد سے دشمنی کی علامت نہیں ہوتا۔ اگر اس نکتے کو سمجھ لیا جائے تو انکار کرنا اور نہ کہنا آسان ہو جائے گا۔

شریک حیات سے مکالمہ کیجئے

جس طرح ہم زندگی کے تمام ہی شعبوں کے

بارے میں افرادِ خانہ بالخصوص شریک حیات سے گفتگو
کرتے اور مشورے کرتے رہتے ہیں اپنے ازدواجی
معاملات کو درست کرنے اور جنسی صحت کو بہتر بنانے
کے لیے بھی شریک حیات سے مکالمہ کیجئے۔ اپنے
انتہائی نجی شعبہ حیات میں اپنی شریک حیات کو شامل
کیجئے۔ آپ کا ازدواجی مستقبل کے بارے میں کیا
خیال ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کرنی چاہیے؟
اولاد کتنی ہونی چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے معاملات پر
اپنی شریک حیات سے گفتگو کرنے اور ایک دوسرے
کی رائے سننے سے نہ صرف ازدواجی اور گھریلو ماحول
بہتر ہوگا بلکہ آپ کی جنسی صحت پر بھی اس عمل کے
خوشگوار اثرات پڑیں گے۔

نوجوانوں کی گفتگو

جنسی صحت کے مسائل کا بڑی حد تک تعلق
نوجوان سے ہے۔ بزرگوں اور والدین سے دوری
غلط ماحول نے ان مسائل کو مزید بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ
نوجوان رومانی گفتگو میں پڑ کر نفس کو لذت آشنا
دیتے ہیں۔ لیکن جنسی صحت سے بے خبر ہو کر خود کو
امراض کی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ جہاں تک جنسی یا
ازدواجی صحت پر گفتگو کا معاملہ ہے نوجوانوں کو بھی
قابل اعتماد سنجیدہ اور باعمل اور باعلم دوست احباب
اور بزرگوں سے اس موضوع پر بلا تکلف و بلا جھجک
گفتگو کرنی چاہیے۔ ان کو اگر ایسے افراد مل جائیں تو
اپنے مسائل کے بارے میں کھل کر بات کرنی چاہیے۔
نوجوانوں کا یہ جرأت مندانہ رویہ نہ صرف ان کی
ازدواجی زندگی کے لیے مفید ہوگا بلکہ مجموعی طور پر
بہترین اور روشن مستقبل کی بنیاد بنے گا۔

غلط فہمیاں دور کیجئے

چونکہ جنس کا موضوع ہمارے ہاں ایک حجاب
رکھتا ہے اور اسے وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو مغرب
میں اسے حاصل ہے۔ اس لیے حجاب کی وجہ سے ہمارے
معاشرے میں جنس کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں
عام ہوگئی ہیں۔ مزید یہ کہ عموماً جو باتیں بیان کی جاتی
ہیں ان کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ آپ
بھی ایسی ہی کچھ غلط فہمیوں میں پھنسے ہوں۔ اپنی جنسی
صحت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ان غلط
فہمیوں کو دور کیجئے اور حقائق جاننے کی کوشش کیجئے۔
مثال کے طور پر نوجوانوں میں یہ بات عام ہے کہ مادہ
منویہ کا ایک قطرہ خون کے 100 سے 40 قطروں
سے مل کر بنتا ہے۔ (اس غلط فہمی کی بنا پر نوجوان
نفسیاتی طور پر خود کو کمزور اور لاغر محسوس کرنے لگے
ہیں) حالانکہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق
نہیں ہے۔ مادہ منویہ خون سے نہیں بنتا۔ اس طرح
احتلام کو اور خاص طور پر اس کی تعداد کو بھی ہوا بنا دیا گیا
ہے۔ حالانکہ مہینے میں ایک یا دو دفعہ اس کا ہونا صحت
کی علامت ہے لیکن نوجوان بلاوجہ اس سے خوفزدہ ہو
کر خود کو مریض اور کمزور خیال کرنے لگتے ہیں۔

یہ صورت حال پاکستانی نوجوانوں میں بہت
عام ہے۔ رومانی ماحول نے نوجوانوں کی صحت کو مزید
برباد کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنا مستقبل روشن بنانا چاہتے
ہیں اور جنسی طور پر خود کو صحت مند رکھنا چاہتے ہیں تو
اس قسم کی غلط فہمیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی تدبیر
کیجئے۔ معتبر ذرائع سے درست معلومات اور حقائق
جاننے کی کوشش کیجئے۔ لوگ جنس کے بارے میں

بات کرتے ہوئے اس لیے بھی گھبراتے ہیں کہ خود
اپنی جنسی صحت کو لاحق خطرات سے لاعلم ہوتے ہیں
اور جنسی امراض سے بے خبر ہو کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ
ان میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ صحیح فکر یہ ہے کہ اپنے
کردار اور رویے کو تول کر جنسی معلومات سے باخبر ہو
کر اپنی جنسی صحت کی حفاظت کی جائے۔

☆حکیم شیخ محمد امین

موبائل نمبر 0345-7000088 راولپنڈی

ہیپاٹائٹس بی سی کا مکمل علاج یونانی
اسلامی طریقہ علاج میں موجود ہے
گردے کے امراض، مردانہ امراض، پرانا نزلہ
زکام، جلدی امراض کا کامیاب علاج ہوتا ہے

☆حکیم محمد امین ماہر معالج گولڈ میڈلسٹ

تعارف

ہیپاٹائٹس کا مرض دنیا بھر میں بالخصوص جنوب
مشرقی ایشیا اور اس کے گرد و نواح کے ملکوں میں ایک
وبا کی صورت میں پھیل رہا ہے۔ ضرورت اس بات
کی ہے کہ عوام الناس کو اس خطرناک بیماری کے تباہ
کن اور مضر اثرات سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس مہلک
وبا کو روکنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔
عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق پاکستان دنیا
کے ان ممالک میں سے ایک ہے یہاں یہ مرض تیزی
سے بڑھ رہی ہے اور ہر 10 میں سے ایک ضرور شخص
ہیپاٹائٹس C یا B کا شکار ہے۔ یہ ایک ایسا متعدی مرض
ہے جو ایک انسان سے تندرست انسان کو منتقل ہو جاتا
ہے۔ جب انسانی جسم پر اس وائرس کا حملہ ہوتا ہے
تو 2 سے 8 ہفتوں کے بعد اس بیماری کی علامات ظاہر
ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ اتنے عرصے میں ان جراثیم
کی وجہ سے جگر کے کینسر کے 62 فی صد امکانات پیدا
ہو جاتے ہیں۔ یہ قاتل وائرس مریض کی موت کا
باعث ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ہیپاٹائٹس B اور C کا
مرض ایڈز اور کینسر سے 100 گنا زیادہ خطرناک، مہلک
اور متعدی ہوتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا اس مرض سے
ناواقفیت کی بنا پر لوگ عام یرقان (پیلیا) سمجھ کر
مختلف لوگوں کا سہارا لے کر وقت علاج میں تاخیر پیدا
کر کے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں۔ آج کل دنیا
بھر میں سب سے زیادہ ہلاکتیں ان لوگوں کی ہو رہی
ہیں جو کہ بیرون ممالک خصوصاً عرب ممالک کا ویزا
لگوا چکے تھے۔ جب ان کا میڈیکل ٹیسٹ ہوا تو ان
کا HBV تشخیص ہو گیا اور اس مرض کی وجہ سے ان کا
باہر جانا ناممکن ہو گیا۔ مریض ورطہ حیرت ہوتا ہے۔
مہنگا علاج، مہنگا ٹیسٹ مریض کے لیے مزید پریشانی
کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ مالی پریشانیوں کے ازالے کے
لیے مریض اپنا ملک چھوڑ کر مزدوری کے لیے جا رہا
ہوتا ہے کہ یہ مرض پردیس میں عذاب بن کر نازل ہو
جاتا ہے۔ ایسے مریض جن کو ہیپاٹائٹس کا (Reactive)
ہوتا ہے ان کو چاہیے کہ وہ فوری علاج کرائیں۔ طب
یونانی، طب اسلامی میں اس کا بہترین علاج موجود
ہے اور یہ مرض بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ
ہیپاٹائٹس کا مرض نیا نہیں ہے بلکہ یہ اصطلاح جدید
ہے اس مرض کا طب یونانی اور طب اسلامی کے حکماء
اور ماہرین ہزاروں برس قبل یونان، مصر، چین، ایران،
ثمر قند اور بخارا کے ماہرین طبیب بڑے وثوق سے

علاج کرتے رہے ہیں۔ ان ادویات سے نہ صرف یرقان بلکہ ہیپاٹائٹس کے وائرس کا مکمل طور پر اخراج ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے گولڈ میڈلسٹ اور مشہور و معروف حکیم شیخ محمد امین نے برس ہا برس کی محنت اور کاوشوں کے نتیجے میں قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات کے ملاپ سے ایسی ادویات تیار کی ہیں جن کو مسلسل چار ماہ استعمال کرنے سے ہیپاٹائٹس B اور C کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔

جگر کی جسم میں اہمیت

جگر جسم کا اہم عضو ہے جو پسلیوں کے نیچے پیٹ کے دائیں جانب بالائی حصے میں واقع ہے۔ اس کا وزن 1200 گرام تک ہوتا ہے۔ یہ بہت نازک عضو ہے۔ اس میں خون کی بہت مقدار موجود رہتی ہے۔ اس کے خلیات چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر ستونوں کی صورت میں ہوتے ہیں ان کے درمیان انہضام سے آنے والے خون کے فاسد اور زہریلے مادے کی صفائی کا بندوبست ہوتا ہے۔ ان کے دائروں کے درمیان خون کی نالیاں ہوتی ہیں اور سبز رنگ کا مادہ یعنی "بائل" کے اخراج کے لیے نالیوں کا نظام بھی ہوتا ہے۔ یہ مادہ ایک بڑی نالی کے ذریعے "پتہ" میں داخل ہوتا ہے اور وہیں سے آنتوں میں ایک نالی کے ذریعے داخل ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل صورتوں میں جگر میں خرابی پیدا ہو سکتی ہے۔

فاسد زہریلے مادوں کی زیادتی کے جگر پر مضر اثرات

شراب نوشی تمباکو نوشی اور دیگر منشیات کے استعمال مثلاً چرس افیون بکثرت تمباکو نوشی بورنگ کا پانی استعمال کرنا اور بڑی مقدار میں پیراسیٹامول کا استعمال وغیرہ ہے۔ کثرت شراب نوشی سے جگر کے خلیات میں چربی جمع ہو جاتی ہے اور پھر خلیات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں پھر ان خلیات پر مشتمل ستونوں اور دائروں کی ترتیب میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور جگر کا اندرونی نظام بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے اور صحت مند خلیات کی جگہ ناکارہ خلیات لے لیتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ سکڑتے ہیں اور اس طرح اگر جگر میں موجود وائرس کو ختم کر دیا جائے تو جگر کی مزید تباہی کا عمل روکا جا سکتا ہے۔

جگر پر اثر انداز ہونے والے وائرس

مختلف وائرس جگر میں سوزش پیدا کر سکتے ہیں جو وائرس جگر پر اثر انداز ہوتے ہیں ان کے نام انگریزی حروف تہجی کے مطابق رکھے گئے ہیں ان کے نام A,B,C,D,E وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کچھ کم نقصان دیتے ہیں C اور B ہیپاٹائٹس کی سب سے خطرناک قسمیں ہیں۔ D اور E وائرس زیادہ عام نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اقسام میں سے کوئی ایک جگر پر حملہ آور ہوتے ہیں اور متعدد یرقان پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں۔

ہیپاٹائٹس بی (Hepatis.B)

ہیپاٹائٹس کے اسباب میں قسم B شدید اور خطرناک ترین ہے۔ پاکستان اور جنوبی ایشیاء کے بہت سے دوسرے ممالک میں یہ وائرس یرقان اور جگر کی دیگر بیماریوں کا اہم سبب ہے۔ یہ وائرس جب ایک دفعہ جسم

میں پہنچ جائے تو پھر 80فی صد افراد میں سالہا سال
تک جگر میں موجود رہنے کا امکان رہتا ہے۔ جگر سکڑنا
شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر یہ موت کا سبب ہو سکتا
ہے۔ ہیپاٹائٹس C وائرس کے پھیلاؤ کے طریقے وہ
ہیں جو وائرس B کے ہیں۔ تاہم ہیپاٹائٹس کے یرقان
کی شدت نسبتاً کم ہوتی ہے۔ لیکن 50فی صد مریضوں
کو دائمی سوزش جگر (Hepatits Chronic) اور
ان میں تقریباً ایک چوتھائی یعنی 25فی صد لوگوں
میں یہ جگر سکڑ (Cirhosis of Lecel) پیدا کرتا
ہے۔ جبکہ مریض سرطان کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا
ہیپاٹائٹس C کا مرض ہیپاٹائٹس B سے زیادہ مہلک اور
خطرناک ہوتا ہے۔ ہیپاٹائٹس C سے بعض صورتوں
میں مریض کی ہلاکت کے 26فی صد امکانات ہوتے
ہیں۔

ہیپاٹائٹس B اور C کے مرض کا مکمل خاتمے کے ساتھ علاج

پاکستان میں 33فی صد ایسے مریض بھی ہیں
جو ہیپاٹائٹس B اور C دونوں امراض کا شکار ہیں۔ وہ
دو چار ماہ کورس استعمال کریں اور اپنی پسند کی لیبارٹری
سے ٹیسٹ کروائیں رپورٹ انشاء اللہ تعالیٰ 100فی صد
(Negative) آئے گی۔ پھر دوبارہ ہیپاٹائٹس B
اور C کا مرض نہیں ہوتا۔ حکیم محمد امین سے علاج
کروانے کے بعد پاکستان و بیرون ممالک میں بے انتہا
مریض شفایاب ہو کر صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔
مریضوں کی سہولت کے پیش نظر آپ لوگ منی آرڈر یا
ڈرافٹ کی صورت میں رقم بھیج کر بیٹھے کورس منگوا
سکتے ہیں۔ میڈیسن V.P.P نہیں بھیجی جائیں گی۔
طبی مشورے و علاج و معالجہ کے لیے مرض کی مکمل
تفصیل سابقہ لیبارٹری رپورٹس ہمراہ لائیں یا جوابی
لفافہ ساتھ روانہ کریں۔

ہیپاٹائٹس C کے مرض کا علاج

ہیپاٹائٹس C متعدی یرقان ہیپاٹائٹس کی اقسام
میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک مرض ہیپاٹائٹس
C ہے۔ پاکستان میں ہیپاٹائٹس C کے شکار افراد کی
تعداد 10 سے 12 لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان
میں ہر گیارھواں افراد ہیپاٹائٹس C کے مرض میں مبتلا
ہے۔ بعض صورتوں میں متاثرہ مریض 48 گھنٹوں
میں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں
ہزاروں سال سے یونانی طریقہ علاج سے بھی مرض کا
مکمل طور پر خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کی
قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس علاج سے کسی بھی قسم
کے مضر اثرات (Side Effects) نہیں ہوتے۔
حکیم محمد امین نے دنیا کے 30 ممالک میں استعمال
ہونے والی قدرتی جڑی بوٹیوں اور قیمتی ادویات سے
ایسی دوائیں تیار کی ہیں جو کہ صرف ہیپاٹائٹس C بلکہ
دیگر امراض کے لیے بھی موثر ترین ہیں۔ جن کے مسلسل
استعمال کے بعد ہیپاٹائٹس کا نام و نشان بھی باقی نہیں
رہتا اور ٹیسٹ رپورٹ (Non Reactive)
ہوتی ہے۔

ہیپاٹائٹس کے مریضوں کے لیے غذائی چارٹ

اوکی: بکرے کا گوشت (بغیر چکنائی) دیسی مرغی

(کم مقدار) ٹینڈے کوکنگ آئل شلجم خربوزہ کالی مرچ (ہلکی) مولی مسی کھیرا میتھی سرسوں کا ساگ ککڑی کریلے لوبیا کریب فروٹ اور پالک ہے۔
ذی کریبا ناحسن کورس
موبائل نمبر 0345-7000088

شادی شدہ کمزور مرد
"احسن تنی" خاص استعمال کریں
20 سال سے آزمودہ
مضر اثرات سے قطعی پاک

سفر جل ایک ایسا پھل ہے جو کچا اور پکا دونوں طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس پھل کے باغات اسپین لبنان اور عرب ممالک کے اکثر علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ پھل بہت لذیذ اور لطیف ہوتا ہے۔ قدرت نے اس پھل میں ایک خاص صفت پیدا کر دی ہے۔ جس سے بوڑھے مرد بھی جوان ہو جاتے ہیں اور کمزور مردوں کے لیے ایک ٹانک ہے۔ سفر جل ایک ایسا نایاب پھل ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

"سفر جل کھاؤ یہ دل کو طاقت دیتا ہے دل کے دورے کو روکتا ہے دل کو مضبوط کرتا ہے دل کی بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے سانس کو خوشبودار بناتا ہے اور سینے کا بوجھ اتار دیتا ہے۔" پھر آپ سرکار ﷺ نے سفر جل کی تعریف کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ۔

"سفر جل کھاؤ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں مامور فرمایا جسے جنت کا یہ پھل سفر جل نہ کھلایا ہو کیونکہ یہ مرد کی قوت کو چالیس گنا بڑھا دیتا ہے۔"

حکماء قدیم کے نزدیک یہ دل و جگر کی بیماریوں اور قوت خاص کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ حکیم سیف اللہ سکھو اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

"سفر جل میں قدرت مطلق نے وہ تاثیر رکھی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔"

زمانہ قدیم کے نامور حکماء لکھتے ہیں کہ۔

"یہ پھل بے حد مقوی باہ اور قوت خاص میں اس قدر طاقت دیتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔"

حکیم محمد امین سفر جل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

"اس پھل میں قدرت نے وہ قوت رکھی ہے کہ شاید ہی کسی اور پھل میں ہو۔ کیونکہ یہ پھل قوت خاص کے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ جانے اس پھل میں اور کیا کیا قوتیں موجود ہیں جو کہ انسان کے لیے یقینی طور پر مفید ہو سکتی ہیں۔ سفر جل کے فوائد تو اس قدر ہیں کہ اس پھل پر کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن میں اس وقت دوسرے فوائد کو نظر انداز کر کے آپ کے سامنے وہ قیمتی راز لکھ رہا ہوں جو کہ استاد محترم نے کئی سال خدمت کرانے کے بعد عنایت فرمایا جو کہ باہ کو قوت دینے، سرعت انزال کو دور کرنے اور وقت ملاپ میں تحریک پیدا کرنے کے لیے بے مثال چیز ہے۔ جس کی صرف ایک ہی خوراک کھانے سے مرد میں اتنی طاقت آجاتا ہے کہ مردانہ پن [illegible] جاتا ہے جس کا نام "احسن تنی خاص" ہے جو گولیوں کی شکل میں ہر کیمسٹ میں دستیاب ہے۔ [illegible] کے مفت طبی مشورے اور گھر منگوانے کے لیے اس نمبر پر رابطہ

کریں۔ 0345-7000088۔ احسن بھی خاص

پورے پاکستان میں ہر اچھے دواخانہ' ہومیو پیتھک سٹور پر دستیاب ہے نام لے کر طلب کریں۔

ہمارے ڈیلر حضرات

☆خواجہ سٹور بالمقابل ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
☆صدر میڈیکل سٹور صدر کراچی
☆سپر ہومیو سٹور میر کرم علی تالپور روڈ صدر کراچی
☆محمد علی میڈیکل سٹور آرام باغ' کراچی
☆ظفر ٹریڈرز دواخانہ پیپ چورنگی' کراچی
☆عرفان قادری جڑی بوٹی لانڈھی' کراچی
☆بسم اللہ ہومیو بلدیہ ٹاؤن' کراچی
☆مصطفےٰ دواخانہ رسالہ روڈ راحت سینما' حیدر آباد
☆ماریہ دواخانہ پولیس لائن' حیدر آباد
☆محمد علی دواخانہ لبرٹی بازار' آبپارہ' اسلام آباد
☆مسلم ہومیو' نعمان ہومیو گیٹ روڈ' حیدر آباد
☆جرمن ہومیو گیٹ روڈ' حیدر آباد
☆عدنان میڈیکل سٹور گلشن مارکیٹ کورنگی' کراچی
☆طارق ہومیو' ڈہرکی
☆اسٹار شاپ ٹھٹھہ
☆عاشق ہومیو ایم اے جناح روڈ' ٹنڈو آدم
☆کنول پنسار سٹور شاہی بازار' لاڑکانہ
☆خالد برادرز مدنی سٹریٹ' سکھر
☆مدینہ میڈیکل ورکشاپ' ٹنڈو آدم
☆پاپولر میڈیکل سٹور شاہی بازار' جیکب آباد
☆ضیاء ہومیو سکندر پورہ' پشاور
☆عارف میڈیکل سندھی ہوٹل نیو کراچی' کراچی
☆شازل دواخانہ' شبیر دواخانہ' شاہی بازار' بہاولپور
☆علی ہومیو سٹور گھنٹہ گھر' ملتان
☆ابن سینا دواخانہ بلاک سی گھنٹہ گھر' ڈی جی خان
☆ارشد برادرز گھاس منڈی' ملتان
☆حافظ دواخانہ کلاں بازار' ڈی آئی خان
☆مشہور دواخانہ مسلم بازار' پشاور
☆الصحت' عابد سٹینڈرڈ دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور
☆رحمانیہ ملت دواخانہ گھنٹہ گھر' پشاور
☆نوید صحت' ناصر دواخانہ' پشاور صدر
☆حافظ دواخانہ' لشکر درہ کوہاٹ
☆حکیم جمیل مینا بازار' مینگورہ
☆مدینہ پنسار' مچھو خان روڈ' مردان
☆سعید میڈیکل' نوشہرہ
☆المدد پنسار' ایبٹ آباد
☆الصحت پنسار' ایبٹ آباد
☆مشتاق پنسار' غازی گھاٹ
☆بادشاہ دیسی بوٹی بوہڑ بازار' راولپنڈی
☆حکیم صوفی نور محمد اہلحدیث چوک' جہلم
☆زمان دواخانہ روہتاس روڈ' جہلم
☆ہمدرد دواخانہ' جہلم
☆ہمدرد دواخانہ' دینہ
☆ہمدرد دواخانہ' لالہ موسیٰ
☆ہمدرد دواخانہ' میرپور
☆ہمدرد دواخانہ' مظفر آباد
☆ہمدرد دواخانہ' گلگت
☆ہمدرد دواخانہ' چلاس
☆الحسن پنسار سٹور' لکی مروت
☆امجد برادرز لکی گیٹ' بنوں

☆☆

قلمی دوستی

انچارج ـ ادارہ

ماہنامہ سچی کہانی لاہور میں اپنا تعارف شائع کروانے کے لیے 20 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ خواتین اپنا تعارف شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی کے ہمراہ ارسال کریں ورنہ تعارف شائع نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ تعارف تصویر کے ساتھ شائع کروانا چاہتے ہوں تو 50 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ اپنا تعارف صاف صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔

نوٹ: انچارج قلمی دوستی ـ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



نام: غلام رسول ضیاء

تعلیم: (بی اے)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اسنوکر کھیلنا، مخلص دوستوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0301-4606783

grasoocelzia@yahoo com

⊛⊛⊛

نام: [illegible]

عمر: 33 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0044-7922838325 لندن

⊛⊛⊛



نام: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ

عمر: 36 سال

تعلیم: ایل ایل بی

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، مطالعہ کرنا۔

پتہ: ملک فیصل سردار ایڈووکیٹ پوسٹ بکس نمبر 217 جی پی او صدر راولپنڈی

موبائل نمبر 0300-5116946

advocate@786yahoo.com

⊛⊛⊛

نام: عبدالغفور

عمر: 44-سال

تعلیم: ایف اے (فاضل عربی)

مشغلہ: مذہبی، تحقیقی، روحانی اور ہر قسم کی کتب کا مطالعہ کرنا، سیر و سیاحت کرنا، خط و کتابت کرنا، پکی قلمی دوستی کرنا، اچھے اور وفادار لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: عبدالغفور موبائل نمبر 0312-7218443

0343-1624326 حافظ آباد

❁❁❁

نام: انجینئر ھمایوں چودھری

عمر: 32 سال

مشغلہ: روشن خیال اور زندہ دل خواتین و حضرات سے قلمی دوستی کرنا، پرفیومز خریدنا۔

پتہ: انجینئر ھمایوں چودھری، کوٹھی نمبر 1 آفیسرز کالونی، TV بوسٹر کھیوڑہ ضلع جہلم

موبائل نمبر 0300-4926451

0345-0505482

❁❁❁

نام: عاصم بشیر

عمر: 31 سال

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی [illegible]

[illegible]

پتہ: موبائل نمبر 0308-4747401 لاہور

❁❁❁

نام: ڈاکٹر حافظ محمد یونس

عمر: 37 سال

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج کرنا، دکھی انسانیت کی خدمت کرنا۔

پتہ: ڈاکٹر محمد یونس معرفت اویس ہومیو پیتھک کلینک ضلع خوشاب

موبائل نمبر 0300-4032658

www.dr younas 15@yahoo.com

❁❁❁

نام: اکرم کنول

عمر: 25 سال

تعلیم: ایف اے

مشغلہ: لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا، غریبوں کی مدد کرنا اور فلاحی کاموں میں حصہ لینا۔

پتہ: موبائل نمبر 0302-4050946

❁❁❁

نام: مقصود احمد قادری

عمر: 26 سال

مشغلہ: سچی کہانی پڑھنا، دعا میں لکھنا اور پڑھنا، لکڑی کا فینسی کام کرنا اور وفادار لوگوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: مقصود احمد قادری معرفت الیاس ووڈ ورکس باجوہ روڈ نزد واخوان چوک بائی پاس روڈ گوجرانوالہ

موبائل نمبر 0300-4775506

❁❁❁

نام: خورشید علی خان

عمر: [illegible] سال

تعلیم: بی اے
مشغلہ: صرف قلمی دوستی۔
پتہ: معرفت احمد شاہ جنرل سٹور منگلی روڈ گلی خیری کو ملنر خورشید علی خان کو ملے۔

⁂

نام: احمد مغل
عمر: 20 سال
تعلیم: بی کام
مشغلہ: لڑکے، لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا' فلاحی کاموں میں حصہ لینا اور غریبوں کی مدد کرنا۔
پتہ: موبائل نمبر 0312-4241300

⁂

نام: M-I-S
عمر: 17 سال
تعلیم: میٹرک جاری
مشغلہ: میں B.T.F سے پیار کرتا ہوں۔ لڑکے لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتہ: محمد اقبال شہزاد' مکان نمبر 8 نارتھ مین روڈ G-6/4 اسلام آباد

⁂

نام: اے حمید
عمر: 25 سال
تعلیم: بی اے
مشغلہ: دنیا بھر سے ملکی و غیر ملکی پاکستانی 16 سے 40 سالہ خوبصورت بدصورت پر خلوص قلمی دوستی۔
پتہ: اے حمید' پی او بکس نمبر 17789' گلشن اقبال
Orenco@cyber.net.pk

⁂

نام: حبیب اللہ خان نیازی
عمر: 28 سال
تعلیم: انڈر میٹرک
مشغلہ: کرکٹ کو دیکھنا جنون کی حد تک' دکھی انسان ہوں اور اچھا دوست جو بھی بنانا پسند کرے۔ بے وفا ہم نہیں ہیں' وفا آپ کر دیں جو تمام کر دکھائیں۔
پتہ: تحصیل پپلاں ضلع میانوالی ڈاک خانہ یالا شریف بمقام خاص بالا شریف پاس عبدالخالق ٹیلر ماسٹر کو ملے کر حبیب اللہ خان نیازی کو ملے۔

⁂

نام: کامران علی
عمر: 18 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: دوستی کرنا' ہر چیز کی تہہ تک پہنچنا' فوٹو گرافی کرنا' برائیوں کو ختم کرنا۔
پتہ: کامران علی' پوسٹ آفس گھیانہ' تلہ حیال' تحصیل گوجر خان

⁂

نام: نور محمد فراق بلوچ
عمر: 32 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: شاعری کرنا' عبدالستار زخمی اور منصور علی ملنگی کو سننا۔
پتہ: نور محمد فراق بلوچ' معرفت رحمت اللہ معرفت ریاض الیکٹرک ورکس کچہری روڈ' میانوالی

⁂

نام: عبدالعزیز خان
عمر: 27 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: قلمی دوستی
پتہ: پوسٹ بکس نمبر 1319' راولپنڈی

⁂

نام: سلطان محمد
عمر: 45 سال
تعلیم: اردو انگریزی
مشغلہ: قلمی دوستی، سیروسیاحت، فوٹو گرافی، تقریبات، کھیل اور کھلاڑی، سینما، فنکار، فلم، سائنس، آپ کو کلینڈر، تاریخ اور میگزین تحفہ بالکل مفت ہے۔
پتہ: خط وکتابت کا پتہ پوسٹ آفس بکس نمبر 782 صدر کراچی نمبر 74400

* * *

نام: ڈاکٹر وسیم احمد قریشی
عمر: 22 سال
تعلیم: D.H.M.S.R.H.M.P
مشغلہ: مخلص قلمی دوستی کرنا
پتہ: ڈاکٹر وسیم احمد قریشی C/O شکیل پرنٹنگ پریس 228- سرور روڈ لاہور کینٹ

* * *

نام: عبدالرحمٰن جامڑو
عمر: 24 سال
تعلیم: M.A ڈپلومہ انجینئر
مشغلہ: پرخلوص اور سچے دوستوں کے ساتھ دوستی، قلمی دوستی اخلاق کے دائرے میں کرنا، ہر خط کا جواب دینا۔
پتہ: عبدالرحمٰن جامڑو C/O محمد خان بروہی نزد نشاط سینما اسٹیشن روڈ رانی پور ضلع خیرپور میرس پوسٹ کوڈ 66100

* * *

نام: تنویر احمد خان
عمر: 18 سال
تعلیم: بی اے (جاری)

مشغلہ: رسائل پڑھنا
پتہ: 53-ای بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور

* * *

نام: محمد ساجد
عمر: 21 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا، ملکی اور غیر ملکی لڑکے اور لڑکیوں سے دوستی کرنا، ہر خط کا جواب دینا۔
پتہ: گلی نمبر 1 مکان E100 گلستان کالونی تیتی امرسدھو لاہور

* * *

نام: فرخ نذیر
عمر: 30 سال
تعلیم: ایف اے
مشغلہ: لڑکیوں اور لڑکوں سے دوستی کرنا
پتہ: فرخ نذیر معرفت سلطانی جنرل سٹور نزد سلطانی مسجد سلطان پورہ لاہور گلی نمبر 28

* * *

نام: شکیل احمد
عمر: 21 سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: قلمی دوستی کے ذریعے پرخلوص دوستوں کی تلاش، کرکٹ دیکھنا، بلیرڈ کھیلنا، مختلف کتب کا مطالعہ کرنا۔
پتہ: شکیل احمد نوید ویڈیو سینٹر اینڈ مووی میکر نزد نواب دین ٹیلرز آفتاب چوک امین پارک لاہور

* * *

نام: احمد بلال
عمر: 17 سال
تعلیم: پری میڈیکل (جاری)
مشغلہ: قلمی دوستی، میوزک، تبادلہ خیالات۔

پتہ: احمد بلال C/O پوما سپورٹس سادات کالونی بوسن روڈ ملتان 60700

★★★

نام: [illegible]

مشغلہ: [illegible] تلاش ہے

[illegible]

پتہ: [illegible]

موبائل نمبر 00966568338366

۞۞۞

نام: فائق

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، سیر و سیاحت کرنا، شعر و شاعری کرنا۔

پتہ: موبائل نمبر 0313-7770046 لاہور

۞۞۞

نام: جاوید احمد

عمر: 22 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: لڑکے اور لڑکیوں سے دوستی کرنا،

پتہ: معرفت اعظم بکڈپو اینڈ لائبریری نزد لوہے والی پلی الجویری روڈ حسین پارک لاہور۔

★★★

نام: محمد متین اصغر

عمر: 20 سال

تعلیم: بی۔ ایس۔ سی (فائنل ایئر)

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: روم نمبر 8 اقبال ہال گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان۔

★★★

نام: ڈاکٹر عبدالستار جتوئی

عمر: 25 سال

تعلیم: D.H.M.S

مشغلہ: قلمی دوستی، لڑکے، لڑکیاں بن کر خط نہ لکھیں۔

پتہ: ہومیو ڈاکٹر عبدالستار جتوئی، نزد غلہ سبزی منڈی جام پور ضلع راجن پور۔

★★★

نام: بلال احمد

عمر: 20 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، وش دیکھنا، لڑکے اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا

پتہ: بلال 29/10 سیکٹر II-F N.K کراچی

★★★

نام: برکت علی چنا

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: لڑکوں اور لڑکیوں سے قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: C/O سائیکل نوید صحر چنا ڈاکخانہ و بمقام سھکنھس وایہ کلی غلام شاہ ضلع شکارپور۔

★★★

نام: ملک خادم حسین

عمر: 25 سال

تعلیم: بی۔ اے

مشغلہ: مصوری کرنا، اچھے اور مخلص لوگوں سے

دوستی کرنا۔

پتہ: ملک خادم حسین، معرفت فائیو سٹار ہیئر ڈریسرز منڈی مویشیاں روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ۔

☆☆☆

نام: غضنفر عباس گمائل

عمر: 18 سال

تعلیم: D.Com جاری

مشغلہ: کمار سانو کے غمگین گیت سننا، دکھی لوگوں سے ہمدردی کرنا، شاعری کرنا۔

پتہ: غضنفر عباس گمائل ڈاک خانہ پکا شاہنواز ڈیرہ غازی خان۔

○ ☆ ○

نام: سید مقصود حسین گیلانی

عمر: 35 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: T.V اور ویڈیو پر فری سٹائل ریسلنگ دیکھنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: سید مقصود حسین گیلانی ایئرپورٹ سیکورٹی فورس گلگت، ایئرپورٹ گلگت۔

○ ☆ ○

نام: وقار احمد

عمر: 18 سال

تعلیم: (انٹر جاری)

مشغلہ: کرکٹ کھیلنا۔

پتہ: گلی نمبر 7 مکان نمبر (A)33 حنیف پارک بازی باغ لاہور۔ اشفاق پرچون والے کو ملکر وقار احمد ملے۔

○ ☆ ○

نام: ڈاکٹر محمد طیب قریشی

عمر: 36 سال

مشغلہ: تمام نادار اور غریب مریضوں کو مفت مشورہ دینا، صرف نیک، باپردہ، حیادار دوستوں سے قلمی دوستی، مذہبی کتب جمع کرنا اور پڑھنا۔

پتہ: ولد ڈاک روڈ یوسف آباد پشاور

○ ☆ ○

نام: وجاہت یٰسین

عمر: 19 سال

تعلیم: D.Com

مشغلہ: قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: محمد یوسف کلاتھ ہاؤس، 23 صدر بازار نوشہرہ کینٹ (نتہار کوٹلے)

○ ☆ ○

نام: خالد خاکا

عمر: 18 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا۔

پتہ: حسینی نقشان جنرل اسٹور گوادر۔

○ ☆ ○

نام: محمد مرتضیٰ

عمر: 20 سال

تعلیم: F.Sc

مشغلہ: گانے اور غزلیں سننا، دوستی ایک حد تک۔

پتہ: 944-A سرور روڈ ملتان۔

☆☆☆

نام: وحید گل کاوانی

عمر: 25 سال

تعلیم: میٹرک

مشغلہ: قلمی دوستی۔

پتہ: ضلع ملاکنڈ تحصیل درگئی گاؤں و ڈاک خانہ کھزئی عثمانی

☆☆☆

ناقابل فراموش واقعات

انچارج ۔ ادارہ

اس کالم میں آپ سبق آموز معلوماتی 'حیرت انگیز' ناقابل فراموش 'خوفناک' دہشت ناک واقعات ارسال کر سکتے ہیں۔ جو 3 صفحات سے زیادہ نہ ہو۔ جس کے ہمراہ آپ کو 50 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کرنے ہوں گے۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہیں تو 100 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔

لکھئے انچارج ناقابل فراموش واقعات۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



گلاب جان

صنوبر ایک چھوٹے سے قصبے میں پیدا ہوئی جہاں پٹھانوں کی بنائی ہوئی بہت بڑی عمارت تھی جو پٹھانوں کی گڑھی کے نام سے مشہور تھی اس کی تعمیر چھوٹی اینٹوں سے ہوئی تھی۔ اس کا کوئی مالک باقی نہیں رہا تھا لاوارث اور ٹوٹی پھوٹی گڑھی کی اب دو تین اونچی اونچی دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں، جن سے بارش اور آندھی میں یا بندروں کے چلنے سے اینٹیں گرتی رہا کرتی تھی۔ راہ گیر احتیاط سے بچ کر ان کے نیچے سے گزرا کرتے تھے انہیں اندیشہ رہتا تھا کہ کوئی اینٹ سر پر نہ گرے اس کے اندر جانے سے بھی لوگ گھبرایا کرتے تھے تو

ہم پرستوں نے عجیب عجیب قسم کی باتیں مشہور کر رکھی تھیں عام طور پر اسے بھوتوں کی گڑھی کہا جاتا تھا صنوبر کا اصل نام خدیجہ تھا اس کی ماں کو صنوبر بہت پسند تھا پٹھانوں کے یہاں کسی زمانے میں صنوبر ایک حسین و جمیل کنیز تھی۔ اس کی خوبصورتی اور نزاکت کی کہانیاں بوڑھی عورتیں سنایا کرتی تھیں خدیجہ کی اماں نے اسے صنوبر ہی کہنا شروع کر دیا اس کے خیال میں وہ صنوبر کہلائے جانے کی مستحق تھی اس کی گوری چٹی رنگت، ستواں ناک، خمدار بھویں، ایسے ہی ہلکے پھلکے اور پیارے نام کی طالب تھیں ان سب چیزوں نے اس کو ان کہانیوں کا جیتا جاگتا کردار بنا دیا تھا جو عورتوں کے منہ سے سنی جا رہی تھیں آہستہ آہستہ وہ صنوبر ہی کہلائی جانے لگی سب بھول گئے کہ اس کا پیدائشی نام خدیجہ ہے وہ صنوبر بن کر ہر طرف نظر آنے لگی اس کے چہروں میں تیکھا پن آ گیا۔ منور اس کے ساتھ کھیلا ہوا تھا اس سے چار سال بڑا تھا اور اسی گڑھی میں پیدا ہوا تھا بچپن میں دونوں ساتھ کھیلتے تھے منور کا باپ قادر جوانی میں گڑھی کا چوکیدار تھا اس کے اجڑ جانے پر تنخواہ دینے والا کوئی نہ رہا تو وہ پتنگ بنا کر بیچنے لگا اس کے تیار کئے ہوئے پتنگ بہت مشہور تھے لوگ اس کی بنائی ہوئی پتنگ کو عمدہ قسم کے مانجھے میں

باندھ کر پیچ لڑایا کرتے تھے فریق ثانی پٹی دار پتنگ اڑاتا تھا وہ کٹ جاتی تو خوب تالیاں بجائی جاتیں۔ پتنگ سازی کی تجارت ہی ایسی تھی جو کم پیسوں میں کی جاسکتی تھی قادر ہرا پیلا لال اور نیلا سفید باریک کاغذ خرید لاتا اس کی خریداری کے لئے نقد پیسوں کی بھی ضرورت نہ تھی ادھار بھی مل جاتا تھا بانس کی کھپچیاں چھیل کر ٹھڈا اور کمانی بناتا اور ڈوری میں ڈال کر دوکان میں گڑی ہوئی کھونٹیوں میں ٹانگ دیتا محلے کے آوارہ اور کھلنڈرے لونڈے بھاگتے ہوئے آتے اور اپنی پسند کے پتنگ لے جاتے تھے اس کی بنائی ہوئی چاند تارا مشہور تھی اڑتے وقت خوب کنی کاٹتی ویسے دو مانگا اور مُنڈے دار بھی خوب بکا کرتی تھیں۔ قادر کی گزر بسر بہت اچھی طرح ہونے لگی شروع میں منور کٹے ہوئے پتنگوں کی ڈور اور مانجھا ہی لوٹا کرتا تھا مانجھا اپنے پاس رکھ لیتا اور ڈور صنوبر کو دے آتا جسکو سینے پرونے کے کام میں لاتی اور جب اپنی چھت پر سے کٹی ہوئی پتنگیں لوٹتی تو منور کو دے دیا کرتی تھی یہیں سے ان کے درمیان ایک معصوم قسم کی محبت کا آغاز ہوا جو دھیمی رفتار سے ہوتا رہا منور سکول میں داخل ہو گیا۔ کھیل کود میں کمی ہو گئی لیکن اس کی اور صنوبر کی محبت عشق پیچاں کی بیل کی مانند بڑھتی، پھیلتی اور پھولتی رہی۔ مشہور ہے کہ آسمان عاشق و معشوق کا مل بیٹھنا گوارا نہیں کرتا جلد ہی جدائی کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے چنانچہ منور اٹھارہ سال کی عمر میں سعودی عرب چلا گیا تھا جاتے وقت اس نے لرزتے ہوئے ہونٹوں اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے صنوبر سے کہا تھا وہاں سے بہت سارے روپے لاؤں گا اور تجھ سے شادی رچاؤں گا انتظار کرنا کسی ایسے ویسے کا ہاتھ مت تھامنا صنوبر کے گلابی ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "جس کا ہاتھ تھامنا تھا

تھام چکی اب کوئی یوسف بھی ہو تو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں" یہ کہہ کر اس نے منور کو اشتیاق کی نگاہوں سے دیکھ کر دو چار آنسو بہا دیئے جو اس کے کومل سے گالوں پر بہتے بہت اچھے معلوم ہوتے۔ منور نے شفتی رخساروں پر آنسوؤں کی دھار کو دیکھ کر اپنے دل کو پگھلتا ہوا محسوس کیا قصبے کی پرانی ریت کے مطابق صنوبر کو پردے کا پابند کر دیا گیا تھا جو اتنا سخت تھا کہ اس کا ٹوٹ جانا لال قلعہ کی دیوار کی گر جانے سے کم نہ تھا۔ وہ کواڑوں کی درزوں سے جھانک کر آنے جانے والوں کو ایک نظر دیکھ لیا کرتی تھی جن لڑکوں کو چھوٹی عمر میں دیکھا تھا وہ اس کے چاند سے چہرے کی چمک اور اس کی روشن کرنوں کو بھولے نہ تھے اسے دیکھنے کی غرض ہی سے اس کے باپ کی دوکان سے تکل اور پٹی دار خریدنے دن میں کئی بار جایا کرتے تھے اکثر اس کے شربت دیدار سے محروم ہی رہتے اور پیاسے لوٹ آتے۔ صنوبر منور کی میٹھی یادوں میں دن گزار رہی تھی۔ بڑی ہو چکی تھی نسوں میں جوانی کی امنگیں دھیرے دھیرے بیدار ہو چکی تھیں منور کی بچپن والی معصوم محبت میں حسن کا رنگ بھرتا جا رہا تھا ایک ایک کر کے دن گزرتے رہے اور ایک وقت ایسا آیا جب منور کے آنے کی خبریں پھیلنے لگیں معلوم ہوا کہ وہ جلد ہی لوٹ کر آ رہا ہے۔ صنوبر نہایت بے چینی اور شوق سے اس کے آنے کی منتظر تھی اس کی آنکھوں میں چمک اور لبوں پر سرخی بڑھتی جا رہی تھی گلی میں کسی کے آنے کی چاپ سنائی دیتی تو دل ہاتھوں اچھلنے لگتا اور گلاب کی مہک پھیل جاتی سوچتی منور آ رہا ہے پیروں کی آہٹ سے چنبیلی کے پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی اور ایک دن سچ مچ وہ آ ہی گیا اور ڈیوڑھی میں داخل ہونے سے قبل ہی کسی نے کہہ دیا "بہت خوش خوش آ رہے ہو اور وہ چلی گئی" "کہاں؟" اس نے

اوپر کو انگلی اٹھادی وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ایک دم بے ہوش ہو کر گر پڑا سمجھا صنوبر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ کسی نے اندر جا کر زور سے کہہ دیا کہ منور مر کر گر پڑا۔ صنوبر اندھی باؤلی ہو کر بھاگی اس کی ایک ہی عاشقانہ ٹھوکر سے پردے کی دیوار ٹوٹ کر گر پڑی اس نے منور کو ایک نگاہ دیکھا اور اس کا سر زانو پر رکھ کر دوپٹے کے پلو سے ہوا کرنے لگی۔ منور کی چھاتی زیر زبر ہو رہی تھی صنوبر چیخی۔ "اللہ رکھے مرے تھیں زندہ ہیں۔ اس کی آواز سن کر منور نے آنکھیں کھول دیں اس وقت عورتیں زور زور سے چیخ رہی تھیں۔ "گلاب جل لاؤ" "جلدی لاؤ"۔ "بوتل طاق میں رکھی ہے"۔ یہ بول منور کے کان میں پڑے وہ بولا۔ "ضرورت نہیں گلاب جل کی، بوتل تو میرے پاس رکھی مہک رہی ہے میں تو اٹھا۔"

٭ فرح شاہین بھٹی۔ احمد پور لمہ ضلع رحیم یار خان

٭٭٭

انا

ایمسٹرڈیم کی ٹریفک بھی عجیب ہے اس کی مثال دنیا کے کسی دوسرے شہر میں نہیں ملتی یہاں گاڑیاں ٹریفک کے ریلے میں چلتی کم ہیں دھکیلی زیادہ جاتی ہیں آج صبح بھی ایسا ہی ہوا جب میری ٹیکسی ایمسٹرڈیم کے مرکزی بازار سے گزر رہی تھی تو ٹریفک کے ریلے میں دائیں جانب دھکیل دی گئی۔ کچھ ہی دور جا کر ٹریفک جام ہو گئی اور میری ٹیکسی پھلوں کی ایک دکان کے سامنے رک گئی میں نے ٹریفک کے بے ہنگم بہاؤ اور شور سے بے نیاز ہو کر دکانوں اور شور و حرکی جانب توجہ مبذول کر دی۔ پھلوں کی دکان بڑی صاف ستھری تھی اور اس کے پہلو میں لکڑی کی خالی پیٹیاں بڑے سلیقے کے ساتھ اوپر نیچے رکھی ہوئی تھیں یکایک ساتھ والی گلی سے دو لڑکے شرارتیں کرتے ہوئے برآمد ہوئے اور ان میں سے ایک لڑکے نے شرارت کے طور پر دوسرے کو خالی پیٹیوں کی جانب دھکا دیا نتیجے میں تمام پیٹیاں ڈھیر ہو گئیں دکان دار ہاتھ میں ہتھوڑا لے کر لڑکوں کی طرف لپکا اور بولا۔ "حرام خورو! اب ادھر آؤ ہتھوڑا مار کر تمہارا بھیجا پچکا دوں گا"۔ "پاگل کباڑیے! کیا میرا دماغ پکائے گا" سامنے سے آتی ہوئی خاتون غصے میں جھلا کر بولی۔ خاتون کم و بیش دو سو پاؤنڈ وزنی ہو گی اور صرف چار فٹ لمبی فٹ بال معلوم ہوتی تھی چند لمحے پہلے ہی برابر والے بیوٹی پارلر سے بال بنوا کر برآمد ہوئی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے دکاندار سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ "ہاہاہا! بھلا یہ میری جرأت کہاں سرکار! آپ کے تو بال ہی کس قدر خوبصورت اور چمکیلے ہیں" دکاندار بوکھلاہٹ میں اور جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور ہنسی سے دوہرا ہو رہا تھا کہ سامنے کی ٹریفک نے راستہ دیا اور ہم آگے نکل گئے تھوڑی دور جا کر ہم ایک نہر کے کنارے پر مڑ گئے۔ لیکن زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ٹریفک پھر جام ہو گئی۔ ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ اگر جگہ ہو تو واپس لے چلے مگر ہمارے پیچھے بھی ٹریفک کی قطار لگی تھی۔ "اس کم بخت لوڈر نے تمام ٹریفک خراب کی ہوئی ہے" ڈرائیور نے کچھ ہی فاصلے پر ایک لوڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ "آپ کو جلدی تو نہیں ہے؟" ڈرائیور نے کندھے اچکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ "نہیں ایسی بھی جلدی نہیں" اس نے ایک سگریٹ میری جانب بڑھائی ایک اپنے لئے لگائی اور اپنی سیٹ میں یوں دھنس گیا جیسے ٹیلی وژن دیکھ رہا ہو پیچھے والی گاڑیوں نے کئی مرتبہ

ہارن بجائے۔" یہ ایمسٹرڈیم کے نہیں ہیں" ڈرائیور نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا "ایمسٹرڈیم کا ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ لاعلاج ہے ہارن سبب فائدہ ہے تاہم اگر پھر بھی کوئی ہارن بجائے تو لوڈر مزید آہستہ ہو جاتا ہے یعنی ادلے کا بدلہ۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا واقعی بلدیہ نے جگہ جگہ ٹراموں کے بے ہنگم جال بچھا کر ایمسٹرڈیم کے باسیوں کی روحوں کو عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے اس پر مستزاد یہ کہ تمام بس سٹاپوں پر یہ الفاظ لکھے ہیں۔ "خدا تمہاری سنتا ہے بددعا مت دو" اس سے زیادہ مناسب تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ "یہ تو انا کا سوال ہے سراسر!" ڈرائیور نے کہا "خاص طور پر ایمسٹرڈیم کے بے فکرے نوجوانوں کے لئے ہر نوجوان اپنے متعلق بہتر طور پر جانتا ہے جیسا کہ میں اپنے لئے بہتر سوچ سمجھ سکتا ہوں" میں آئینے میں اس کی کھسیانی ہنسی بخوبی دیکھ رہا تھا جس سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے ماضی کے کسی واقعہ پر شرمندہ بالکل نہیں "جب میں نوجوان تھا" میرے پاس ٹیکسی نہیں تھی بلکہ میں ایک بڑے ٹرک پر ڈرائیور کے طور پر ملازم تھا۔ وہ ٹرک سامنے والے لوڈر سے بھی بڑا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب نہ سڑکیں اس قدر کشادہ تھیں کہ بڑے بڑے ٹرک آسانی کے ساتھ گزر سکیں نہ یک طرفہ ٹریفک کی پابندی تھی" ٹیکسی ڈرائیور پرانے وقت کو یاد کرتے ہوئے اپنی ہی ٹلک میں بولے جا رہا تھا "مجھے اب بھی یاد ہے کہ ایک سہ پہر میں اپنے ٹرک پر سوار شہر کے درمیانی بازار سے گزر کر ایک تنگ بازار میں مڑ گیا سامنے سے ایک اور بڑا ٹرک آ رہا تھا میرے ٹرک جیسا لمبا چوڑا بازار اتنا تنگ تھا کہ ایک ٹرک بمشکل گزر سکتا تھا لہٰذا دونوں ٹرک آمنے سامنے آ کر رک گئے ہم دونوں ایک دوسرے کو واپس جانے کے لئے اشارہ دے رہے تھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی واپس جانے کو تیار نہ تھا آخر کار ہم دونوں اپنی اپنی سیٹ پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے میں نے سگریٹ سلگا لیا اور اس بے فکرے ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا وہ بھی مجھے گھور رہا تھا آخر جب میں نے سگریٹ ختم کی تو اس نے سینڈوچ کھانا شروع کر دیا نہایت آہستہ آہستہ ہر لقمے پر میری طرف دیکھتا کہ شاید میں اس طرح گلی چھوڑ کر دوڑ جاؤں گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے میری جانب بڑے فخریہ انداز میں دیکھا مجھ سے تعریف چاہی اور میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی پھر بیان جاری رکھا۔ "قبل اس کے کہ وہ اپنا سینڈوچ ختم کر دے میں نے اخبار اٹھایا اور اپنی سیٹ میں دھنس کر پڑھنا شروع کر دیا کافی دیر بعد کھڑکی کے شیشے پر دستک ہوئی۔ میں نے مڑ کر دیکھا وہ میری کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا مجھے خیال گزرا کہ وہ اب یہ کہنے آیا ہے کہ بس کرو! اب چلیں" ٹیکسی ڈرائیور نے کندھے اچکاتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بات جاری رکھی۔ "اس زمانے میں آج کل جیسی غنڈہ گردی اور چاقو زنی نہیں تھی۔ دوسرا ڈرائیور بے فکر اور بظاہر چوڑا چکلا قسم کا نوجوان تھا لیکن اس کے باوجود میں اس کے بیباکانہ انداز سے بالکل مرعوب نہیں ہوا۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔ "کیا بات ہے" میں نے دریافت کیا۔ "جب اخبار ختم کر لو تو مجھے بھی دے دینا" اس نے درخواست کی۔" یہ بات سنتے ہی مجھے ہنسی آ گئی اور میں نے اپنا ٹرک واپس موڑ لیا"۔

☆ اصغر عبدی۔ کراچی

نیپال کا سفر

میں امروہہ مسلم کالج میں پڑھ
رہا تھا۔ میرے ساتھ میرے اور تین دوست تھے۔ ہم
تینوں امروہہ سے گھر کو روانہ ہو گئے۔ سفر کافی مزے
سے کٹا اور ہم تینوں الگ ہو گئے اور اپنے اپنے گھر
کے لئے روانہ ہو گئے۔

میرے دو دوست کا گھر اتر میں لوہا گارا سائیڈ میں تھا اور
میں اکیلا تھا۔ اسور کے لئے روانہ ہو گیا جہاں میرا گھر
ہے۔ گھر پہنچ کر سب سے ملاقات کی اور گھر والوں میں
شامل ہو گیا۔

کچھ دن تو گھر آرام سے گزارے پھر وعدے کے
مطابق اپنے دوست محمد الیاس صدیقی کے گھر کچہری
بستی پہنچ گیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر دونوں ایم ذکر حسین
رانی کے ہاں جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور تقریباً
رات ساڑھے سات بجے ان کے یہاں پہنچے۔ گرمی کی
وجہ سے ان کے بھائی اور ان کے دولہا بھائی اور کچھ
لوگ کھلیان میں بیٹھے ریڈیو بجا رہے تھے اور ہلکے ہلکے
ہواؤں کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
رانی صاحب گھر پر نہیں تھے شاید کہیں گئے ہوئے
تھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بھی آ گئے۔ سلام دعا ہوئی اور
پھر ہنسی مذاق کا دور دورہ شروع ہوا۔ رات کا کھانا کھا
کر سو گئے۔

دوسرے دن انکے اصرار پر اور رکنا پڑا اگلے دن صبح
ناشتہ کر کے تینوں پروگرام کے مطابق نیپال گھومنے
کے لئے روانہ ہو گئے اور نیپال کے بارڈر کو تقریباً
دن کے بارہ بجے پار کر چکے اور بس میں بیٹھ کر اپنے
دوست زاہد الاسلام جو کہ نیپال کا باشندہ ہے اسکے گھر
کے لئے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ ہم تینوں میں سے کسی
کو ان کے گھر کا صحیح راستہ معلوم نہ تھا۔ مشہور ہے کہ
تلاش کرنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ ٹھیک اسی
طرح بھٹکتے بھٹکتے ان کے گھر تک پہنچ گئے مگر اتفاق
سے گھر پر کوئی نہ مل سکا پھر وہاں سے ہم ان کے بھائی
کے سسرال پہنچے اور کافی پریشان ہونے کے بعد ان کے
بھائی نے ہماری کافی آؤ بھگت کی اور پھر مارکیٹ
گھومنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ کچھ ضروری سامان
خرید کر ہم لوگ انڈیا کے لئے روانہ ہو گئے۔ انہوں
نے روکنے کی کافی کوشش کی مگر ہم نہ رکے اور چائے
ناشتہ کے بعد بس پر سوار ہو گئے۔

ابھی کچھ دور چلے ہی تھے کہ سرد سرد ہوا چلنے لگی۔
بادل گڑگڑانے لگا۔ بجلی چمکنے لگی۔ اس کے ساتھ
ساتھ موسلا دھار بارش بھی ہونے لگی۔ نیچے اونچے
کھنڈر پانی سے فوراً بھر گئے اور سڑکوں پر پانی کافی
اونچا آر سے پار گزرنے لگا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی
چمک نے لوگوں کو ہراساں کر دیا اور سب لوگ سہم
گئے۔ جب بس پہاڑ کے اوپر سے گزر رہی تھی تو دل
دہل جاتا تھا۔ بارہا یہ سنا تھا کہ جب تیز ہوا چلتی ہے تو
بس پہاڑ سے نیچے گر جاتی ہے اور چکنا چور ہو جاتی
ہے۔ قسمت نے ایسا کھیل کھیلا تھا کہ ایسے موقع پر
آج ہم بس پر سوار تھے۔ موت منہ پھاڑے کھڑی تھی
زندگی ہو ہر لمحہ آنکھیں چرا رہی تھی حیات اور موت
کے درمیان گیند کی طرح ادھر سے ادھر لڑھک رہے
تھے۔ موت کہہ رہی تھی۔

یہ سب ہمارا کھلونا ہے۔ حیات کہہ رہی تھی ہم سے
چھینا مشکل ہے۔ دونوں میں بحث و مباحثہ ہو رہا تھا۔
اس پر غضب کی اندھیری رات بجلی کی چمک سے بار
بار سب لوگ آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ ہر شخص کے
منہ سے اللہ اللہ نکل رہا تھا۔ کسی کو کسی کا خیال نہیں
تھا۔ ہر شخص زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ ایسی حالت
میں نہ جانے خدائے تعالیٰ نے کس نیک بخت کی دعا
قبول کی؟ ویسے تو میں اور میرے ایک دوست حافظ
قرآن تھے لیکن ہم نے کوئی ایسی دعا نہیں کی تھی

مارے ڈر کے سانس پھول گیا تھا۔ صرف زبان سے اللہ ضرور نکل جاتا تھا۔ ہو سکتا ہو میرے دوست نے کی ہو اور اللہ نے قبول کر لیا ہو۔

اب بس بعد دوپہر اسٹاپ پہنچ چکی تھی جہاں ہمیں اترنا تھا خدا خدا کر کے بس سے اترے جلدی سے بارڈر پر پہنچے راستہ بند ہو چکا تھا۔ اب رکنے کی فکر سوار ہوئی ہم ادھر سے ادھر بھٹکنے لگے۔ اکا دکا دوکان کھلی تھی۔ معلوم کرنے پر ایک نے کہا۔

دھرم شالا میں رک جاؤ۔ تو کسی نے کہا ہوٹل میں چلے جاؤ۔

ہم نے ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب سمجھا اور ایک لڑکی کے دو منزلہ ہوٹل میں ٹھہرے۔ نیچے کی بجائے اوپر کی منزل میں ایک کمرہ مل گیا۔ ہوا ابھی بھی سائیں سائیں چل رہی تھی۔ ہم نے کھڑکی اور دروازہ بند کر لیا اور بمشکل کھانا کھا کر اپنے بستر پر پڑ گئے۔ میرے دونوں ساتھی کچھ زیادہ ہی فراق پسند ہیں دونوں ہنسی مذاق میں مشغول ہو گئے اور دن کے واقعات کو مزہ لے کر مزا لینے لگے اور اپنے اپنے بستر میں لیٹ گئے۔

میں رات بھر کروٹیں بدلتا رہا کسی کروٹ سکون نہیں مل پا رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ تاریکی نے ہر چیز اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک سے دور و نزدیک کے پہاڑ اور پیڑ پودے مست شراب کی طرح جھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور اپنے اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

جب بھی اس سفر کا خیال آتا ہے تو موت کا منظر آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے اور دل دہل جاتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے نہ جانے کس کی دعا کی برکت سے ہم سب بچ گئے۔

☆ اشفاق۔ انڈیا

موت کا انتظار ہے اسے

جی ہاں! جھانسی کی جیل میں قید 65 برس کی عمر کا وہ بوڑھا موت و زیست کی کشمکش کا شکار ہے۔ اس کا نام گیا ہی ہے۔ ایک قتل کا ملزم ہے وہ جسے عدالت نے مجرم قرار دیتے ہوئے پھانسی کی سزا دی تھی اور یہ سزا 97ء میں اسے سنائی گئی تھی۔ تب سے اب تک وہ پھانسی کی کوٹھری میں قید اپنی موت کے پروانے کا منتظر ہے۔

گیا ہی نے 96ء میں ساڑھے بارہ سو روپے قرض لیا تھا جس کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اس کے کھیت فروری 97ء میں نیلام کر دیئے۔ 26 ستمبر کو جس نے اس کے اور اس کے پڑوسی کے کھیت نیلام کر دیئے تھے اس کی سر کٹی لاش گاؤں کے نالے میں پائی گئی۔ اس معاملے میں گیا ہی اور اس کے پڑوسی مول چند اور مول چند کے بیٹے دیارام کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

سیشن کورٹ سے پھانسی کی سزا کے بعد معاملہ ہائی کورٹ گیا جہاں سے مول چند اور دیا رام بری ہو گئے۔ لیکن گیا ہی کی سزا برقرار رہی۔ سپریم کورٹ سے بھی اس کی سزا برقرار رہی تو نومبر 81ء میں اس نے رحم کی درخواست صدر مملکت کو روانہ کی تھی جس کا جواب آج تک موصول نہیں ہوا۔

جواب کے لئے حکام نے دو دو بار [illegible] مرکزی وزارت داخلہ کو روانہ کئے لیکن جواب نہ آیا۔ قید کی کوٹھری میں گھٹ رہے گیا ہی نے 7 مارچ [illegible] کو ایک خط اور روانہ کیا جس میں اس نے لکھا ہے پھانسی دینی ہے تو فوراً دے دو ورنہ مجھے کال کوٹھری سے فوراً رہا کیا جائے۔

اس کی اس التجا پر صوبائی انتظامیہ نے ڈسٹرکٹ جج دی این جیسوال کو تحقیقات کے لئے مقرر کیا۔ جیل حکام

کوری تک رپورٹ ملنا جج صاحب نے کہا کہ رحم کی اپیل کا جواب اسے ابھی تک نہیں ملا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر پریشان ہو گیا ہے کہ کوٹھڑی کی سلاخوں پر سر پٹخ کر خودکشی کی بات کرتا ہے۔ اس کی سفارش پر ایک افسر کو دلی روانہ کیا گیا۔
معلوم ہوا کہ پھانسی کی فائل ہوم منسٹری میں ہے وہ متعلقہ حکام سے ملا تو افسر کو تسلی دی گئی کہ اس معاملے کو ایک ہفتے میں نمٹا کر جواب روانہ کر دیا جائے گا لیکن ابھی تک جواب نہیں مل سکا ہے۔ گیا ہی بارہ برس سے اسی کشمکش کا شکار ہے کہ اسے سولی پر لٹکنا ہے یا نہیں؟

☆ انو اگروال۔ انڈیا

شاہدہ کا دستر خوان

انچارج۔ شاہدہ پروین

کھانے پکانے کی تراکیب ہمیں قارئین سے موصول ہوتی ہیں جو ہم جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی کوئی منفرد ترکیب جانتی ہوں تو ہمیں ارسال کریں۔ ترکیب صاف اور خوشخط ہونی چاہیے تاکہ پڑھنے میں آسانی رہے۔ خواتین ہمیں کھانے پکانے کی ترکیب اپنی تصویر کے ساتھ بھی ارسال کر سکتی ہیں ہم شائع کریں گے۔

☜ شاہدہ کا دستر خوان۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



چکن بالز

اجزاء۔

چکن	ڈیڑھ کلو
ڈبل روٹی	چورا (حسب ضرورت)
نمک	ایک چائے کا چمچ
گھی / آئل	حسب ضرورت
ادرک	آدھا چائے کا چمچ (پیسٹ)
انڈا	ملانے کے لیے
لہسن	آدھا چائے کا چمچ
انڈا	لگانے کے لیے
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچ
وارسٹر ساس	دو کھانے کے چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب۔

مرغی میں تمام چیزیں اور حسب ضرورت پانی ڈال کر ابال لیں۔ پھر ریشے کر کے چوپر میں پیس لیں۔ پھر انڈا ملا لیں۔ پھر بالز بنا کر انڈا لگا دیں۔ پھر ڈبل روٹی کے چورے میں رول کر کے آئل یا گھی میں ڈیپ فرائی کریں۔

☆ رضیہ اسلم۔ لاہور

Fruit and Jelly Wedges

اجزاء۔

ٹین میں بند مکس فروٹ	440 گرام
فوڈ کلر، موسمی	3 سے 4
جیلاٹن پاؤڈر	دو کھانے کے چمچ
گرم پانی	125 ملی لیٹر

ترکیب۔

جیلاٹن پاؤڈر کو گرم پانی میں گھول لیں۔ ڈبے میں بند فروٹ کو جوس سے نکال کر جیلاٹن کا مکسچر جوس میں ملا لیں اور حسب ضرورت پانی ملا کر اندازاً دو کپ پانی تیار کر لیں اگر ضرورت ہو تو فوڈ کلر بھی ملا لیں۔ اچھی طرح مکس کر کے فریج میں جمنے کے لیے رکھ دیں۔ خیال رہے کہ پوری طرح جم نہ جائے۔ اب موسمی کو دو حصوں میں کاٹ کر چمچے کی مدد سے اس کا گودا نکال دیں۔ اب فروٹ اور جیلی کو مکس کر کے موسمی کے سانچے میں فریج میں رکھ دیں۔ 2 سے 3 گھنٹے کے بعد یا پھر جب جیلی تیار ہو جائے سرو کرنے سے پہلے موسمی کو تین حصوں میں کاٹ لیں۔

☆ راحیلہ۔ اسلام آباد

سویاں سموسے

اجزاء۔

سویاں	ایک پاؤ
سموسے کی پٹیاں	16 عدد
گھی / آئل	دو کھانے کے چمچ
گھی / آئل	فرائی کے لیے
شکر	آدھا کپ
پانی	ایک کپ
الائچی	4 عدد
کیوڑہ	ایک چمچ
پستے	1/4 پیالی (کٹے ہوئے)
کھوپرا	1/4 پیالی (ٹکڑوں میں کٹا ہوا)
بادام	1/4 پیالی (کٹے ہوئے)

ترکیب۔

• دو چمچ گھی یا آئل گرم کر کے اس میں الائچی

کڑکڑائیں اب اس میں سویاں بھون کر کیوڑہ، پانی اور شکر ڈال کر دم پر رکھیں۔ 10 منٹ کے بعد چولہے پر سے اُتار لیں کر پلیٹ میں نکال لیں۔ ٹھنڈی ہو جائیں تو اس میں پستہ، بادام اور کھوپرا ملائیں۔ اب سموسے کی پٹیوں میں بھر کر سموسے بنالیں۔ اب گھی یا آئل گرم کر کے اس کو گولڈن براؤن فرائی کر لیں اور مہمانوں کو گرم گرم سرو کریں۔

☆ نوشین۔ سرگودھا

ثابت مچھلی ٹماٹر کے ساتھ

اجزاء۔

مچھلی کانٹے والی	ایک عدد (500 گرام)
پانی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلاور	ایک چائے کا چمچ
آئل یا گھی	چار کھانے کے چمچ
ہری پیاز	دو عدد
لہسن	کٹی ہوئی (ایک گٹھی)
شکر	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹر	ایک پاؤ (چھلے ہوئے)
میدہ	حسب ضرورت

ترکیب۔

مچھلی کا پیٹ صاف کر لیں اور پھر اس کو اچھی طرح دھو کر اس پر کٹ لگالیں۔ پھر اس پر نمک اور خشک میدہ لگالیں۔ فرائی پین میں آئل یا گھی گرم کر کے مچھلی تل لیں۔ جب بادامی ہو جائے تو اُتار لیں۔ اسی آئل یا گھی میں ٹماٹر کے چار ٹکڑے کر کے ڈالیں۔ جب پک جائیں تو اس میں شکر اور کارن فلاور (پانی میں گھول کر) ملادیں اور چمچہ ہلاتے جائیں۔ ہری پیاز کے لمبے لمبے ٹکڑے کر لیں۔ مچھلی پر یہ ٹماٹر والا Sauce ڈالیں اور اوپر سبز پیاز سے سجالیں۔

☆ شازیہ احمد۔ کراچی

STUFFED CHICKEN ROLL

اجزاء۔

مرغی	سینے (دو عدد)
Woester Sauce	آدھا چائے کا چمچ
نمک	1/4 چائے کا چمچ
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ

فیلنگ کے لیے اجزاء۔

چکن قیمہ	ایک کپ
شملہ مرچ	ایک عدد
نمک	1/4 چائے کا چمچ
انڈا	ایک عدد
کالی مرچ	1/4 چائے کا چمچ
ہری مرچ	4 عدد
مسٹرڈ پاؤڈر	1/4 چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ڈبل روٹی	ایک عدد (سلائس)
پیاز	ایک عدد (باریک کٹا ہوا)
لہسن	1/4 چائے کا چمچ (پیسٹ)
ادرک	1/4 چائے کا چمچ (پیسٹ)

ترکیب۔

مرغی کے سینے کو ہلکا ہلکا کوٹ کو چپٹا کریں اور نمک، کالی مرچ، Woester Sauce لگا کر 15 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ قیمہ میں اوپر دیے ہوئے

تمام اجزاء اچھی طرح ملا لیں۔ چیسٹ کے اندر قیمے کا مکسچر ڈال کر رول کریں اور دھاگے سے باندھ لیں۔ ایک ڈش میں چیسٹ رکھیں اور اوون پر 180 ڈگری سینٹی گریڈ پر 15 منٹ کے لیے بیک کر لیں۔ باہر نکال کر دھاگہ اتار دیں اور سلائس میں کاٹ لیں۔ ابلی ہوئی سبزیوں اور سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

☆ سعدیہ نور۔ حیدرآباد

قیمہ بھرے کریلے

اجزاء۔

کریلے	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچ
قیمہ	آدھا پاؤ (مشین سے پسا ہوا)
سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ (پاؤڈر)
گھی / آئل	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد (سلائس میں کاٹ لیں)

ترکیب۔

ایک پتیلی لیں اور اس میں تمام اشیاء اور گھی یا آئل، قیمہ، پیاز، نمک، مرچ پاؤڈر ڈال دیں۔ اس وقت تک پکائیں کہ پانی خشک ہو جائے۔ پھر پکے ہوئے قیمے میں گرم مصالحہ اور ہری مرچ شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں۔

ترکیب برائے کریلا

سب سے پہلے کریلوں کو چھیل لیں۔ پھر ان پر اچھی طرح سے نمک لگا کر انہیں ایک یا دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد انہیں چیر کر کریلوں میں تیار شدہ قیمہ بھر کر اسے دھاگے سے مضبوطی سے باندھ دیں۔ پھر کریلوں کو آئل یا گھی میں فرائی کریں۔

اب اسی آئل یا گھی میں ایک عدد چھوٹی پیاز کے سلائس فرائی کر لیں۔ جب ٹرانسپیرنٹ ہو جائے تو اس میں ادرک، لہسن (دونوں 2'2 چائے کے چمچ پیسٹ) ہلدی 1/4 چائے کا چمچ، پسا ہوا دھنیا ایک چائے کا چمچ، سرخ مرچ پسی ہوئی دو چائے کے چمچ، نمک آدھا چائے کا چمچ اور ٹماٹر دو عدد ڈال کر تھوڑے سے پانی میں اچھی طرح بھون لیں۔ جب مصالحہ تیار ہو جائے تو اس میں کریلے ڈال دیں اور بچا ہوا قیمہ بھی۔ پھر آدھا کپ املی کا جوس ملا کر دم پر رکھ دیں۔

☆ شافعہ۔ ملتان

جھینگے مرچوں کے ساتھ

اجزاء۔

جھینگے	آدھا کلو
ہری پیاز	چار عدد
آئل / گھی	ایک کھانے کا چمچ
پانی	آدھا کپ
لہسن	ایک گٹھی
چلی ساس	ایک چائے کا چمچ
ادرک	ایک ٹکڑا (لمبے لمبے کاٹ لیں)
ٹماٹو ساس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب۔

جھینگوں سے چھلکے اتار دیں بلکہ صرف سر علیحدہ کر لیں۔ دیگچی میں آئل یا گھی گرم کریں پھر اس میں لہسن، جھینگے، ادرک ڈال کر ملا لیں۔ جھینگوں کا رنگ جب بدلنے لگے تو اس میں ٹماٹو ساس اور چلی ساس اور پانی ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ پھر اوپر ہری پیاز ڈال کر گرم گرم نوش فرمائیں۔

☆ ناجیہ۔ کوٹ

میری پسند

انچارج۔نورالعین عینی

آپ اپنا یا اپنے پسندیدہ اشعار شائع کروانا چاہتے ہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ ورنہ اشعار شائع نہیں کیے جائیں گے۔ اگر آپ اشعار اپنی تصویر کے ساتھ شائع کروانا چاہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔ فحش اشعار شائع نہیں کیے جاتے۔ صرف ایک شعر یا قطعہ ارسال کریں۔

میری پسند۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور

اتنے قریب آؤ کہ جی بھر کے دیکھ لیں
شاید پھر ملو تو یہ ذوق نظر نہ ہو
ممکن ہے ایسا بھی وقت آئے تیری قربت وقت میں
دستک کو تیرا ہاتھ بڑھے مگر میرا در نہ ہو

ایس۔امتیاز احمد۔کراچی

کیا خبر تھی کہ یوں بھی ہونا تھا
بھائی سے دور بھائی ہو جائے

شاہد خان لودھی۔سعودی عرب

ہم ملے تھے شفیق آصف سے
تیری یادوں میں شعر کہتا تھا

شاہد مجید۔سعودی عرب

پیاس ہونٹوں پہ ہم تھی ان کے
روبرو جن کے بہتا دریا تھا

محمد الطاف۔بلوچستان

دامن دامن چھپنے والے
جانے کیوں مشہور ہوتے ہیں

ملک ارشد جاوید۔خوشاب

جن میں مر کا قطرہ بھی تھا
وہ سجدے منظور ہوتے ہیں

عشرت جٹ۔شمو بہاں شاہ

جینے کو جب سانسیں مانگو
سب سے پہلے آنکھیں مانگو

سید توصیف الدین۔سعودی عرب

ہم کو ہے یقین کامل وہ یہیں سے گزرے گا
راستے میں بیٹھے ہیں انتظار کرتے ہیں

مرید حسین گل۔شجاع آباد

بے چارے غریبوں کی کمائی تو یہی ہے
ان کچے گھروندوں میں دھواں جاگ رہا ہے

عبدالغفور شاہد۔شجاع آباد

جذبے ہیں مرے آج بھی اس بات کے شاہد
ہونٹوں پہ مرے حرف بیاں جاگ رہا ہے

نصرت جاوید وڑائچ۔پھالیہ کالج

اک عمر کی سوچوں نے تحقیق کیا جس کو
چھوٹی سی کہانی ہے چھوٹا سا فسانہ ہے

شاہدہ جٹ۔شمو ملتان

یزداں تیری دنیا میں کوئی مسکرانے نہیں دیتا
اور تو اور ہے یہاں کوئی اشک بہانے نہیں دیتا

نسیم حیدر بلوچ۔خوشاب

بعد مرنے کے میری جو تم کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا کہ ہونٹ ترستے خوشی کے لئے
عمر بھر کیسے بہا آنکھوں سے پانی لکھنا

محمد رفیق ـــــــــ نوشہرو فیروز

میری تشنگی پہ خمار آیا ہے
ان کی نفرت پہ پیار آیا ہے
زاہدو اب توبہ کو سنبھالنا تم
کر کے راحت سنگار آیا ہے

برکت علی ـــــــــ یزمان منڈی

میں انتظار کروں گا تیرا قیامت تک
خدا کرے کہ قیامت ہو اور تو آئے

وحید نواز ـــــــــ پیرودر

کیا لوٹ کر نہ آئے گا وہ رونق زندگی
کیا دن نہ ختم ہوں گے کبھی انتظار کے
بے کیف زندگی سے اکتا نہ جائے دل
آجاؤ ایک بار تو گیسو سنوار کے

منور حسین بٹ عاجز ـ لاہور

تو میرے پیار سے تسکین کی امید نہ رکھ
خواہش ٹوٹنے تاروں کے سوا کچھ بھی نہیں

اکمل حجاز کاشف ـ منڈی نوناوالی

ہجر کے ماروں کی خوشی تھی جاگ رہے ہیں پہروں سے
جیسے یوں شب کٹ جائے گی جیسے تم آجاؤ گے

طالب حسین ـ منڈی نوناوالی

یونہی مہکتے رہو میری محبت کے چمن میں نصیب
سدا رہے تیرا یہ انداز الفت میرے سنگ سنگ

میاں عطاء اللہ خان نی ـ ضلع گجرات

دو ہے مجھ کو گل سے لے کر بہار چمن میں کھلنا
کبھی تو کہتے ہیں تم فراق یار میں ڈوبا ہوا

چوہدری محمد نعیم اللہ خان ـ دھوریہ

دلوں کی الجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے

محمد رفیق ناصر ـ دھوریہ

بادل نے کل رات کو
مجھ کو روتے دیکھا تھا
یہ منظر اس کو اتنا بھایا
رات سے پانی برس رہا ہے

سہیل بٹ ـ منڈی نوناوالی

بچھڑنے سے پہلے سوچا تھا گلے ملیں گے تم سے
زمانے کے دستور ایسے ہم مل نہ سکے لوگوں میں
مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

ایم نواز شاہین جھنگوی ـ کراچی

کانٹے چبھنے والے کو دیکھ کر دل کی ٹھنڈی آہ نکلی
جب اس نے قلب اترا تو گل صیاد نکلی
اسے ملی نہ ایسے گل بچھڑا ہم نے تیرا کیا
چمن میں سیر کرنے وقت نہ گھر تھا تو نہ میرا

محمد عثمان ـ پڑوان شرقی

وہ لوٹ کر آئے گا ہے مجھے یقین
گھر خالی ہے میں اور یہاں کوئی نہیں

عبدالعزیز خان ـ ٹمن خیل

بنانے کو تو مصور نے بنادی ہے اک تصویر
سوچتا ہوں کہاں دیکھ لی اس نے میرے خوابوں کی عروس

شریفاں بی بی ـــــــــ پاک پتن

غم دل میں پالتے ہیں
ان سے کہہ کر بھی کچھ نہیں کہتے
اس نے آنا بھی نہیں یارو
پھر ہیں منتظر کیوں رہتے

عمران وقار وگھڑی۔لاہور

دامن دل میں کوئی پھول نہ مہکا اب تک
کچھ جو نکلتے ہیں تو زخموں کے نشان ملتے ہیں

کوئی ہمدرد زمانے میں نہ پایا ہم نے
حسرت ہی رہی کوئی ہمارا بھی ہوتا

ایچ۔کے بھیروی مظفر گڑھ

ہونے نہ پائے کبھی داستان وفا
تمام عمر گزر جائے گفتگو کرتے کرتے

نزہت یاسمین نازو۔فیصل آباد

پرورش پائی ہے جس گھر میں محبت میری
میں عقیدت سے اسے تاج محل کہتا ہوں

الفت کاظمی۔تری خیل

خوشبو کے جزیروں سے تاروں کی حد تک
اس شہر میں سب کچھ ہے صرف تیری کمی ہے

ساجد شر خیل۔ڈیرہ غازی خان

اسی مقام پہ کل مجھ کو دیکھ کر تنہا
بہت اداس ہوئے پھول بیچنے والے

وقار نیازی۔تری خیل

جس قدر راکھ کریدوں ہیں بکھراں اپنی
اور بچھڑے ہوئے لوگوں کی محبت جاگے

رفعت سارو ج۔لیہ

برباد ہوا ہے میرے نقصان کا سودا
کہنے کو ہمیشہ سے میں انمول رہی ہوں

مس ممتاز بیگم۔مانکٹ

خدا حافظ میری توبہ کا زاہد و اب
کر کے وہ محشر جمال بار وستگار آیا ہے

حمزہ چوہدری۔لیہ

کبھی گل کی کبھی گلستان کی بات
کرتے ہیں یوں دل بہلانے کی بات
ہوش والوں کی بھی کوئی سنتا نہیں
راحت سنے گا کون دیوانے کی بات

ثناء اللہ خان نیازی۔نوشہرہ

بکھرے ہوئے ہیں عہد وفا کے
بنے ہیں مجرم اک بے وفا کے
جرم الفت تو کر بیٹھے ہیں یارو
اب منتظر ہیں ان سے سزا کے

⁕ توقیر احمد عنبیا ------- جھنگ

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں
کیسی تصویر بنائی ہے میرے دل کو بہلانے کے لئے

⁕ محمد نعیم ------- نوشہاب

وہ آتے ہیں تو دل میں کچھ کسک معلوم ہوتی ہے
میں ڈرتا ہوں کہیں اس کو محبت تو نہیں کہتے

مرید عباس۔بھکر

جب بھی تنہائی میں آواز سنی ہے دل کی
تجھ کو دھڑکن سے بھی کہیں نزدیک پایا
کبھی کبھی سفر زندگی سے تھک کر ہم
تیرے خیال کے سائے میں بیٹھ جاتے ہیں

کنول۔میانوالی

جب عہد شباب آتے ہیں
اپنوں سے بھی حجاب آتے ہیں
جوانی کے طوفانوں میں راحت
کئی دلوں پہ عتاب آتے ہیں

★ محمد رمضان ---- ملتان

نہ چلتی تیز ہوائیں نہ گرتے پھول بہاروں کے
نہ ٹوٹے ہم یوں کبھی نہ بچھڑتے اپنے یاروں سے
وہی شام غم کا عالم وہی منتظر نگاہیں
میں ازل سے تک رہا ہوں تیری واپسی کی راہیں

مسیح اللہ میر۔شیخوپورہ

اک نظر ڈال کبھی میرے تڑپتے دل پہ یار
دل کے ٹکڑوں پہ نظر آئے گی صورت تیری
ایک جھلک بھی لگانے کا تو لٹ جائے گا
تو میرے شہر میں آیا ہے تو بازار نہ دیکھ

★ عبدالکریم ------ چشتیاں

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

محمد انور مرزا مرحوم۔لاہور

اب تو اکثر میں تنہا رہتا ہوں
اپنے خوابوں میں کھویا رہتا ہوں
پیاس جذبات کی بجھانے کو
زہر چاہت کا پیتا رہتا ہوں

★ پرویز احمد ------ ہزارہ

آنکھیں ہی ملاتی ہیں زمانے میں دلوں کو
انجان ہیں ہم تم اگر انجان ہیں آنکھیں
آنکھوں سے بڑی کوئی ترازو نہیں ہوتی
تلتا ہے بشر جس میں وہ میزان ہیں آنکھیں

★ شمس الدین ------ قصور

کب رات ڈھلے گی کب تم آؤ گے
میرے زخموں پہ راحت مرہم لگاؤ گے

ساجد نیازی۔ڈیرہ غازی خان

یقین تھا دل کو کہ تم کو بھی پیار ہے مجھ سے
یہ اور بات کہ دل ہی فریب کھا جائے

ایم یاسین۔ڈی جی خان

قبول کر میری عاجزی تیرا کرم باکمال ہے
تیری ایک نظر کی بات ہے میری زندگی کا سوال ہے
لکھ لکھ کر طالب کا نام زمین پہ مٹا دیا
اس کا مذاق تھا مجھے خاک میں ملا دیا

طالب حسین پردیسی۔فاروق آباد

میں بہت چاہتا تھا کہ اصولوں کا دامن ہاتھ سے نہ
چھوٹے مگر یاروں زندگی نے ہر گام پہ چوٹ قیامت

ضمیر احمد ضمیر۔لاہور

کی ماری اخلاق کو نہیں رہتا بجلیاں گرانے کا سبب
وہ سیاہ لاکھ بچھ گرا کر بھی پہ گرا کرتی ہیں

★ شعیب احمد خان ------ بہاولپور

میرے بغیر آپ تو رہتے تھے ہر دم بے قرار
کیسے کہ آج میری ضرورت کہاں گئی

★ محمد یونس ------ راجن پور

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ مت پوچھو جو بیٹھے ہیں
انہی پہ جان جاتی ہے انہی پہ دم نکلتا ہے

★ ساجد وفائی ------ چونیاں

زمانے میں کوئی منزل تو تجھے مل گئی ہو گی
ہمیں انجان راہوں پہ روانہ کر دیا تو نے

عابد محمود۔ملکہ ہانس

زندگی یوں تو ہمیشہ سے پریشان سی تھی
اب ہر سانس گراں بار ہوئی جاتی ہے
وفائیں کر کے اے ہمدم تو ایسے غم اٹھائے
لرز جاتا ہوں جب کوئی وفا کا نام لیتا ہے

ایم نواز شاہین نقشبندی۔ کراچی

بات کرتے ہیں تو باتوں میں مزا دیتے ہیں
منزل راہوں کے مجھے راہ دکھا دیتے ہیں
اب یہ عالم ہے ہمارے بھی جنون کا راحت
چاہتے ہیں تجھے ہم لیلیٰ بنا دیتے ہیں

فیضان حسین عثمانی۔ حیدرآباد سندھ

ہر پھول کی قسمت میں کہاں ناز عروساں
کچھ پھول تو کھلتے ہیں مزاروں کے لیے

امتیاز ساجن۔ نوشہرہ ورکاں

اگر یہ دل پتنگ ہوتا تو اڑاتا غم کی ڈوروں سے
عشق کے پیچھے کٹواتا حسن والوں سے

★ زاہد محمود ------ جڑانوالہ

زمانے میں کوئی منزل تجھے تو مل گئی ہوگی
ہمیں انجان راہوں پہ روانہ کر دیا تو نے

★ اعجاز احمد ------ چونگی

تیری ہر چاپ سے جلتے ہیں خیالوں میں چراغ
جب بھی آئے تو جگاتا ہوا جادو آئے
تجھ کو چھو لوں تو اے جان تمنا مجھ کو
دیر تک مجھے اپنے بدن سے تیری خوشبو آئے

★ اختر حسین ------ تونسہ شریف

کوئی تو شہر میں میرا ہمنوا ہوگا
جو میرے لیے راتوں کو جاگتا ہوگا
ہے اشتیاق کہ دیکھوں میں اک نظر تجھ کو
بچھڑ کے حال تیرا نہ جانے کیا ہوا ہوگا

معراج علی خان۔ گلگت

راستہ اب کچھ نہ رہا کوچہ دلبر
یارو مجھے چلنے کی ادا سکھا دو

ارشد علی ارشد۔ مغربی ترتوپ

ارادہ ترک محبت کر تو لیا مگر
وعدے دیر سے یاد وہ پھر آنے لگے

★ ایم حنیف ------ نواب شاہ

نہ اپنوں کی نگاہوں میں پرائے ہوتے
نہ بے درد کی باتوں میں آئے ہوتے
شکایت ہم کو تم سے اتنی ہے اشرف
جو عہد کئے تھے کاش وہ نبھائے ہوتے

غفار احمد بھٹی۔ لاہور

بھول جانے کا تجھے کیسے تصور کر لوں
میری ہر پل سے لپٹی ہیں یادیں تیری

★ ظہور احمد ------ ضلع دادو سندھ

نیلام ہوئے کئی بار تیرے لئے صنم
قیمت ملی ہر بار آنسو اور زخم

★ محمد ایمان ------ بانگ کاٹک

شہر تیرا تھا روپ نگر اب یاد نہیں
تیری گلی کی راہ گزر اب یاد نہیں
فرصت میں دن بیت رہے ہیں اے یارو
راحت کے وہ شام و سحر اب یاد نہیں

★ محمد شہباز ------ مظفرگڑھ

وفانا دیکھ بھال کے مجھ غم زدہ کی لاش کو
لپٹی ہوئی کفن سے کوئی آرزو نہ ہو

مدیحہ گڑیا۔ گوجرانوالہ

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست

نصرت مثنوی بہار شریف، رام نرائن انیجہ، اقبال کیسٹ، عمران خان نیتی تال، اسے علی۔ برہانپور
گلفام حبیب دہلی۔

حسرتِ دیدار پردہ بن گئی دیدار کا
شوق کمبخت ہی رہا جی بھر کے صورت دیکھیے

جمال وارثی اکبر، محمد حنیف شیر کوٹ۔

محبوب خدا کے جلوؤں سے ایمان کی آنکھیں روشن ہیں
بے دیکھے ہی جب یہ عالم ہے دیدار کا عالم کیسا ہوگا

معین ناقد کول، جنون توی، منشی عبد الرحمن پٹھان کوپر گاؤں، رشیدہ جمال بھوساول۔

جب نظر آ سبب ہے جو دیدار کے لیے
آنکھوں میں شوقِ دید کے تیور ہی لے چلیں

فیض الاسلام انصاری مبارک پور، محمد تابش مبارک پور۔

کچھا تھے وہ بے حسرتِ دیدار تے دھوکے
وہ سامنے بیٹھے ہیں یقیں ہم کو نہیں ہے

عزیز ادیبی حیدرآباد، اقبال احمد انصاری زدو بار۔ محمد نظام بھاگلپور، محمد نعیم رضا صدیقی گنج ڈنڈواره، ابو شعیب مالیگاؤں۔

یاں سے آنکھ جو جھپکی تو توقع سے کھل
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

عزیز ناظر حیدرآباد، محمد شکر اللہ مبارکپور

کون کی چاہت جہاں جلوۂ معشوق نہیں
شوقِ دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر

زکی عالم قریشی مبارکپور، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی محمد آباد گوہنہ، محمد عزیز الرحمن گنج۔

ہر چند دل کو ترکِ محبت کا تھا خیال
لیکن کسی کا عہدِ وفا یاد آ گیا

سید مسعود جاوید۔ ٹانڈہ

یہ کیا کیا کہ سرِ بزم رو رہے تم بھی
وقارِ غم کا ذرا تو خیال کرنا تھا

جاوید اختر۔ برہانپور

حریم کعبہ بتاری وہ سرزمیں میں نے
ترے خیال میں رکھ دی جہاں جبیں میں نے

عامرہ طالب۔ مراد آباد

ایسے بھٹک گئے تھے خود اپنے خیال میں
پہروں کسی کی یاد ہمیں ڈھونڈتی رہی

صبا پروین۔ مراد آباد

ان کا خیال آتے ہی نہ جانے کیا ہوا
ہم ایسا ان میں کھو گئے کہ تصویر ہو گئے

محمد اسلام قریشی۔ رام پور

یوں کس طرح کٹے گا کڑی دھوپ کا سفر
سر پر خیالِ یار کی چادر ہی لے چلیں

ایم سعید۔ راجوری

خیالِ یار کبھی ذکرِ یار کرتے رہے
اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے

کیول کرشن۔ ڈوڈہ

اپنا بہت خوب ہے تجدیدِ محبت کا خیال
لیکن اس کھیل کے انجام میں کیا رکھا ہے

نشاط افروز۔ نگینہ پور

وہ تو بولے کہے سرگشتہ خیال آ ہی گیا
ہاتھ جا پہنچا تھا دامان کے اُن کے قریب

محمد یوسف۔ میرٹھ

اے دل خیالِ ترکِ تمنا بجا سہی
لیکن بیاں کی بات نہ جانے بیاں سے دور

نسیم اختر۔ مئو

غزلیں' نظمیں

انچارج۔ معیزہ سحر

آپ اپنی یا اپنی پسندیدہ غزل' نظم' حمد' نعت شائع کروانا چاہتے ہیں تو 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں۔

انچارج غزلیں نظمیں۔ ماہنامہ سچی کہانی 29 حبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



غزل

ہم سے تو ویسے نہیں بولتے ہو

محبت ہماری ختم ہو گئی ہے

پہنچے نہیں ہیں وہ مکتوب جلدی

شعلائے محبت مدھم ہو گئی ہے

محبت عجب شے زمانے میں دیکھی

بڑھی جو زیادہ تو کم ہو گئی ہے

محبت کی راہوں میں منزل نہیں ہے

ہے منزل تو ایسی کہ گم ہو گئی ہے

راہ محبت ہے دشوار کتنی

کہ دنیا سراپا ختم ہو گئی ہے

مگر بات ایسی بتائی ہے اس نے

زندگانی ہماری ہم ہو گئی ہے

☆ احمد حبیب قیصر۔ لاہور

غزل

ساجن اس بے وفا کو میں بھلاؤں کیسے

لگی ہے آگ جو دل میں بجھاؤں کیسے

میں شاعر ہوں دیوانہ ہوں مت کرو مجھ پر ستم

محبت کے دشمنوں کو یہ بات سمجھاؤں کیسے

اشک تو بہا چکا ہوں عشق میں لوگو!

پتھر نہ مارو اب آنکھوں میں آنسو لاؤں کیسے

تیرے ہجر میں پل پل ٹوٹنے کے قہر مجھ پر

میرے حسین چاند! تیری گلی کو چھوڑ کر جاؤں کیسے

یہاں میں آیا ہوں تجھ پہ فدا ہونے کے لیے

شمع یہ نہ سوچ اپنے پروانے کو بھلاؤں کیسے

میرے زخموں کو ملے گے اور زخم

سپنوں کی نگری کر دوں راکھ جلاؤں کیسے

☆ ساجن انصاری۔ شاہدرہ لاہور

غزل

اپنوں سے منہ موڑ کے جایا نہیں کرتے

اے میرے ہمسفر! دل کسی کا دل دکھایا نہیں کرتے

راہ میں لاکھ ہوں دشواریاں زمانے کی
دامن پھر کسی سے یوں چھڑایا نہیں کرتے
دوستی ہی میں اعتماد کو پھر بحال رکھنا
اپنے ہی یاروں کو یوں آزمایا نہیں کرتے
دنیا ہے دوستو! فانی مرنا ہے یہاں سبھی نے
دشمن کی موت پہ خوشیاں منایا نہیں کرتے
غم کے ماروں کی آہ تو جاتی ہے عرش پہ
مشکل میں دیکھ کے کسی کو مسکرایا نہیں کرتے
بڑھتے ہوئے طوفانوں کا رخ موڑ دیں
مشکل حالات میں آندھیوں سے گھبرایا نہیں کرتے
جاوید ہماری دشمنی ہو جاتی ہے زمانے سے
اس واسطے گھروندے ریت کے یوں بنایا نہیں کرتے
☆ محمد اسلم جاوید۔ فیصل آباد

آزاد نظمیں

(1)

ایک بار
اس نے ہمیں
مسکرا کر
کیا دیکھا
تو
میرے دل نے یہ آرزو کی
کہ
کاش...... یہ لمحہ
یونہی ٹھہرا رہے

(2)

اے حسن کی دیوی!

تم
ایک قاتل ہو
کیونکہ
تمہاری اک اک ادا نے
کئی عشاق کا
قتل کیا ہے
☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

دارارقم سے گیلانی ہال تک

19 اپریل 2014ء اور دن ہفتہ کا تھا
دارارقم والوں نے گیلانی ہال میں پروگرام رکھا تھا
پونے دس بجے صبح اس کا آغاز ہوا تھا
شروع ٹیچروں کی آمد کا سلسلہ تھا
میرا دلبر بھی ان میں شامل ہوا تھا
چاند کا وہ ٹکڑا لگ رہا تھا
فیروزی قمیص اور دوپٹہ سفید رنگ کا تھا
اسے دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا تھا
ایسے عالم میں وہ قیامت ڈھا رہا تھا
بجلیاں میرے دل پہ گرا رہا تھا
نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا
میں خیالوں میں اس کے کھو گیا تھا
ختم تین گھنٹے بعد وہ پروگرام ہوا تھا
تب میرے انتظار کا اختتام ہوا تھا
واپسی پہ اس کا انداز بہت نرالا تھا
مجھے اس نے سحر زدہ کر ڈالا تھا
سب ٹیچروں میں وہ حسن کا شاہکار تھا
میرے دل کی وہ پکار تھا

محبت کے پھول نچھاور کرنے کو دل مچلا تھا
اسے پیار کرنے کو دل مچلا تھا
چاند کی طرح روشن اس کا مکھڑا تھا
حقیقت میں وہ میرے دل کا ٹکڑا تھا
دن ڈھلتا ہے رات ہوتی ہے
میرے لبوں پہ تیری ہی بات ہوتی ہے
میرے پیاسے من کو سیراب کر دے
دور مجھ سے تنہائی کا عذاب کر دے
الٰہی ! دل سے نکلی دعا تو قبول کر
ابراہیم کے مقدر میں وہ پھول کر
19 اپریل 2014ء اور دن ہفتہ کا تھا
دارارقم والوں نے گیلانی ہال میں پروگرام رکھا تھا
☆ محمد ابراہیم کھوکھر۔ جھمرہ سٹی فیصل آباد

غزل

تب سے اُس کا چرچا ہے
جب سے میں نے دیکھا ہے
آنکھیں رکھتا ہے قاتل
کتنا بھولا چہرہ ہے
اُس نے لکھا پیشانی
میں نے لکھا سجدہ ہے
صحرا سے جو ملتا ہے
وہ تو پاگل دریا ہے
میرے قدموں کا پیاسا
میرے گھر کا رستہ ہے
خط جو لکھا ہے میں نے
اپنے نام ہی لکھا ہے

دریا میں وہ دریا تھا
تنہا ہے تو قطرہ ہے
اس کے تاج و تخت مراد
میرا ٹوٹا کاسہ ہے
☆ رحمان امجد مراد۔ سیالکوٹ

غزل

تمہاری پلکوں پہ تارے دکھائی دیتے
ہم میں ڈوبے شرارے دکھائی دیتے
نہ جانے آج کس نے دریچے سے صدا دی
فضا میں ہر سو اشارے دکھائی دیتے
وہ پا ہی لیں گے بہت جلد اپنا ہوش
جو چشم غیر کے مارے دکھائی دیتے
کسی کے جانے سے یوں حالت ہو گئی کیوں
بجھے بجھے سے نظارے دکھائی دیتے
سکوں کسی کو بھی میسر نہیں زمانے میں اے نبیل
پریشان حال ہی سارے دکھائی دیتے
✪ محمد حنیف۔۔۔۔۔۔۔میرپور(AK)

غزل

سے سے بچھڑتے ہیں کارواں اب کے
جاگتے ہیں کرتے ہیں قیام جہاں اب کے
خوف لمحے کا دھواں بن کر تعاقب میں ہے
راحت ہوں کیسے یہ عشق کو رواں اب کے
یاد اس کی آتی ہے جس کو بھلا دیا جائے
وہ خیال بن جاتا ہے جو دل سے نکال دیا جائے
تیری یاد سے وابستہ ہے میری زندگی
راحت اس بے وفا کو بتا دیا جائے
ساجد شرفیل۔ ڈی جی خان

غزل

بہت سنجیدگی میں چوس لیتی ہے لہو ال کا
اسی خاطر تو ہم زندہ دل کو پیار کرتے ہیں
عرصہ زیست کی خاموش گزر گاہوں میں
اجنبی آتے ہیں ملتے ہیں چلے جاتے ہیں
صفحہ دہر پہ رہ جاتے ہیں یادوں کے نقوش
وقت کے ہاتھوں جو بنتے ہیں بگڑ جاتے ہیں
ایم حسن ہابل مظفر

غزل

جگر ہے پاش پاش آنکھیں بھی ہیں پرنم
بچھڑ کے تجھ سے کیا حال ہو گیا دیوانے کا
میری کہانی تو شاید سن لے یہ سب دور زمانہ
پر کیا ہو گا ہرجائی ناز تیرے افسانے کا
دل کا نگر لوٹنے والا ستم ظریف
یادوں کو چھوڑ کر اپنی ہر چیز لے گیا

محمد صادق۔۔۔۔شاہ جیوانہ ضلع جھنگ

پاکستانیوں کے نام

یہاں اپنوں سے کوئی کام نہ پڑے یارو
ہمیں معلوم ہوا آہستہ آہستہ وقت گزر جانے کے بعد
بڑی خوش قسمتی سے ملتی ہے یاری یہاں یارو
یہاں اپنے تو چھوڑ جاتے ہیں آدھے راستے میں
شروع میں تو ہم کو رلا دیا دنیا نے
قسمت کی ہے بات مالک اچھا ملا ہے ہم کو
ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی ہو جائے گا ہمارے ساتھ
یہاں ہر پاکستانی اک دوسرے کو لوٹتے ہیں ہاتھوں ہاتھ
کہیں بھی کام کرنے سے پہلے تنخواہ پوچھ لو
ورنہ مالک لڑتا ہے مہینہ گزر جانے کے بعد
محمد عقیل۔دبئی

غزل

تتلیاں جھک جاتی ہیں ہماری
ان پہ کسی کو بٹھاتے کیسے
ان کے ساتھ خون بھی آتا ہے
اشکوں کو ہم بہاتے کیسے
سوکھی ٹہنی کی طرح اک جسم
ہجر کی پوشاک پہناتے کیسے
خون کسی کا شامل نہیں جب
پھول چمن میں کھلکھلاتے کیسے
اس کی تپش میں جلے پروانے
شمع کو گھر میں جلاتے کیسے
کانٹوں کی ان گنت قطاریں
اپنے آشیانے کو آتے کیسے
بے کشش اس کی ہر اک چیز
بستی دل کو ارشد سجاتے کیسے
ارشد ظفر ارشد۔اٹک

غزل

بھلا کس طرح ہو تسکین غم دل تیرا ٹھکانہ
انہیں محلوں کا طالب جو جلا دیں آشیانہ
تجھے طلب کا شوق رکھنا یہاں لوٹنا ہے شیوہ
بڑی خود غرض ہے دنیا بڑا بے وفا زمانہ
ابھی میں سمجھ رہا تھا کہ میں ہی ہوں مبتلائے عشق
ملا ہر نظر میں دل کو وہی غم وہی فسانہ
کہیں سے پھر سسک اٹھے ہیں وہی درد کے تقاضے
ہوا وحشتوں کو حاصل وہی سنگ آستانہ
میرے پاس کیا بچا ہے میرے پاس کیا رہا ہے
کر چکی ہے لوٹنے پھر مجھے گردش زمانہ
کرو کوئی لب تغیر کہ ہے شوق دید عاجز
وہی ایک سا تکلف وہی ایک سا بہانہ
یہیں مل سکا ہے بسمل یہاں رہتی خلب کو
کوئی موت کا مسافر کوئی ہو گیا دیوانہ

ملک محمد نواز۔۔۔۔۔شرقپور شریف

نعت شریف

شہا تیرے کرم کے طلبگار ہم بھی ہیں
عاصی ہیں پر خطا ہیں گنہگار ہم بھی ہیں
تیری تجلیوں کی تمنا ہمیں بھی ہے
تیری عنایتوں کے طلبگار ہم بھی ہیں
جس آستان عشق پہ شاہوں کے سر جھکے
اس آستاں کے طالب دیدار ہم بھی ہیں
ہم کو بھی اپنے لطف و کرم سے نواز دے
تیرے غلام تیرے وفادار ہم بھی ہیں
جاوید جس کا ایک زمانہ اسیر تھا
اسی زلف مشکبو کے گرفتار ہم بھی ہیں

محمد یوسف۔۔۔بھائی پھیرو (پھول نگر)

غزل

امتحاں بھی آئے گا کبھی سوچا نہ تھا اے ظہور
لٹ جائے گا تیرا سب کچھ ہو جائے گا تو مجبور

کچھ کام نہ آیا تیرے جس پہ ناز تھا تجھے
نہ پوچھا زمانے نے تو گنہگار ہے یا بے قصور

کس کو کہیں اپنا کس کو سنائیں دل کا حال
چھوڑ گئے مشکل میں مجھے اپنے دشمن ہوئے مسرور

ظلم کے تیروں کو کسی نے نہ روکا اب تلک
بدن ہے زخمی سینہ ہے چھلنی دل ہے چور چور

چھوڑ دے سب جھوٹی رسمیں اس ظالم دنیا کی
توڑ کے ناطے دنیا سے جھک جا خدا کے حضور

ظہور احمد ڈانجن۔ فیصل آباد

غزل

رہ وفا میں وہ مجھے تنہا چھوڑ گیا
دے کے فریب محبت مجھے روتا چھوڑ گیا
اس سے بڑھ کے کیا ہو گا چارہ گری کا دکھ
درد کا مسیحا زخموں کو رستا چھوڑ گیا
ترک کر کے وہ رہ رسم و وفا کی
میری وفا کے چراغوں کو جلتا چھوڑ گیا
افکار جگر کو درد ہی درد دے کے
دل تباہ کو سسکتا اور تڑپتا چھوڑ گیا
خود تو ہو گیا وہ غیروں میں شامل
میری تمناؤں کو سسکتا چھوڑ گیا
دل بسمل تو اب بھی اسی کو پکارتا ہے
ہجر کے صحرا میں جو بھٹکتا چھوڑ گیا

محمد رفیع۔۔۔۔۔۔۔بورے والہ

وطن کے سپوت

سنا ہے
اب سے پہلے
کبھی باغ و بہار تھی دنیا
اور
طالب علم تھے بہت روشن دماغ اس کے
اب
مدارس سے نکلنے والے
ہیں
علم سے دور
اسلحے کی ڈگری تھامے
پہنچ گئے ہیں
محبت بھرے باغیچوں میں
جہاں
گلاب بھی اب

خوں کے آنسو روئے گا
چڑیاں آئیں گی
اور
بین کریں گی
ہائے!
کس ظلم زدہ نے یہاں بسیرا کیا؟
سوچتا ہوں
ہیں کہاں وہ لوگ
جو یہ کہتے تھے
کبھی باغ و بہار تھی دنیا

سبطین جاوید۔ لاہور

غزل

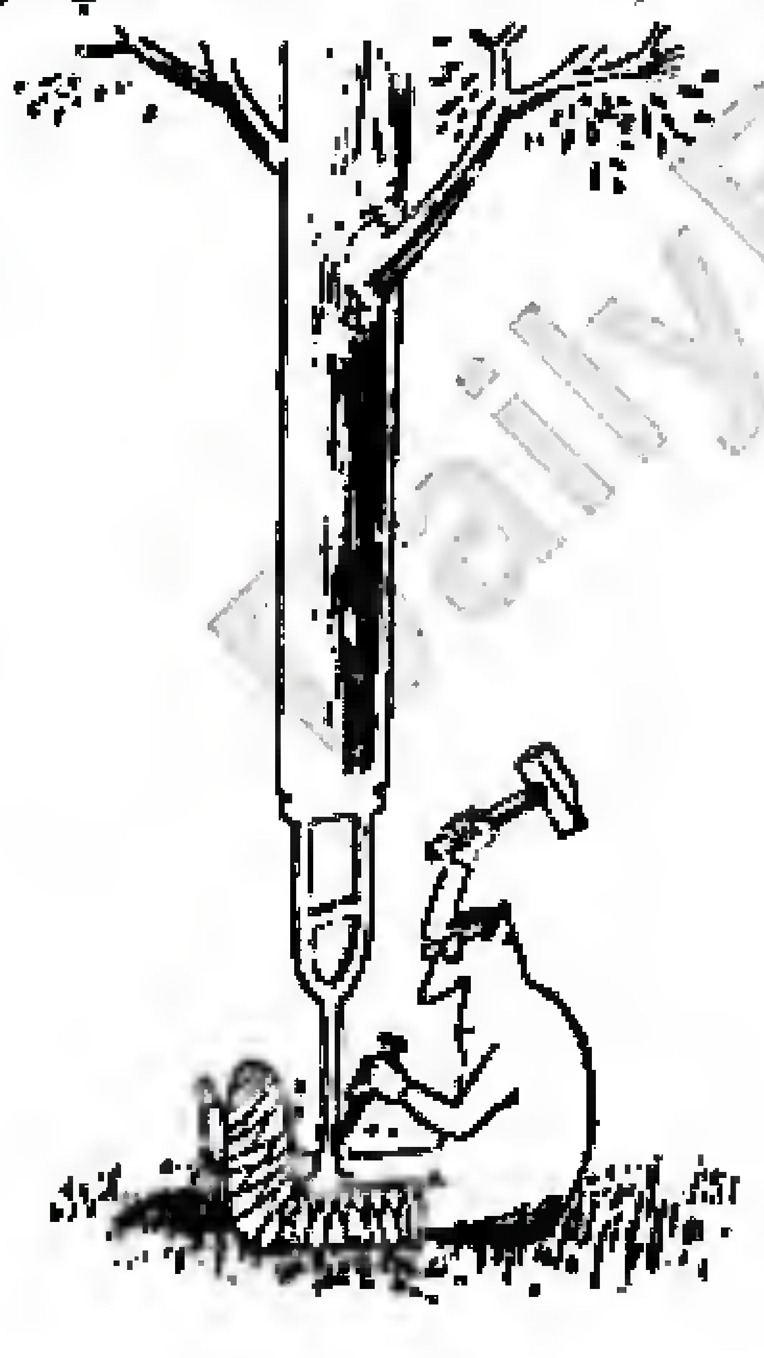
خسارہ ہے تو دنیا دیکھنے میں
مگر کتنا ہے اچھا دیکھنے میں
حقیقت سے بھی آگے بڑھ گیا ہے
بظاہر تھا جو قطرہ دیکھنے میں
کنارے کاٹتا جاتا ہے پل پل
بہت معصوم دریا دیکھنے میں
نہ دیکھا اس کو جس کو دیکھنا تھا
گزاری عمر کیا کیا دیکھنے میں
ملے ہیں دیکھئے کچھ لوگوں کو تمغے
جو تھے کچھ لوگ رسوا دیکھنے میں
وہ دنیا دار بھی عیار بھی ہے
نظر آتا ہے تنہا دیکھنے میں

ڈاکٹر اسعد بدایونی
شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ (یوپی)

نعت بحضور فخرِ انبیا محمد مصطفیٰ ﷺ

اگر اے نسیمِ سحر ترا ہو گزر دیارِ حجاز میں
مری چشمِ تر کا سلام کہنا حضورِ بندہ نواز میں
تمہیں حدِ عقل نہ پا سکی فقط حال اتنا بتا سکی
کہ تم ایک جلوۂ راز تھے جو نہاں ہے رنگِ مجاز میں
نہ جہاں میں راحتِ جاں ملی نہ متاعِ امن و اماں ملی
جو دوائے دردِ نہاں ملی تو ملی بہشتِ حجاز میں
عجب اک سرور سا چھا گیا مری روح و دل میں سما گیا
ترا نام ناز سے آ گیا مرے لب پہ جب بھی نماز میں
کروں نذر نغمۂ جاں فزا میں کہاں سے اختر بے نوا
کہ سوائے نالۂ دل نہیں مرے دل کے غمزدہ ساز میں

سرور حسین ---------- راولپنڈی



"بیٹی میری حیاء کر"

عورت بنا کے تجھ کو --- اللہ نے دی ہے عزت --- عزت بچا کے اپنی --- پردے میں رہا کر

ہو جس میں تیرا بھلا --- علم و ہنر کی خاطر --- پردہ نہ تو ہٹانا --- یہ حکم ہے خدا کا --- غیروں سے چھپا کر

بیٹی میری حیاء کر

تو باپ کی ہے عزت --- بھائی کی تو ہے غیرت --- دونوں سے تو وفا کر

بیٹی میری حیاء کر

بے فائدہ بے [illegible] --- پھرنا نہیں ہے اچھا --- دونوں سے تو وفا کر

بیٹی میری حیاء کر

چادر ہی تیری عزت --- برقعہ ہے تیری حرمت --- پردے کو چھوڑ کے تو --- حرمت نہ یوں تباہ کر

بیٹی میری حیاء کر

پردہ تھا سیدہ کا --- جس کی کنیز تو ہے --- بی بی سے کر لے الفت --- پردے میں تو رہا کر

بیٹی میری حیاء کر

ہے شان تیری چوٹی ہے آن تیری چوٹی --- پہچان تیری چوٹی --- چوٹی کٹا کے شامل --- مردوں میں نہ رہا کر

بیٹی میری حیاء کر

چوٹی کو تو کٹا کے --- بھنووں کو تو منڈا کے --- چہرہ نہ بدنما کر --- اللہ کے دین کو تو --- تبدیل نہ کر

بیٹی میری حیاء کر

مسلم کی تو ہے بیٹی --- مسلم کی تو بہن ہے --- مسلم کی ماں بنے گی --- خود مسلمہ بنا کر

بیٹی میری حیاء کر

بے پردہ ہوئی ہے --- لڑکی یہ کیا گلہ ہے --- ماں باپ کی خطا ہے --- خود فکر کر لیا کر

بیٹی میری حیاء کر

ایسا بھی ہم نے دیکھا --- اماں کا سر ڈھکا تھا --- بیٹی کا سر کھلا تھا --- ایسی نہ تو خطا کر

بیٹی میری حیاء کر

انگریزیت کو اپنے --- دل سے نکال دے تو --- انگریزیت کی خاطر --- دین کو نہ فنا کر

بیٹی میری حیاء کر

کیا رب بھول گیا ہے--- یا دین بھلا دیا ہے--- کیا غم دے دیا ہے------

کوکب کی دعا ہے--- خالق کی بارگاہ میں--- ہر بیٹی ہر بہن کا-----

بے پردہ نہ پھرا کر

بیٹی میری حیاء کر

پردہ رہے سلامت

بیٹی تو بھی یہی دعا کر

بیٹی میری حیاء کر

مظہر علی ---------- بہاولپور

غزل

کتنے نہ جان سوچ سمجھ کر خرید لے
سکے کہیں گے کل کیا پتھر خرید لے
ظالم مرے ضمیر کا مت مول بھاؤ کر
ہاں تیرے بس میں ہو تو مرا سر خرید لے
جس کی برہنگی کے ہیں چرچے گلی گلی
وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ چادر خرید لے
یہ شہر ارتقا ہے یہاں دوپہر میں بھی
ہیں دستیاب شام کے منظر خرید لے
مٹ جائے تشنگی یہ ضروری نہیں ریاض
چاہے خریدنے کو سمندر خرید لے

ریاض الدین رضوی



ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

ساجن کے آنسو

گیت

یہ تیرا حسن یہ انداز خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں جذبات خدا خیر کرے

تم بہاروں سے حسین ہو
آبشاروں سے حسین ہو
ان نظاروں سے حسین ہو
بہکے بہکے سے ہیں لمحات خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں ....

اپنے گیتوں میں میرے
گیت بھی شامل کر لو
اس کے بدلے میں میرے
پیار سے دامن بھر لو
قبول جاناں میری بات خدا خیر کرے

میری باہوں میں سما
روٹھ کے جانے والے
روٹھتے ہم سے رہو
ہم ہیں منانے والے
کرو ہم پہ یہ عنایات خدا خیر کرے
آج بے چین ہیں ....

عنایت ثنالی

محرومیت

یہ شمع جلی تو اس کا جلن دیکھتے رہے
اٹھتے ہوئے دھوئیں کا چلن دیکھتے رہے

بچپن تھا اشکبار جوانی تھی سوگوار
پیری میں آرزو کی تھکن دیکھتے رہے

روشن جہاں تھا ہم پہ تھی تاریکیاں محیط
تقدیر کا فریب و فسوں دیکھتے رہے

خفتہ تھی نظر رت بہاروں کا دور تھا
حسرت بھری نظر سے چمن دیکھتے رہے

کس جرم کی سزائیں ملی ہم کو زندگی
کیوں عمر بھر یہ رنج و محن دیکھتے رہے

شکوہ کیا تو زد میں گناہوں کی آگئے
سینے میں زندگی کی چبھن دیکھتے رہے

کچھ ہم کو مل سکا نہ تیری مصلحت کا راز
بربادیوں کو زیب تن دیکھتے رہے

سید ضرغام حسین
نیو کیمپس، لاہور

گلستان

انچارج ۔ روبینہ کوثر

اس عنوان کے تحت اقوال زریں اور معلوماتی تحریریں شائع کی جاتی ہیں ۔ ہر تحریر کے ساتھ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں ۔ ورنہ آپ کی تحریر شائع نہیں کی جائے گی ۔ اگر آپ اپنی تحریر کے ساتھ تصویر شائع کروانا چاہتے ہیں تو 30 روپے کے ڈاک ٹکٹ ہمراہ ارسال کریں ۔

انچارج گلستان ۔ ماہنامہ ۔ سچی کہانی 29 صبیب بینک بلڈنگ اردو بازار لاہور



اقوال زریں

وہی رب ہے جو صبح نیند سے جگاتا ہے ۔ اس انسان کو جو سارا دن اللہ کی نافرمانیاں کرتا ہے ۔ کبھی ناچ...... کبھی گانا...... کبھی جھوٹ...... کبھی سود...... کبھی گالی...... کبھی کچھ...... اور جب رات ہوتی ہے تو سلا دیتا ہے اور ایسے سلاتا ہے جیسے سارا دن اس نے ایک بھی نافرمانی نہ کی ہو ۔ پہاڑ رو پڑے ۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے......؟ تو ان کو پکڑتا کیوں نہیں......؟ تو ان کو مارتا کیوں نہیں......؟ اجازت دیں تو ہم ان کو مٹا دیں ۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

"اسے خاموش رہو ۔ میں اس کی توبہ کا انتظار کر رہا ہوں ۔"

☆ بشارت صدیقی ۔ راناٹاؤن لاہور

رانگ نمبر

"ہیلو کیسی ہو تم؟" بڑی چہکتی ہوئی آواز آئی ۔

"کتنی دیر لگا دی تم نے میں کب سے بیٹھی تمہارے فون کا انتظار کر رہی تھی ۔"

"ہاں بس ذرا امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے کھانا بناتے ہوئے ذرا دیر ہو گئی ۔"

"ویسے تم کیا کر رہی تھی؟" بات کو پلٹا گیا ۔

"میں...... میں تو شاہ رخ خان کی فلم "میں ہوں ناں" وہ دیکھ رہی تھی ۔"

"اوہ۔ اچھا شاہ رخ خان کی فلم...... میں آج ہی اس کی ڈی وی ڈی منگواتی ہوں ۔ پتہ ہے میرے ماموں جان نے آج ہی مجھے نیا ڈی وی ڈی بھیجا ہے ۔"

"یہ تو اچھی بات ہے اور اچھا کیا حال ہے تمہارا......؟" جمائی لیتے ہوئے پوچھا گیا ۔

"میں بہت تھک گئی ہوں آج تو۔"

"کیوں کیا کیا تھا.....؟"

"بس ذرا امی کے ساتھ بازار گئی تھی پوری گرمیوں کی شاپنگ کر لی ہے۔"

"اچھا سنو! جس کام کے لیے میں نے فون کیا تھا وہ تو بھول ہی گئی۔ اگر یاسمین سے بات ہو تو اسے کہنا وہ اپنی اورنج جارجٹ کی قمیص بھیج دے۔ مجھے بھی ویسی ہی بنوانی ہے۔"

"کون یاسمین.....؟ کون سی قمیص.....؟"

"کیا مطلب..... کون یاسمین.....؟ وہ جو ایف اے میں ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔"

"لیکن عظمیٰ! ہم تو میٹرک کے بعد سکول گئے ہی نہیں اور کون سی سہیلی یاسمین.....؟"

"ارے بھئی کون عظمیٰ.....؟ میں تو سنیا ہوں اور کیا تم فرزانہ نہیں ہو؟"

"فرزانہ..... نہیں تو..... میں تو صباح ہوں۔"

"کیا یہ فلاں فلاں نمبر نہیں ہے؟"

"نہیں..... یہ نمبر نہیں ہے۔"

"سوری رانگ نمبر..... !!!"

☆ ایس۔ امتیاز احمد۔ کراچی

آٹھ الفاظ

ایک کنجوس شخص نے اخبار کے دفتر فون کیا اور کہا۔

"میرا باپ مر گیا ہے خبر لگوانے کے کتنے پیسے ہوں گے؟" جواب ملا۔

"پچاس روپے فی لفظ۔" کنجوس بولا۔

"اوہو یہ تو بہت زیادہ ہیں..... اچھا لکھو غفار بھائی مر گئے۔" اخبار والا بولا۔

"کم از کم آٹھ الفاظ ہونے چاہیے۔" کنجوس شخص بولا۔

"اوہو اچھا ذرا سوچنے دو......" پھر چند منٹ بعد گویا ہوا۔

"غفار بھائی مر گئے سوزوکی برائے فروخت۔"

☆ امن فضا۔ پشاور

دعا

کسی کو کچھ دینے سے اچھا ہے اسے دعا دو کیونکہ تم ہر چیز واپس لے سکتے ہو مگر کسی کو دیا ہوا اچھا وقت اور دعا واپس نہیں لے سکتے۔

☆ فضا ماہرہ۔ پشاور

ہنسی بیتی

آم کے سیزن میں ہمارے ایک دوست نے ہمیں اپنے ہاں مدعو کیا تو ہم بخوشی ان کے گاؤں چلے گئے۔ انہوں نے اپنے باغات میں مختلف اقسام کے آم کاشت کیے ہوئے تھے۔ ایک روز ہم سے کہنے لگے۔

"بھائی صاحب! جب تک آپ ہمارے یہاں مقیم ہیں ہم آپ کو یونہی آم کھلاتے رہیں گے؟" ہم نے کہا۔

"تو پھر بھائی جان! ہم یہیں کے ہو کر رہ جائیں گے۔"

☆ چوہدری قمر جہاں علی پوری۔ ملتان

لطیفہ

ایک صاحب! کافی رات گئے گھر لوٹے اور فوراً ہی

پوچھا کہ بیگم میری عدم موجودگی میں کوئی گھر آیا تھا؟....... تو بیگم بولی ہاں! چور آیا تھا.....

تو کچھ لوٹا تو نہیں...... صاحب نے پوچھا..

... ارے لوٹا تو اندھیرے کی وجہ سے میں سمجھی کہ آپ آئے ہیں

سہیل ثاقب۔ لاہور

قطب جنوبی کے جن

اسکیمو بد روحوں' جنوں بھوتوں اور چڑیلوں پر بہت زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ موسم سرما میں سورج کی عدم موجودگی کو جنوں کی شرارت سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ شریر جن اپنے بازو سورج کے سامنے پھیلا دیتے ہیں اسی لیے تاریکی چھا جاتی ہے۔ تاہم وہ جن اور بھوتوں کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ عورتیں البتہ ٹوٹے فولکوں میں گم رہتی ہیں۔ اسکیمو عورتیں چربی سے جلائے گئے چراغ کے گرد سات چکر لگا کر اپنی خیر و عافیت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں کو بددعائیں دیتی ہیں۔

محمد آصف .... ہارون آباد

اسلام زندہ باد

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جا رہا تھا۔ اس کے بیٹے کا نام اسلام تھا۔ اس آدمی نے اپنے بیٹے کو کسی کام سے باہر بھیج دیا۔ ایک گھنٹہ ہو گیا۔ مگر وہ نہ آیا۔ حتیٰ کہ جہاز کے چلنے کا وقت ہو گیا۔ تو اس آدمی نے آواز لگائی۔

"اسلام"

بندرگاہ پر کھڑے لوگ جذبات میں آ گئے اور سب نے مل کر کہا۔

زندہ باد

(محمد انوار الحق طاہر۔ لاہور)

لطیفہ

ایک صاحب کے پیر بہت بڑے تھے۔ اتفاق سے انہیں نظر بھی بہت کم آتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے نوکر کے ساتھ جوتا خریدنے گئے۔ تمام دکانیں چھان ماریں لیکن کہیں بھی ان کے ناپ کا جوتا نہیں ملا۔ آخر وہ ایک دوکان میں نوکر کا ہاتھ پکڑ کر داخل ہوئے۔ اچانک ایک جوتا ان کے پیر میں آ گیا۔ وہ ایک دم چیخ اٹھے۔

"فضول یہ جوتا خرید لو.... یہ بالکل ٹھیک ہے"

نوکر نے جواب دیا۔

"سرکار آپ نے تو اپنا پیر جوتے کے ڈبے میں رکھا ہے۔"

محمد خالد عمران' بہاولپور

رائے

آج کا انسان معاشی اور ذہنی پریشانیوں کا شکار ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ تفریح اور دلچسپی کی طرف راغب ہونا چاہتا ہے ماہنامہ سچی کہانی اس کا بہترین اور محبوب ہے۔ جو اس کے دل اور دماغ کو فرحت عطا کرتا

ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جس کا وہ متلاشی ہے۔

واجد گیلانوی کراچی

لطیفہ

ایک صاحب نے کسی بھکاری سے کہا۔

"تمہیں بھیک مانگتے شرم نہیں آتی؟ چلو میرے گھر کام کرنا میں تمہیں روزانہ پانچ روپے دوں گا۔"

بھکاری نے کہا۔

"صرف پانچ روپے۔ آپ میرے ساتھ یہاں بیٹھیں میں آپ کو روزانہ دس روپے دوں گا۔"

محمد ساجد ندیم فیصل آباد

روشن کلمات

جن پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتے ہیں

☆..... اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکیں اور نہ اس کے سوا کسی سے ڈریں۔ اسی پر بھروسہ رکھیں اسی سے خیر کے طلب گار رہیں اسی کی حمد کریں اور ہر حال میں اس کا شکر بجا لاتے رہیں یعنی ہر حال میں شرک سے بچیں اور حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی مانیں۔

☆..... زندہ قوموں کے لوگوں کی پہچان یہی ہے کہ وہ با اصول ہوتی ہیں ہمیشہ کھری بات کریں ایسی بات زبان سے نہ نکالیں جسے پورا نہ کر سکیں۔

☆..... سب انسان برابر ہیں اگرچہ ان کے کام مختلف ہیں اس لئے ہر انسان کی عزت کریں ان کے ساتھ خوش اخلاقی، مسکراہٹ، ہمدردی اور خلوص سے پیش آئیں نیکی کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہیں ہر انسان سے اس کی سوچ اور صلاحیت کے مطابق بات کریں دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھیں۔

☆..... دوسروں کی بھلائی کے جو کام آپ کے اختیار میں ہوں وہ احسان کے طور پر کر دیا کریں لیکن بدلے میں شکریہ کی توقع نہ رکھیں اور نہ ہی جتائیں۔

☆..... حق کی راہ میں مشکلات سے کبھی نہ گھبرائیں ہمیشہ حق کی بات کہیں۔

☆..... دوسروں کے جذبات کی قدر کریں غلط ان سے دوستی اور خیر خواہی میں پہل کریں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیا کریں برائی کا جواب بھلائی سے دیں ہر معاملے میں دیانت داری سے کام لیں اور کبھی کسی کو دھوکہ نہ دیں آپ کی خوشیاں اور غم ان کا تعلق آپ کے خیالات سے ہے ان کو پاکیزہ رکھیں۔

☆..... والدین کی خدمت دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے اس کو اپنائیں اور ان کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پرہیز کریں۔

☆..... جہاں تک ممکن ہو لوگوں کے دکھ درد میں کام آئیں خدمت خلق دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے جو روحانی خوشی کا باعث ہوتی ہے اس میں کوتاہی نہ کریں نیک کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔

☆..... دوسروں کے عیبوں اور کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہیں بلکہ ان کی پردہ پوشی کریں دوسروں کے راز کبھی افشا نہ کریں اور نہ ہی ان سے ناجائز فائدہ اٹھائیں جہاں تک ہو سکے بد کلامی سے بچیں اور کسی کا مذاق بھی نہ اڑائیں۔

☆..... صلح پسند رہیں لوگوں کے آپس میں کشیدگی، رنجش یا بگاڑ دیکھیں تو دوستی یا صلح کرا دیا کریں نہ کسی سے بغض رکھیں اور نہ کسی سے طنز کے ساتھ پیش آئیں۔ اوروں کے ساتھ رشک، حسد سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔

☆..... کبھی بھی اپنے ضمیر کے خلاف بات نہ کریں اپنے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دیں۔ خواہشات اور آرزوئیں محدود اور ضروریات کم رکھیں اور اپنی ذات کا محاسبہ اور اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

☆..... غصہ جذبہ شیطانی ہے اس پر قابو رکھیں اور صبر سے کام لیں انتقام لینے سے پرہیز کریں بہتر ہے کہ معاف کر دیں نہ کسی کا برا چاہیں اور نہ کسی کو جھڑکیں اپنے اندر دوسروں کے لئے ایثار اور قربانی کا جذبہ پیدا کریں اپنے آپ کو گمراہ ہونے سے محفوظ رکھیں۔

☆..... ہمیشہ دوسروں کے لئے وہی پسند کریں جو خود آپ اپنے لئے چاہتے ہوں کبھی کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائیں برے لوگوں کی صحبت سے بچیں فضول اور بے جا بحث مباحثہ میں نہ پڑیں۔

☆..... اگر آپ کہیں برائی دیکھتے ہیں اور طاقت یا زبان سے نہیں روک سکتے تو کم از کم دل میں ضرور برا سمجھیں اور کوئی نیک کام اپنی شہرت یا ذاتی عزت کے لئے نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کریں۔

☆..... ہم میں سے ہر ایک کا اولین فرض ہے کہ وہ اپنی صحت کی حفاظت اور ذاتی کردار کی بلندی کا خیال رکھیں اور کبھی بھی کسی کی توہین کا باعث نہ بنیں اگر حقیقی کامیابی

چاہتے ہیں تو لگاتار محنت کریں۔

☆..... کسی کی ہمت سے بڑھ کر اس سے کام نہ لیں اور مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کریں یاد رکھیں رزق حلال میں عبادت ہے کاروبار میں امانت اور دیانت کا پہلو اختیار کریں۔

☆..... اپنے ملازمین کی تنخواہوں اور سہولتوں میں بغیر تقاضے کے اضافہ کریں اور کسی کا حق بغیر اس کے مانگے اس کو دیں۔

☆..... زندگی میں اگر اہم مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں۔ وقت کے پابند رہیں نہ کسی کا انتظار کریں اور نہ کسی کو انتظار کی زحمت دیں۔ زندگی مختصر ہے اور کام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے حسن اخلاق زندگی دین کو لین پر ترجیح میں پوشیدہ ہے۔

☆..... کسی کی شرافت یا قابلیت معلوم کرنی ہو تو اس کے لباس سے نہیں بلکہ اس کی تقویٰ، کردار اور عمل سے معلوم کریں۔

☆ نسرین بشارت۔ لاہور

لطیفہ

انکل۔ "عمران بیٹا آج کیا تاریخ ہے؟"

عمران۔ "آپ مجھے کل کی تاریخ بتادیں۔ تو میں آپ کو آج کی تاریخ بتادوں گا۔"

سیدہ ظفر، حیدر آباد

میوزک چینل

بے روزگاری۔۔۔ زندگی جا پھوڑ دے چیا میرا آخر میں انسان ہوں پتھر تو نہیں۔

لڑیوا فرنیات۔۔۔ اڑ کے ہم تو گا۔۔۔ قیمت ہی بڑھ اسکی تھی۔

بجلی کا بل۔۔۔ دل گھبراتا ہے آنکھ بھر آتی ہے تجھے دیکھ کر جان نکل جاتی ہے۔

طالب علم۔۔۔ آج کل لگتا نہیں دل آج کل

ملازمت۔۔۔ مجھے چھوڑ کر گئے میرا وزیر بے

محبوب۔۔۔ کل او کون سی تیرے نال

بیوی۔۔۔ آئی ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے

غریب لوگ۔۔۔ امیروں کی شام غریبوں کے نام

جاگیردار سیاستدان۔۔۔ پاکستان ہمارا ہے کیا ہم غریبوں کا حق مارا ہے۔

قاسمی۔۔۔ ماں دیکھ تیرا منڈا بگڑا جائے۔

☆ محمد امیر ساغر، تگڑا، عودری تحصیل بطلان

دوست کیا ہے

دوستی اک نازک پھول ہے اگر اس کی احتیاط نہ کی جائے تو یہ نازک سا رشتہ پل بھر میں ٹوٹ جاتا ہے۔ دوستی وہ پھول ہے جس کی مہک تا ابد قائم رہتی ہے۔ دوستی ایک ایسا جذبہ ہے جو دو دلوں کے درمیان پرورش پاتا ہے غم کے بادلوں کو شکست دینے اور آنسوؤں کو روکنے کے لئے صرف سچی دوستی کی ضرورت ہوتی ہے اور خلوص کی آڑ میں دوسروں کو دھوکہ دینے والے افراد کو بداخلاق، بدکردار لوگوں کے گروہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ جو دوستی جیسی عظیم چیز کو داغ دار کرتے ہیں۔ یاد رکھو دوست بنانے سے پہلے اپنے دل میں ایک ایسا قبرستان تیار کرو جس میں تم ساری برائیاں دفن کرسکو۔

☆ آسیہ اشرف سنہاں، لاہور

لطیفہ

مریض کا بھتیجا کوثر: "ڈاکٹر صاحب! آپ کے علاج سے جو مجھے فائدہ ہوا ہے اس کے لئے شکریہ قبول فرمائیں۔"

ڈاکٹر واجد: "لیکن آپ تو کبھی میرے زیر علاج نہیں رہے؟"

کوثر: "یہ سچ ہے لیکن میرے چچا مرحوم آپ کے زیر علاج تھے اب میں ان کی جائیداد کا اکیلا وارث ہوں۔"

واجد تحیتوی کراچی

قارئین سچی کہانی کے لیے ایک ذہنی سلسلہ

سچی کہانی کوئیز

☆ کوپن برائے ماہ جون 2014ء ☆

تین آسان سوالوں کے جوابات دے کر ماہنامہ سچی کہانی لاہور کی طرف سے 1000 روپے کا انعام حاصل کریں۔ پوچھے گئے سوالات کے جوابات اس ماہ کے کوپن پر لکھ کر اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور اس کے ہمراہ 10 روپے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ ارسال کریں۔ ایک سے زائد درست جوابات موصول ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ جتنی زیادہ اندراجات اتنے ہی زیادہ انعام جیتنے کے مواقع۔ ٹکٹ یا دوسرا شناختی فوٹو کاپی قابل قبول نہ ہوگی۔ کوپن ہمیں ہر ماہ کی 7 تاریخ تک موصول ہو جانا چاہیے۔

1-سوال ...... حضرت داتا گنج بخشؒ کا اصل نام بتائیں......؟

جواب

2-سوال ...... مسجد مہابت خان کس شہر میں واقع ہے......؟

جواب

3-سوال ...... صحرائے اعظم کس براعظم میں واقع ہے......؟

جواب

نام و پتہ

موبائل نمبر

ماہ مئی 2014ء کے درست جوابات

(1) جنگ تبوک 9 ہجری میں لڑی گئی۔ (2) حضرت خالد بن ولیدؓ کے بعد مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح مقرر ہوئے۔ (3) اسلامی ملک برونائی کے دارالحکومت کا نام "بندرسری باگوان" ہے۔

اس ماہ کے ونر ہیں "محمد شاہد صاحب" فیصل آباد سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔

(ادارہ سچی کہانی لاہور)

☆☆

معرفت ...... سچی کہانی کوئیز۔ 29 حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور

☎ موبائل نمبر 0314-4008530